کتاب الوعظ والتذکیر

جلد دوم

منتخب اصلاحی بیانات :

مفتی محمد سلمان منصورپوری

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ﴾ [الغاشية: ٢١]

(اے پیغمبر علیہ السلام) آپ سمجھاتے رہئے، آپ کا کام ہی سمجھانا ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

جلد دوم

منتخب اِصلاحی بیانات:

حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ناشر:

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

○ نام کتاب : کتاب الوعظ والتذکیر (جلد دوم)
○ منتخب اصلاحی بیانات : مفتی محمد سلمان منصور پوری
○ جمع وضبط : مفتی ابوجندل قاسمی، مفتی انعام الحق قاسمی حیدرآباد
مفتی عبدالرحمٰن قاسمی بنگلور، محمد اسجد قاسمی مظفر نگری
مفتی عبدالرزاق قاسمی بنگلور، اُم محمد سلمہا دہلی
○ کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفر نگری
○ ناشر : **المركز العلمي للنشر والتحقيق، لال باغ مرادآباد**
9412635154 - 9058602750
○ تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ لمیٹڈ) دریا گنج دہلی
011-23289786 - 23289159
○ اشاعتِ : جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ مطابق دسمبر ۲۰۲۱ء
○ صفحات : ۳۵۲

○ آڈیو بیانات سننے کے لئے درج ذیل ویب سائٹ ملاحظہ کریں:

www.attablig.com/MUFTI-SALMAN

(مولوی محمد جنید پٹیل، جامعہ حقانیہ کٹھور، گجرات)

○ الحمدللہ ہر اتوار کو رات میں ۱۰ ربجے ''التذکیر یوٹیوب چینل'' پر ''درسِ قرآن'' اور ''دینی رہنمائی'' کا پروگرام نشر کیا جاتا ہے، لنک درج ذیل ہے:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER

(مفتی سید محمد ابوبکر صدیق منصور پوری **8791034667**)

نصیحت جاری رکھئے!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ○ [الذّٰریٰت: ۵۵]

(اور آپ نصیحت فرماتے رہئے! اِس لئے کہ نصیحت اِیمان والوں کو نفع دیتی ہے)

سب سے اچھی بات

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ○وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ○ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ○

[فصلت: ۳۳-۳۶]

ترجمہ:- اوراُس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو (لوگوں کو) اللہ کی طرف بلائے اور (خود) نیک عمل (بھی) کرے اور کہے کہ میں تابع داروں میں سے ہوں۔ اور نیکی اور برائی برابر نہیں ہوسکتی، برائی کو ایسی خصلت سے دفع فرمایئے جو بہت بہتر ہو، پھر وہ شخص کہ جس میں اور آپ میں دشمنی ہے گویا کہ وہ جگری دوست بن جائے گا، اور یہ خصلت انہیں کو عطا ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ بات انہیں کو سکھلائی جاتی ہے جو بڑے خوش نصیب ہیں، اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ باز رکھے تو اللہ سے پناہ مانگئے، بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

نحمده ونصلي علىٰ رسولهٖ الكريم، أمابعد !

بفضلہٖ تعالیٰ ’’کتابُ الوعظ والتذکیر‘‘ کی دوسری جلد قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جو۲۵؍مواعظ کا مجموعہ ہے۔ اِس کا بڑا حصہ قرآنِ کریم کی اُن سورتوں کی آسان تفسیر پر مشتمل ہے جو اکثر نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں۔

والد ماجد حضرت اَقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصورپوری نوراللہ مرقدہٗ (المتوفی: ۸؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ) اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اُمت کو قرآنِ کریم سے قریب کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ کی تاکید ہوتی تھی کہ قرآنی آیات اور سورتوں کو بنیاد بناکر گفتگو کی جائے؛ کیوں کہ اِس میں ہدایت کی اُمید زیادہ ہے۔

اِسی کو سامنے رکھ کر ’’سورۂ فاتحہ‘‘ اور ’’سورۂ زلزال‘‘ سے ’’سورۂ بقرہ (الْمُفْلِحُوْنَ)‘‘ تک بالترتیب دروسِ تفسیر اِس مجموعے میں شامل کیے گئے ہیں، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

علاوہ اَزیں اَخیر میں ’’عظمتِ صحابۂ کرام واہلِ بیت رضی اللہ عنہم‘‘ سے متعلق دو تحریروں کو بھی اِس سلسلہ میں شامل کیا گیا ہے، جن کے مطالعہ سے ذہن میں پختگی اور حق پر اِستقامت میں بہت مدد ملے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

موعظت ونصیحت کا رتبہ بہت بلند ہے، اور احقر کو اپنی بے مائیگی کا پورا احساس ہے؛ البتہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور حضراتِ اَساتذۂ کرام اور والدین محترمین کی دعاؤں اور توجہات کی برکت سے دل میں یہ جذبہ ہے کہ یہ بکھرے ہوئے اَلفاظ مرتب ہوکر صدقہ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت بن جائیں؛

تا کہ غفلت میں گذری ہوئی زندگی کی آئندہ کچھ تلافی ہوسکے۔ **وَمَا ذٰلِکَ عَلَى اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ**۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِن کاوشوں کو قبول فرمائیں اور کہنے، لکھنے اور پڑھنے سے زیادہ عمل کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

جن اَحباب نے کتاب کی تیاری میں جس مرحلہ پر بھی جو تعاون کیا؛ خواہ بیانات کو تحریری شکل دینے میں یا کتابت اور تصحیح کرنے میں یا طباعت کرنے میں؛ احقر اُن سب کا تہہ دل سے شکر گذار ہے، فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

اللہ تعالیٰ اِس سلسلے کو بسہولت مکمل فرمائیں، اور اُمت کے لئے نافع بنائیں، آمین۔

حضراتِ قارئین سے بھی دعاؤں کی عاجزانہ گذارش ہے۔

فقط واللہ الموفق:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

۱۴۴۳/۴/۲۳ھ مطابق ۲۰۲۱/۱۱/۲۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حسنِ ترتیب

(۲۱)

درسِ سورۂ فاتحہ

(۲۲)

آخرت کی فکر

(تفسیر ''سورۂ زلزال'')

(۲۳)

رب کی ناشکری نہ کریں!

(تفسیر ''سورۂ عادیات'')

(۲۴)

اچھا اور برا انجام

(تفسیر ''سورۃ القارعۃ'')

(۲۵)

غفلت میں نہ رہیں!

(تفسیر ''سورۂ تکاثر'')

(۲۶)

خسارے سے کیسے بچیں؟

(تفسیر ''سورۂ والعصر'')

(۲۷)

تین بری عادتوں پر وعید

(تفسیر ''سورۂ ہمزہ'')

(۲۸)

اَبرہہ کے لشکر کا برا اَنجام

(تفسیر ''سورۂ فیل'')

(۲۹)

قریش کو عبادت کی تاکید

(تفسیر ''سورۂ قریش'')

(۳۰)

کفار اور منافقین کی بعض بری عادتیں

(تفسیر ''سورۂ ماعون'')

(۳۱)

حوضِ کوثر کی نعمت

(تفسیر ''سورۂ کوثر'')

(۳۲)

شرک سے مکمل برأت

(تفسیر ''سورۂ کافرون'')

(۳۳)

فتح ونصرت پر شکرگذاری کا حکم

(تفسیر ''سورۂ نصر'')

(۳۴)

گستاخِ رسالت کا بدترین انجام

(تفسیر ''سورۂ لہب'')

(۳۵)

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت

(تفسیر ''سورۂ اخلاص'')

(۳۶)

شرور سے پناہ
(تفسیر ''سورۂ فلق'')

(۳۷)

شیطانی وساوس سے پناہ!
(تفسیر ''سورۂ ناس'')

(۳۸)

متقین کی صفات

(تفسیر آغاز ''سورۂ بقرہ'')

(۳۹)

اِیمان بچانے کی محنت

(۴۰)

مساجد کی اَہمیت

(۴۱)

بعض نامور غیر مسلم مفکرین کی طرف سے

رحمتِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عظمت کا اعتراف

(۴۲)

عظمتِ صحابہ واہلِ بیت رضی اللہ عنہم

(۴۳)

ماہِ محرم اور ذکرِ شہادت

(۴۴)

حضرات صحابہ کرام واہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف

(۴۵)

راہِ حق پر اِستقامت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلہ اِصلاحی بیانات: (۲۱)

درسِ سورۂ فاتحہ

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

جمع وضبط:

(مفتی) ابو جندل قاسمی

اُستاذ حدیث مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ ضلع مظفر نگر

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مراد آباد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ. [الذٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت اِیمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۲۱)

موضوعِ خطاب	:	درسِ سورۂ فاتحہ
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	مدرسہ احسن البنات محلّہ طویلہ مرادآباد
تاریخ	:	ربیع الاول ۱۴۱۸ء مطابق ۱۹۹۸ء
دورانیہ	:	دو گھنٹے تقریباً (چار نشستوں میں)
جمع وضبط	:	(مفتی) ابوجندل قاسمی مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ مظفر نگر

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريک لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارک وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارک وسلَّم تسليمًا كثيرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ. اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ. اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ. صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ، غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ صدق اللّٰه مولانا العلي العظيم.

(ترجمہ: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، جو سارے جہانوں کا پالنہار ہے۔ وہ بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔ روزِ جزاء کا مالک ہے۔ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی

سے مدد چاہتے ہیں۔ آپ ہم کو سیدھا راستہ دکھلایئے۔ اُن لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے فضل فرمایا، جن پر نہ آپ کا غضب ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے)

محترم بھائیو بزرگو اور دوستو!

موجودہ ترتیب کے اعتبار سے ''سورۂ فاتحہ'' قرآنِ کریم کی سب سے پہلی سورت ہے، جو مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی، اور ۷ر آیتوں پر مشتمل ہے۔ اِس سورت کی عظمت کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان جتلاتے ہوئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مخاطب ہوکر اِرشاد فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ﴾ [الحجر: ۸۷] (یعنی ہم نے آپ کو سات ایسی آیتیں عطا کی ہیں، جو بار بار پڑھی جانے والی ہیں، اور ''قرآنِ عظیم'' سے نوازا ہے۔

قرآنِ کریم کا کوئی اور حصہ اتنا زیادہ نہیں پڑھا جاتا جتنا ''سورۂ فاتحہ'' پڑھی جاتی ہے؛ کیوں کہ نماز کی ہر رکعت میں اُس کو پڑھنے کا حکم ہے۔

حضرت ابوسعید بن المعلّٰی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میں تمہیں تمہارے مسجد سے نکلنے سے پہلے ایک ایسی سورت سکھلاؤں گا جو قرآنِ کریم کی سورتوں میں سب سے عظیم الشان ہے، پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مسجد سے باہر کی طرف تشریف لے چلے، تو میں نے عرض کیا کہ آپ نے قرآنِ پاک کی سب سے عظیم سورت سکھلانے کا مجھ سے وعدہ فرمایا تھا، تو اُس کے جواب میں پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنُ الْعَظِیْمُ الَّذِيْ أُوْتِیْتُهُ''. (صحیح البخاري / باب فضل فاتحة الکتاب رقم: ۵۰۰۶، صفوة التفاسیر) (وہ سورت ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾ ہے، اور یہی وہ سات آیات اور قرآنِ عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے)

سیدنا حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اُنہوں نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ''سورۂ فاتحہ'' پڑھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ''وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِیَدِهٖ مَا أُنْزِلَ فِيْ التَّوْرَاةِ وَلَا فِيْ الْإِنْجِیْلِ وَلَا فِيْ الزَّبُوْرِ وَلَا فِيْ الْفُرْقَانِ

مِثْلُهَا، هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ". (رواه الامام احمد، صفوة التفاسير للصابونی ۱۶/۱) (یعنی اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اِس جیسی سورت توریت، انجیل، زبور؛ حتیٰ کہ قرآنِ کریم میں بھی اور کوئی نازل نہیں کی گئی، یہ سات آیتیں اور قرآنِ عظیم ہے جن سے مجھے نوازا گیا ہے)

اور اُسے ''فاتحہ'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مضامینِ قرآنیہ کے لئے پیش لفظ کی حیثیت رکھتی ہے۔

سورۂ صلوٰۃ

یہ اتنی پیاری سورت ہے کہ جب بندہ اِس کی نماز میں تلاوت کرتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اُس کا نہایت شفقت بھرے انداز میں بروقت جواب دیا جاتا ہے۔

چناں چہ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''قَسَمْتُ الصَّلاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ'' (یعنی میں نے ''صلوٰۃ'' (سورۂ فاتحہ جو نماز میں اہم واجب ہے) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کردیا ہے)

لہٰذا جب بندہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ پڑھتا ہے، تو میں جواب دیتا ہوں ''حَمِدَنِي عَبْدِي'' (میرے بندے نے میری تعریف کی)

دیکھئے کیسا پیارا جواب ہے؟ مثلاً کوئی چھوٹا بچہ جسے زیادہ بولنا نہ آتا ہو، اگر کوئی اچھا سا جملہ زبان سے نکال دے، تو ماں باپ خوشی میں نہال ہوجاتے ہیں، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے کی زبانی حمد کے کلمات سن کر مسرت کا اظہار فرماتے ہیں۔

اور جب بندہ ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھتا ہے، تو میں کہتا ہوں ''أَثْنیٰ عَلَيَّ عَبْدِي'' (میرے بندے نے میری ثنا بیان کی)

اور جب بندہ ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کہتا ہے، تو میں کہتا ہوں ''مَجَّدَنِي عَبْدِي'' (یعنی میرے بندے نے میری بزرگی اور بڑائی بیان کی) تو یہ تین آیتیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے خاص ہوگئیں۔

اُس کے بعد جب بندہ ﴿اِيَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاکَ نَسۡتَعِيۡنُ﴾ پڑھتا ہے، یعنی بندہ کہہ رہا ہے ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''هٰذَا بَيۡنِيۡ وَبَيۡنَ عَبۡدِيۡ وَلِعَبۡدِيۡ مَا سَأَلَ'' (یعنی یہ جملہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے، اور بندے نے جو مانگا وہ اُسے ملے گا)

اُس کے بعد جب بندہ ﴿اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب اِرشاد ہوتا ہے: ''هٰذَا لِعَبۡدِيۡ وَلِعَبۡدِيۡ مَا سَأَلَ'' (یعنی یہ بندے کی درخواست ہے اور اُس نے جو مانگا ہے وہ اُسے عطا ہوگا) گویا بندے کو ''صراطِ مستقیم'' ملے گا، اُس پر قبولیت کی مہر لگادی گئی ہے۔

اِس کے بعد جب بندہ ﴿صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ﴾ پڑھتا ہے، تو اُس کے جواب میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ بندے نے جو درخواست کی ہے وہ قبول ہے۔

اور آخری آیت میں جب بندہ ﴿غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ﴾ پڑھتا ہے تو اُس کی قبولیت پر بھی مہر لگادی جاتی ہے۔ (صحیح مسلم حدیث: ۳۹۵)

اِسی بنا پر فقہاء لکھتے ہیں کہ ''سورۂ فاتحہ'' پڑھتے وقت ہر ہر آیت پر وقف کرنا بہتر ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اگر اِس تصور سے اِس سورت کو پڑھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب دیا جارہا ہے، تو اُس کے پڑھنے کا لطف ہی دوبالا ہوجائے گا۔ بہرحال بہتر یہی ہے کہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت میں جلد بازی نہ کی جائے۔

اُمّ الکتاب

سورۂ فاتحہ کو ''اُمّ الکتاب'' بھی کہا جاتا ہے، یعنی یہ پورے قرآنِ کریم کا خلاصہ اور اختصار ہے۔

قرآنِ کریم میں جتنی بھی باتیں بیان کی گئی ہیں، اُن سب کا اِجمالی ذکر اِس سورت میں موجود ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم کے مضامین تین موضوعات پر مشتمل ہیں:

(۱) وحدانیت:- (جس کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ومناظر اور صفاتِ عالیہ بیان کی گئی ہیں)

(۲) رسالت:- (جس کے ضمن میں حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور شرعی اَحکامات بیان ہوئے ہیں)

(۳) آخرت:- (قرآنِ کریم میں جابجا آخرت کی یاد دلائی گئی ہے، اور جنت وجہنم اور قیامت کے مناظر بیان کیئے گئے ہیں)

اَب سورۂ فاتحہ میں شروع کی دو آیات میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور صفاتِ عالیہ کا ذکر ہے۔

تیسری آیت میں آخرت کا تذکرہ ہے۔

اور اُس کے بعد والی آیتوں میں عبادت اور صراطِ مستقیم یعنی رسالت کا تذکرہ ہے۔ تو اِس اعتبار سے اِس سورت کو "اُم الکتاب" کہنا بالکل بجا ہے۔

ایک دوسرا زاویۂ نظر

بعض حضراتِ مفسرین نے اِس بات کی تشریح ایک دوسرے انداز میں کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم کے مضامین تین حصوں پر مشتمل ہیں:

(۱) علم اُصول:- (اِس کا تعلق سبھی عقائد سے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، رسولوں کی رسالت، کتابوں کی حقانیت، تقدیر اور آخرت کی صداقت پر یقین کیا جائے)

(۲) علم فروع:- (یعنی جزئی اَحکامات مثلاً فرائض، نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ، اِسی طرح معاشرتی مسائل اور معاملات وغیرہ کے متعلق اَحکامات جو پورے قرآنِ کریم میں جابجا پھیلے ہوئے ہیں)

(۳) تزکیہ:- (یعنی اِنسان کی اِس اَنداز پر تربیت ہو کہ وہ پوری طرح شریعت کے رنگ میں رنگ جائے، اور اُس کے اَخلاق مزکّی اور مجلّٰی ہو جائیں)

اَب اِن چیزوں کا جب سورۂ فاتحہ میں جائزہ لیا جاتا ہے تو ابتدائی تین آیتیں "علم اُصول" پر مشتمل ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے ہوئے اُس کی رحمت ور بوبیت اور قدرتِ کاملہ کو بیان کیا گیا ہے، اور آخرت کی یاد بھی دلائی گئی ہے۔

اور گویا کہ پورا "علم فروع" چوتھی آیت: ﴿اِيَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاکَ نَسۡتَعِيۡنُ﴾ میں بیان کردیا گیا ہے؛ کیوں کہ شریعت پر عمل کرنا ہی دراَصل حقیقی بندگی ہے، جس کا اقرار واعتراف اِس آیت میں کرایا گیا ہے۔

اَب رہ گیا تزکیہ؛ یعنی دل کی صفائی اور اللہ تعالیٰ کی خشیت، تو اِس کا تذکرہ پانچویں سے ساتویں آیات میں ہے؛ کیوں کہ تزکیہ کی بنیاد صراطِ مستقیم پر ہے، جو دراصل نورِ قلب کا دوسرا نام ہے، اِسی راہ پر چلنے سے دل روشن ہوتا ہے، اور بصیرت نصیب ہوتی ہے، اور یہ راستہ اُسی وقت مل سکتا ہے جب کہ آدمی موافق ماحول میں رہ کر زندگی گذارے اور غلط سوسائٹی سے بچے، اِسی لئے جب صراطِ مستقیم کی دعا کی گئی، تو ساتھ میں اللہ کے مقرب بندوں کا راستہ اپنانے اور ناپسندیدہ بندوں سے الگ رہنے کی درخواست بھی کی گئی ہے۔

تو اِس اعتبار سے بھی "سورۂ فاتحہ" بلاشبہ خلاصہ قرآنِ کریم ہے۔ (مستفاد: اَوضح البرہان فی تفسیر اُم القرآن/للشیخ محمد سلطان الجندی المعصومی المکی)

ایک اور خلاصہ

اور بعض حضرات نے قرآنِ کریم کے مضامین کا خلاصہ صرف دو باتوں میں بیان فرمایا ہے:

(۱) معرفتِ عزتِ ربوبیت:- (یعنی یہ جاننا کہ اللہ رب العالمین ہی سب سے زیادہ عزت والا ہے، اور اُسی کا حکم ہی سب سے زیادہ قابل تعمیل ہے، جس سے روگردانی کی قطعاً اجازت نہیں ہے)

(۲) معرفتِ ذلتِ عبودیت:- (یعنی اِس بات پر یقین رکھنا کہ بندوں کے لئے بارگاہِ رب العزت میں اِطاعت واِنقیاد کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے، اور اُس کی عظمت کے مقابلے

میں ہر شخص کو اپنی عاجزی اور انکساری کا استحضار ضروری ہے، اور اِس کے علاوہ بندوں کے لئے کوئی اور چارۂ کار نہیں؛ لہٰذا ہر شخص پر فرائض کی بجا آوری اور منہیات سے بچنا لازم ہے)

اَب دیکھا جائے تو سورۂ فاتحہ میں ابتدائی آیات میں ربُ العالمین کی عزت ورفعت اور رحمت بیان کی گئی ہے؛ جب کہ ﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ﴾ میں بندوں کی طرف سے عاجزی اور مسکنت کا اِظہار ہے۔ اور اَخیر میں ''صراطِ مستقیم'' کی دعا تعلیم کی گئی، یہ بھی دراَصل بندہ کی طرف سے نصرت اور مدد کی طلب کی ایک صورت ہے، اور اپنی محتاجگی کا اظہار ہے۔ (مستفاد: اَوضح البرہان فی تفسیر اُم القرآن/ للشیخ محمد سلطان الجخندی المعصومی المکی)

سورۂ فاتحہ: حضرت سید احمد شہید رائے بریلویؒ کی نظر میں

سر خیل مجاہدین، جامع شریعت وطریقت، قافلہ سالار حریت حضرت سید احمد شہید نور اللہ مرقدہٗ نے سورۂ فاتحہ کی مختصر تفسیر اپنے مخصوص انداز میں اُردو زبان میں تحریر فرما کر شائع کی تھی، جس کی تلخیص آسان زبان میں درج ذیل ہے:

''اِس سورت میں دراصل اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دعا کرنے کا طریقہ بتلایا ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں ہوسکتا۔

اور دعا کا دستور یہ ہے کہ اگر چہ ہر آدمی اپنے کو محتاج اور بے بس سمجھتا ہے، مگر جب دوسرے سے مانگنے کا موقع ہو، تو اُسی شخص سے مانگا جاتا ہے جو باہمت، سخی، کریم اور قدرت والا ہو۔

اور جس آدمی میں جیسے اَوصاف ہوتے ہیں، اُسی اعتبار سے اُس سے سوال کرنے میں بھی فرق ہوتا ہے۔

پس جس میں سخاوت نہ ہو اُس سے نہیں مانگا جاتا۔

اور جس میں سخاوت ہو مگر ترش رو ہو، اُس سے بھی کوئی باغیرت شخص سوال نہیں کرتا۔

اور جو سخی ہو اور قدرت والا بھی ہو، اور با اَخلاق بھی ہو؛ لیکن مدد کرنے کے بعد احسان جتلائے، یا اپنی بڑائی کا اظہار کرے، تو اُس سے بھی کوئی باغیرت شخص اپنی ضرورت کے لئے سوال گوارا نہیں کرتا۔

اِسی طرح جس شخص کے پاس سائل کی مراد پوری کرنے کی قدرت اور طاقت ہی نہ ہو، اُس سے بھی مانگا نہیں جاتا۔

خلاصہ یہ کہ مانگا اُسی سے جاتا ہے جو اِس قدر صفاتِ کمالیہ سے متصف ہو کہ اُس سے مانگنا سائل کے لئے عزت کا سبب بن جائے، اور وہ اُس سے مانگنے میں ذلت محسوس نہ کرے۔

تو ایسے شخص سے سائل سوال کرنے سے قبل اُس کی صفاتِ عالیہ کا اِظہار کرتا ہے۔ پھر کامل یقین کے ساتھ اُس کے دربار میں اپنی درخواست پیش کرتا ہے، جس کے بعد سخی اور کریم کی طرف سے سوال کے مطابق سائل کو نوازے جانے میں کوئی شک اور شبہ باقی نہیں رہتا۔

تو جب دنیا میں آدمیوں کا ایسا حال ہے تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ عالی جس کی کوئی تمثیل نہیں ہوسکتی، اور جو ہر طرح کی خوبیوں اور کمالات سے پوری طرح متصف ہے، اُس سے جب کوئی سائل سچے دل سے سوال کرے گا، تو اُس کا سوال ہرگز رد نہیں کیا جائے گا۔

بریں بنا سورت کا آغاز ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ سے کیا گیا۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ تمام خوبیاں ذاتی طور پر اللہ ہی کی ہیں، کسی غیر کی نہیں؛ حتیٰ کہ بظاہر مخلوقات میں جو خوبیاں نظر آتی ہیں، مثلاً کسی کا خوب صورت ہونا، یا طاقت ور ہونا، یا بہادر اور سخی ہونا وغیرہ، اُن کا بھی سرچشمہ اللہ ہی کی ذات ہے کہ اگر اُس کی عنایت نہ ہوتی تو کوئی بندہ اُن صفات سے متصف نہیں ہوسکتا تھا؛ لہٰذا معلوم ہوا کہ لفظ: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ میں اللہ تعالیٰ کی ذاتی خوبیاں تو داخل ہے ہیں، ساتھ میں بندوں کی خوبیوں کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف کی جانی چاہیے۔

اُس کے بعد فرمایا گیا کہ: ﴿رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ یعنی وہ سارے جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے۔ اور یاد رکھنا چاہیے کہ پرورش کا تعلق صرف کھلانے پلانے سے ہی نہیں ہے؛ بلکہ اِس سے مراد اللہ تعالیٰ کی عنایات اور توجہاتِ عالیہ ہیں، مثلاً: فرشتوں کی پرورش اِس طرح ہوتی ہے کہ اُن پر اللہ تعالیٰ کی عنایات میں مسلسل اِضافہ ہوتا ہے، جس سے اُن کا کمال بڑھ جاتا ہے، اور اُنہیں قلبی اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ مثلاً: کوئی شخص کسی پر مہربانی کرکے اُس کو ایسا خوش کردے کہ وہ تازہ دم

ہو جائے، تو یہ عمل اُس کو کھانا کھلانے وغیرہ سے بہتر ہے۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ کی عنایات بندوں کی طرف مسلسل جاری رہتی ہیں، یہی اصل میں پرورش کا مفہوم ہے۔

چناں چہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب بندہ پوری توجہ سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑے ہوکر اُس کی حمد وثنا میں مشغول ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے دل میں خاص قسم کی سکینت کا نزول ہوتا ہے؛ بلکہ ہر جملے پر اُس کو جواب بھی ملتا ہے، یہ بہت بڑا اِنعام ہے۔

اُس کے بعد فرمایا گیا: ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ یعنی وہ بہت رحم والا اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ دنیا میں یہ دیکھا گیا ہے کہ آدمی کتنا ہی رحیم اور پرورش کرنے والا ہو، اگر اُس سے کوئی وقت بے وقت سوال کرنے لگے، تو وہ گھبرا جاتا ہے، اور کبھی جھلا کر اور خفا ہوکر سخت سست بھی کہنے لگتا ہے؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ ایسا بے مثال اور ہمیشہ کا مہربان ہے کہ اُس کو کبھی بھی کسی کے مانگنے اور کسی کی پرورش کرنے سے کوئی خفگی اور ناگواری نہیں ہوتی؛ بلکہ جو کوئی جتنا زیادہ مانگتا ہے، وہ اُس سے اُتنا ہی خوش ہوتا ہے، اِسی لئے اُس کو ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ فرمایا گیا ہے۔

اُس کے بعد اِرشاد ہوا: ﴿مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ یعنی وہ روزِ جزاء کا مالک ہے۔ اور روزِ جزاء سے مراد قیامت کا دن ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مالکیت دنیا اور آخرت ہر جگہ ہے؛ مگر اتنا فرق ہے کہ دنیا میں بظاہر دوسرے لوگ بھی عارضی طور پر مالک کہلائے جاسکتے ہیں؛ لیکن قیامت میں یہ عارضی مالکیت کا دعویٰ بھی کوئی نہ کرسکے گا، اور اُس دن صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی مالکیت کا ایسا برملا اظہار ہوگا کہ کسی اور کو دَم مارنے کی بھی ہمت نہ ہوگی۔

اِس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی زمین دار نے اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کے لئے رعایا میں سے کسی شخص کو ذمہ دار بنا رکھا ہو، اور وہ شخص باقی رعایا کے سامنے اپنے کو اُس زمین کا مالک بتاتا ہو؛ لیکن جب وہ زمین دار کے سامنے جائے گا، تو ہرگز اپنے کو مالک کہنے کی ہمت نہ کرے گا۔ اِسی طرح جب یہ زمین دار اپنے سے اُوپر کے کسی راجہ یا بادشاہ کے سامنے جائے گا، تو اُس کا بھی وہی حال ہوگا جو اُس کے ماتحت کا اُس کے ساتھ ہے...... الخ۔

اِسی طرح جب یہ سب لوگ قیامت کے دن مالک حقیقی رب العالمین کے سامنے حاضر ہوں گے، تو پتہ چلے گا کہ اَصل مالکیت تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے لئے ہے، اور اُس کے سامنے سب بے بس اور ہیچ ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مالکیت دنیا اور آخرت میں ہر جگہ کامل اور مکمل ہے؛ لیکن قیامت کے دن اِس کا اقرار چاروناچار ہر شخص کو کرنا پڑے گا۔

اِس تمہید کے بعد فرمایا گیا: ﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ﴾ یعنی ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔

عبادت کے معنی دراَصل تعظیم کے ہیں، اور تعظیم دو طرح کی ہوتی ہے:

ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، جیسے: نماز، روزہ وغیرہ عبادات؛ یہ سب تعظیم خداوندی کے مظاہر ہیں، اور غیر اللہ کے لئے اِس طرح کی عبادات کرنا جائز نہیں؛ بلکہ شرک ہے۔

اور دوسرے ایسے لوگوں کی تعظیم جن کی تعظیم کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، جیسے: ماں باپ کی تعظیم اور خدمت گذاری وغیرہ۔ تو اُن کی تعظیم بھی اِس حیثیت سے کہ وہ اللہ کا حکم ہے، اللہ ہی کی تعظیم میں شامل ہوگی۔ اِس اعتبار سے تعظیم کی سبھی صورتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہوجاتی ہیں۔

اُس کے بعد فرمایا گیا: ﴿وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ﴾ یعنی ہم آپ ہی سے اِعانت چاہتے ہیں۔ اِعانت کا حال بھی عبادت کی طرح ہے۔ ایک اِعانت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، جیسے: رزق، اَولاد، بزرگی وغیرہ، تو اِن کا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے مانگنا درست نہیں، اور یہ چیزیں کسی درجہ میں بھی اللہ کے علاوہ کسی کے اختیار میں نہیں ہیں۔

اور دوسرے وہ اِعانت جو ایک آدمی دوسرے کے ساتھ کرتا ہے، جیسے: کسی دوسرے شخص سے پانی مانگنا، کھانا پکوانا وغیرہ۔ تو اِس میں بھی اگر یہ تصور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کے تعاون کا حکم دیا ہے، اور اُس کی مرضی کے مطابق ہی ہم اُس سے مدد مانگ رہے ہیں، تو یہ بھی اللہ ہی سے مدد مانگنے کے درجہ میں ہوگا، جیسے کہ کوئی اَمیر رعایا سے یہ کہہ دے کہ فلاں خدمت گار سے کھانا پانی مانگ لینا، پھر لوگ اُن سے وہ مدد لے لیں، تو یہ اَمیر ہی کی طرف سے مدد کہلائے گی۔

اِسی طرح اگر بادشاہ لوگوں سے یہ کہے کہ میرے فلاں غلام کی تعظیم کرو، تو اُس غلام کی تعظیم بھی دراَصل بادشاہ کی تعظیم ہوگی۔

جب بندے کی طرف سے اِس قدر دل سے حمد وثناء ہوئی اور عاجزی اور بندگی کا اِقرار واعتراف ہوا، تو یقین ہے کہ رحمت خداوندی اُس کی طرف متوجہ ہوجائے گی۔ اِس لئے اَب اَصل مدعا پیش کیا جارہاہے کہ: ﴿اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ﴾ یعنی اے اللہ! آپ ہم کوسیدھی راہ بتلایئے۔تو یہاں صراطِ مستقیم سے دراصل اللہ تعالیٰ کی رضا مراد ہے۔

اور یہ جامع ترین دعا ہے، بایں طور کہ اگر جنت کی الگ الگ نعمتیں مانگی جائیں، اور وہ سب عطا بھی ہوجائیں، تو بہت ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقررہ نعمتوں سے کمتر ہوں، اور ہمارا ذہنی تصور اُن تک نہ پہنچتا ہو (مثلاً: جنت کی حوروں کی صفات وغیرہ) تو اِن تفصیلات کو مانگنے کے بجائے بہتر یہی ہے کہ اللہ کی رضا مانگی جائے، پھر اُس کی رضا کے مطابق جو بھی چیز عطا ہوگی وہ خوب سے خوب تر ہوگی۔

اور یہ دعا صرف نماز کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ بلکہ تازندگی ہر موقع پر صراطِ مستقیم کی دعا جاری رہنی چاہیے۔

اور رضائے خداوندی کا تعلق ہر اچھے کام پر ہوتا ہے، مگر کوئی اچھا کام کبھی کسی غیر سے بھی صادر ہوسکتا ہے، جیسے: عدالت اور اِنصاف پروری کا ظہور بعض کافروں سے بھی ہوتا ہے۔ اور بعض بے اِیمان لوگ غریبوں اور محتاجوں پر مال خرچ کرتے ہیں، تو اِن کاموں سے اللہ تعالیٰ راضی تو ہیں؛ لیکن یہ رضا آخرت میں کچھ کام نہ آئے گی؛ البتہ دنیا میں کچھ بدلہ مل سکتا ہے، اِس لئے صراطِ مستقیم کی تشریح اگلے جملے سے کی گئی کہ ﴿صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ﴾ یعنی جن لوگوں پر آپ نے فضل فرمایا اُن کی راہ۔ یعنی حضراتِ اَنبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ تو حاصل یہ ہوا کہ ہمیں وہ رضا عطا کی جائے جو ایسے خوش نصیب لوگوں کو ملی ہے۔ اِس کے برخلاف ایسی رضا جو بعض برے لوگوں کو کسی اچھے کام پر ہوتی ہے کہ اُن پر اُن کی برائیوں کی وجہ سے غصہ بھی

شامل ہوتا ہے، ایسی رضا ہمیں نہیں چاہئے۔ اِسی لئے فرمایا گیا: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ﴾ یعنی اُن لوگوں کی راہ نہ دے جن پر غصہ کیا گیا۔ جیسے فاسق اور گنہگار لوگ؛ کہ اگر چہ اُن سے بعض اچھے کام صادر ہوں؛ مگر وہ بدعملی کی وجہ سے اللہ کے غصہ کے مستحق ہیں۔

پھر فرمایا: ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ یعنی نہ اُن لوگوں کی راہ جو گمراہ ہوئے۔ تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوئی ظاہری اچھائی اُنہیں آخرت میں نجات نہ دلا سکے گی۔ اِس لئے صراطِ مستقیم سے اِن لوگوں کا استثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ (تلخیص رسالہ: تفسیر سورۂ فاتحہ، از: حضرت سید احمد شہیدؒ مرتبہ: حضرت مولانا عبدالحلیم چشتیؒ، مطبوعہ: بینات کراچی رمضان ۱۳۸۳ھ، ص: ۵-۱۵)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا درسِ سورۂ فاتحہ

ہمارے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ تحریکاتِ آزادی کے زمانے میں مرادآباد کی جیل میں قید کر لئے گئے، یہاں دیگر علماء بھی قید تھے، تو مشورہ ہوا کہ جیل میں تفسیری مجلس شروع کی جائے؛ چناں چہ حضرت نے لوگوں کے اِصرار پر جیل میں درسِ تفسیر کا آغاز فرمایا، جس میں جیل کے قیدی تو شریک ہوتے ہی تھے، مزید یہ کہ شہر کے بعض حضرات بھی ملاقات کے بہانے سے جیل میں جا کر اِس مبارک درس میں شرکت کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ اِن درسی اِفادات کو سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند و مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد نے کاپی میں نوٹ فرمایا، اور بعد میں کتابی شکل میں اُسے شائع کر دیا، جو خصوصاً اہل علم کے لئے بہت مفید اور دلچسپی کا باعث ہے۔

اِس موقع پر حضرت شیخ الاسلامؒ نے مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہ اکابر رحمہم اللہ کے علوم سے اِستفادہ کرتے ہوئے ''سورۂ فاتحہ'' کی تفسیر میں یہ بات اِرشاد فرمائی کہ قرآنِ کریم کے تمام مضامین تین عنوانات پر منقسم ہیں:

(۱) معرفتِ ذاتِ خداوندی:- (یعنی یہ پہچانو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ رہے گی، اور یہ معرفت مظاہرِ قدرت کے علم سے حاصل ہوگی)

(۲) معرفت صفاتِ خداوندی:- (یعنی اللہ تعالیٰ کن صفات سے متصف ہیں، اور اُن کی قوت وقدرت کا کیا حال ہے؟ اِس کی معرفت حاصل کی جائے)

(۳) اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستہ کی معرفت:- (یعنی یہ جانا جائے کہ اللہ کی رضا کیسے حاصل ہوگی، اور اُس کی ناراضگی سے بچاؤ کیسے ہوگا؟)

غور کیا جائے تو مذکورہ عنوانات سے متعلق مضامین قرآنی آیات میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔

اَب اِن کا اِجمال سورۂ فاتحہ میں اِس طرح کیا گیا ہے کہ پہلی آیت: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ میں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی کی معرفت کرائی گئی کہ وہ تمام جہانوں کا پالنہار اور پوری کائنات کا خالق ومالک ہے، اور وجودِ ذاتی سے متصف ہے۔

اَب کوئی یہ سوال کرسکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ موجود ہے، تو ہمیں آنکھوں سے نظر بھی آنا چاہئے۔ تو سمجھ لیجئے کہ کسی چیز کے وجود پر یقین حاصل کرنے کے لئے اُس کا نظر آنا ضروری نہیں ہوتا۔ اِس کی مثال یہ ہے کہ بجلی اور اُس کا کرنٹ تاروں میں موجود ہوتا ہے، جس سے راڈ اور بلب وغیرہ روشن ہوجاتے ہیں اور پنکھے چل پڑتے ہیں؛ لیکن یہ بجلی اپنی الگ صورت میں ہماری آنکھوں سے نظر نہیں آتی۔ اِس کے باوجود آدمی بجلی کے وجود پر قسم کھا سکتا ہے۔

اِسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ عالی پورے جاہ وجلال اور قوت وشوکت کے ساتھ موجود ہے، اور دنیا میں جو رونقیں نظر آرہی ہیں، یہ سب اُس کی قدرت وقوت کے مظاہر وآثار ہیں، اُنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کو پہچانا جاتا ہے، اِس اعتبار سے یہ چاند سورج، زمین وآسمان، ندی نالے اور دیگر مخلوقات؛ یہ سب اللہ کے وجود کی ایسی روشن دلیلیں ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا؛ کیوں کہ یہ بات طے ہے کہ بغیر صانع کے نہ چیزیں وجود میں آسکتی ہیں اور نہ بہترین اَنداز میں قائم رہ سکتی ہیں۔ کوئی عقل منداِس کا انکار نہیں کرسکتا۔

اُس کے بعد کسی کے ذہن میں یہ بات آسکتی تھی کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ زبردست قوت وقدرت کا مالک ہے، تو کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ دنیا کے طاقت وروں کی طرح اپنے ماتحتوں پر ظلم کرتا

ہو؟ اِس لئے اُس کی صفات بیان کرتے ہوئے اگلی آیت: ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ میں اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان صفت رحمت ورأفت کا اِظہار کیا گیا، جس کی رحمت کا دنیا میں بھی مظاہرہ ہوتا ہے کہ وہ بڑے بڑے گنہگاروں کو مہلت پر مہلت دیتا ہے، اور توبہ کرنے والوں کی توبہ کو قبول کرتا ہے، اور آخرت میں تو اِس رحمت کا کوئی ٹھکانا ہی نہ ہوگا، جہاں ذرا ذرا سے بہانے سے بندوں کو بے حساب رحمت ومغفرت سے نوازا جائے گا، جس کا ذکر جا بجا قرآن وحدیث میں کیا گیا ہے۔

اور ہر آدمی دوسروں کی حق تلفی سے بچے، اِس لئے بطور یاددہانی اگلی آیت ﴿مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ میں اللہ تعالیٰ کی صفت کے ساتھ ساتھ روز جزا یعنی قیامت کی یاد بھی دلائی گئی۔

جب اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم بندہ کو نصیب ہوگیا، تو خود بخود دل کی گہرائی سے اُس کی بندگی کا جذبہ پیدا ہوگا؛ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اِظہارِ بندگی کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت ضروری ہے، اِس لئے اُس کا اِظہار اِس آیت میں کیا گیا کہ: ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ یعنی ہم آپ ہی کی بندگی کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد کے طالب ہیں۔

اَب دل میں شوق پیدا ہوگا کہ اِس عاجز بندے کی رسائی ربُ العالمین تک کیسے ہو؟ تو اِس کے لئے فوراً سراپا نیاز بن کر بارگاہِ رب العزت میں ''صراطِ مستقیم'' کی فریاد کی گئی کہ: ﴿اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ﴾ یعنی ہمیں اپنے دربار تک پہنچنے والے سیدھے راستے سے نوازیے۔

اور یہ سیدھا راستہ وہی ہے جو پورے قرآنِ کریم میں جابجا بیان کیا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چار باتوں کا خصوصاً اہتمام رکھا جائے:

(۱) مخلوق کے ساتھ حسنِ معاملہ:- اِس کی طرف ﴿مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ میں اِشارہ کیا گیا ہے۔

(۲) خالق کے حق کی اَدائیگی:- اِس کی جانب ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ میں رہنمائی کی گئی۔

(۳) اللہ کی نعمتوں کی یاد:- جب آدمی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اِنعامات کا استحضار کرتا

ہے تو اُسے اللہ کی حقیقی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ اِسی جانب ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ میں اِشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی مطلوبہ سیدھا راستہ وہی ہے جو ''منعم علیہم'' (حضراتِ انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین) نے اختیار فرمایا ہے۔

(۴) عذابِ الٰہی کا خوف:- اللہ تبارک وتعالیٰ تک پہنچنے کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ بندہ کے دل میں اللہ کے عذاب اور غضب کا ڈر اور خوف بھی ہو، اِسی بنا پر آخری آیت ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ میں بدکاروں اور گمراہ لوگوں سے پناہ چاہی گئی ہے۔ اِن میں تمام معذب قومیں اور بدکردار لوگ شامل ہیں، جن کا تذکرہ قرآنِ کریم کی مختلف سورتوں میں اِجمالاً اور تفصیلاً کیا گیا ہے۔

تو خلاصہ یہ نکلا کہ جو مضامین مختلف انداز میں الگ الگ جگہوں پر بیان ہوئے ہیں، اُن سب کا اِجمال ''پیش لفظ'' کے طور پر سورۂ فاتحہ میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ (تلخیص از: درسِ تفسیر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ)

سورۂ شفا

سورۂ فاتحہ کا ایک نام ''سورۂ شفا'' بھی ہے، یعنی اِس سورت کو اللہ تعالیٰ نے بیماریوں سے نجات کا ذریعہ بھی بنایا ہے۔

اَب اگر روحانی بیماریاں ہوں تو اِس کے مضامین پر غور کرنے اور اُن پر عمل کرنے سے شفا نصیب ہوگی۔ اور اگر جسمانی اَمراض ہوں تو اِس کا وِرد رکھنے اور دم کرنے سے اللہ تعالیٰ شفا سے نوازیں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

بعض روایات میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ ''سورۂ فاتحہ ہر بیماری کی دوا ہے''۔ (رواہ الدارمی والبیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ شریف ۱/۱۸۹)

اور صحابیٔ رسول سیدنا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت سفر میں تھی، راستہ میں اُنہوں نے عرب کے ایک قبیلے کی آبادی کے قریب پڑاؤ ڈالا، اور

اُن سے ضیافت کی گذارش کی، مگر اُن قبیلے والوں نے ضیافت سے صاف انکار کر دیا۔ اتفاق یہ ہوا کہ قبیلے کے سردار کو کسی زہریلی چیز نے ڈس لیا، پس اُنہوں نے اُس کے علاج کی بہت کوشش کی، مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ تو بعض لوگوں نے یہ رائے دی کہ یہ جماعت جو تمہارے قریب ٹھہری ہوئی ہے، ہوسکتا ہے اُن کے پاس اِس کا کوئی علاج ہو؛ چناں چہ وہ لوگ ہمارے پاس آئے اور پوری تفصیل بتائی کہ سردار کو ڈس لیا گیا ہے، اور کوئی علاج کارآمد نہیں ہو رہا ہے، تو کیا تمہارے پاس اِس کی کوئی تدبیر ہے؟ تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں اِس کا علاج کروں گا؛ لیکن چوں کہ تم لوگوں نے ہماری درخواست پر ضیافت سے انکار کر دیا تھا، اِس لئے میں اُس وقت تک نہیں جھاڑوں گا جب تک تم ہمارے لئے مناسب معاوضہ مقرر نہ کرو؛ چناں چہ بکریوں کی ایک تعداد پر معاوضہ کی بات طے ہوگئی، پھر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ''سورۂ فاتحہ'' پڑھ پڑھ کر دم کرنا شروع کر دیا؛ تا آں کہ وہ شخص جوڑ سا گیا تھا ایسا چست ہو گیا جیسے اُسے رسی سے کھول دیا گیا ہو، اور اِس طرح چلنے پھرنے لگا جیسے اُسے کوئی تکلیف ہی نہ ہو؛ چناں چہ قبیلے والوں نے اپنے وعدہ کے مطابق عوض میں بکریاں دے دیں۔ اَب یہ بحث ہوئی کہ اُنہیں آپس میں تقسیم کیا جائے یا نہیں؟ لیکن حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ابھی رکھو، ہم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر تحقیق کریں گے؛ چناں چہ جب وہ لوگ واپس ہوئے اور پورا واقعہ سنایا، تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ: ''تمہیں یہ کیسے پتہ چلا کہ ''سورۂ فاتحہ'' بھی رقیہ ہے؟ اور جو بھی تم نے کیا ٹھیک کیا، یہ بکریاں تقسیم کرلو، اور اِس میں میرا بھی حصہ رکھو''۔ (بخاری شریف/ باب فضل فاتحۃ الکتاب ۲/۸۵۵-۸۵۶ حدیث: ۵۰۰۷)

اِسی طرح حضرت خارجہ بن صلت تمیمی رحمہ اللہ اپنے چچا کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو جب وہاں سے واپس لوٹنے لگے تو راستہ میں ایک آبادی سے گذر ہوا، جہاں ایک پاگل شخص بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا، تو اُس کے گھر والوں نے کہا کہ: ''آپ لوگ پیغمبر علیہ السلام کے پاس سے واپس آرہے ہو، تو کیا آپ کے پاس ایسا

علاج ہے جس سے اُس مریض کو شفا ملے؟'' چناں چہ میں نے ''سورۂ فاتحہ'' پڑھ کر اُسے جھاڑا جس سے وہ ٹھیک ہوگیا، پس اُنہوں نے مجھے سو بکریاں دیں، جنہیں لے کر میں پیغمبر علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا اور پورا قصہ سنایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: ''کیا تم نے ''سورۂ فاتحہ'' ہی پڑھی تھی، کچھ اور نہیں پڑھا تھا؟'' میں نے کہا کہ: ''نہیں''۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''یہ بکریاں تم لے لو؛ کیوں کہ بہت سے لوگ تو حرام طریقہ پر جھاڑ پھونک کر کے کھاتے ہیں؛ لیکن تم نے صحیح اور حق جھاڑ پھونک سے مال حاصل کیا ہے''۔ (ابوداؤد شریف ۲/۵۴۴ حدیث: ۳۸۹۶)

ایک مجرب عمل

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی بیاض میں تحریر فرمایا ہے کہ ''اَمراض سے شفا اور دینی و دنیوی فلاح کے لئے یہ عمل نہایت مجرب ہے کہ روزانہ فجر کی سنت اور فرض کے درمیان اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے بسم اللہ سمیت ۴۱ رمرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھی جائے، اور پھر مریض پر دم کیا جائے، اور دعا کی جائے، تو اِن شاء اللہ بہت جلد اثر ظاہر ہوگا''۔

حمد خداوندی

اِس سورت کی ابتداء لفظ: ﴿اَلْحَمْدُ﴾ سے کی گئی ہے، جس کے معنی ہیں کہ ''کسی کی ذاتی خوبی پر تعظیم اور محبت کے ساتھ تعریف کرنا''۔ (صفوۃ التفاسیر/للشیخ محمد علی الصابونی ۱/۱۶)

اور یہ بات حقیقی طور پر صرف اللہ تعالیٰ ہی پر صادق آتی ہے؛ لہٰذا وہی ہر طرح کی حمد و ثنا کا کامل طور پر مستحق ہے۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ جن لوگوں کی تعریف کی جاتی ہے، وہ درحقیقت مجازی تعریف ہے؛ کیوں کہ دوسروں کے کمالات ذاتی نہیں؛ بلکہ عطائی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرح کسی کو کمالِ دائمی بھی حاصل نہیں۔

اِس لئے بلاشبہ ''حمد'' کا مکمل طور پر مستحق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذاتِ عالی ہے۔

''اللہ''

حضراتِ مفسرینؒ نے بحث فرمائی ہے کہ لفظ ''اللہ'' کی حقیقت کیا ہے؟ تو بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص نام (عَلَم) ہے، جو کسی اور لفظ سے مشتق نہیں ہے۔

اِس کے برخلاف دوسرے علماء نے اُسے اسم مشتق قرار دیا ہے، یعنی یہ کسی دوسرے لفظ اور مادے سے ماخوذ ہے۔ پھر اِس میں اختلاف ہے کہ جب یہ اسم مشتق ہے تو اِس کی اَصل کیا ہے؟ تو:

الف:- بعض حضرات نے فرمایا کہ اِس کی اصل ''أَلَـــه إلٰهة'' ہے، جس کے معنی عبادت کرنے کے آتے ہیں، تو ''اللہ'' کا مطلب ہوا کہ ''وہی عبادت کے لائق ہے، اِس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں''۔

ب:- اور بعض نے کہا کہ ''اللہ'' کی اصل ''إلٰــــه'' ہے، یعنی وہ ذات جس کی طرف گھبراہٹ کے وقت رجوع کر کے سکون حاصل کیا جاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ معنی کامل طور پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی میں نہیں پائے جاتے۔ (تلخیص: تفسیر معالم التنزیل للعلامۃ البغوی ۱/۷-۸ دار ابن حزم)

بعض حضرات نے فرمایا کہ ''اللہ'' ہی رب العالمین کا ''اسم اعظم'' ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۱/۱۱۶)

ربوبیت خداوندی

اِس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت بیان ہوئی کہ وہ ''رب العالمین'' ہے۔

''رب'' کا اطلاق ''مالک ومتصرف'' اور ''مربی'' پر ہوتا ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ذات پوری کائنات کی مالک اور متصرف ہے، اور اَز اول تا آخر تربیت اور پرورش کرنے والی ہے۔ یہ معنی ذاتی اور حقیقی اعتبار سے صرف اللہ تعالیٰ میں ہی پائے جاتے ہیں، اِسی لئے علماء لکھتے ہیں کہ کسی مخلوق کو علی الاطلاق (بلا اِضافت) ''الـــرب'' نہیں کہا جاسکتا؛ البتہ اِضافت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں، مثلاً: ''رب الدار'' (گھر کا مالک) وغیرہ۔ (تفسیر بغوی ۱/۹ دار ابن حزم)

اور ''اَلْعَالَمِیْنَ'' لفظ ''عَالَمْ'' کی جمع ہے (اور لفظ عَالَمْ خود جمع ہے، جس کا واحد لغت عربی میں موجود نہیں ہے)

پھر اِس میں اختلاف ہے کہ "اَلْعَالَمِیْنَ" سے کیا مراد ہے؟ تو بعض حضرات (جیسے حضرت ابن عباسؓ) نے فرمایا کہ اِس سے انسان اور جنات مراد ہیں، جب کہ دیگر حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اِس سے تمام مخلوقات مراد ہیں، یہی بات زیادہ مشہور ہے۔ اور مخلوقات کی تعداد کا اصل علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ (مستفاد: تفسیر بغوی ۱/۹)

رحمتِ خداوندی

بعد اَزاں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کو بیان کرتے ہوئے اِرشاد ہوا: ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ (وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے) تو اَب سوال ہوا کہ یہاں دو صفت کیوں لائی گئیں؟ تو بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ دونوں ہم معنی ہیں، اور زیادہ شوق کی غرض سے لائی گئی ہیں، جب کہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اُن میں "رحمٰن" کے اندر زیادہ عموم ہے کہ وہ کفار ومؤمنین پر مہربان ہے، اور دنیا اور آخرت ہر جگہ رحم فرمانے والا ہے، جب کہ صفت "رحیم" کے اندر خصوصیت پائی جاتی ہے کہ وہ آخرت میں اہل اِیمان کو رحمت سے نوازنے والا ہے۔ اِسی بنا پر اَدعیہ ماثورہ میں وارد ہے: "يَا رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَرَحِيْمَ الآخِرَةِ" یعنی اے دنیا کے مہربان اور اے آخرت میں رحم فرمانے والے۔ (مستفاد: معالم التنزیل للعلامۃ البغوی ۱/۸ دار ابن حزم)

اور حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "أَنَا الرَّحْمٰنُ. خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا اِسْمًا مِنْ اِسْمِيْ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعْتُهُ". (سنن أبي داؤد رقم: ١٦٩٥، سنن الترمذي رقم: ١٩٠٧) (یعنی میں ہی رحمٰن ہوں، میں نے "رحم مادر" (ماں کا پیٹ جو رشتہ داری کی بنیاد ہے) کو پیدا کیا اور اپنے ہی نام سے میں نے اُس کا نام رکھا، پس جو اس رحم مادر کو جوڑے گا یعنی رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے گا، میں بھی اس کے ساتھ احسان کروں گا، اور جو قطع رحمی کرے گا تو میں بھی اُسے کاٹ کر رکھ دوں گا)

اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اُس نے خود قرآنِ پاک میں اِرشاد فرمایا: ﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ [الأعراف، جزء آیت: ١٥٦] (اور میری رحمت

ہر چیز کو شامل ہے)

نیز دوسری جگہ اِرشاد فرمایا: ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ [الأنعام، جزء آیت: ٥٤] (تمہارے رب نے خود اپنے اُوپر رحمت کو لازم فرمالیا ہے)

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اِرشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے رحمت اور مہربانی کو سو حصوں میں تقسیم فرمایا، جن میں سے ۹۹ رحصے اپنے لئے خاص رکھے، اور صرف ایک حصہ زمین میں نازل فرمایا، جس کی بنا پر خلق خدا آپس میں ایک دوسرے پر شفقت اور مہربانی کا معاملہ کرتی ہے؛ حتیٰ کہ گھوڑا اپنے بچے کو خطرے سے بچانے کے لئے اپنا کھر اُٹھاتا ہے''۔ (بخاری شریف/ کتاب الادب حدیث:٦٠٠٠)

نیز ایک دوسری روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات کو وجود بخشا، تو ایک تحریر لکھی جو عرش پر محفوظ ہے، جس میں یہ مکتوب ہے: ''إِنَّ رَحْمَتِي غَلَبَتْ غَضَبِي''. (صحيح البخاري / كتاب بدء الخلق رقم: ٣١٩٤) (یعنی میری رحمت میرے غصہ پر غالب ہے)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظاہرہ خاص طور پر میدانِ حشر میں ہوگا کہ بڑے بڑے پاپی اور گنہگار اور نافرمان لوگ اُس کی رحمت ومغفرت سے نوازے جائیں گے، اور بالآخر جس کے دل میں بھی رائی کے دانے کے برابر اِیمان رہا ہوگا وہ بحکم خداوندی نجات پائے گا، اور جنت میں جا کر رہے گا۔ ایسے لوگوں کو ''عتقاء الرحمٰن'' کا لقب ملے گا، یعنی وہ خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہنم سے آزادی پانے والے ہیں۔ (بخاری شریف/ کتاب التوحید حدیث:۷۴۳۹)

سلطنتِ خداوندی

اُس کے بعد فرمایا گیا: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ یعنی وہ روزِ جزا (قیامت) کا مالک ہے۔ تو یہاں خاص طور پر ''روزِ جزا'' کا ذکر اِس لئے کیا گیا کہ دنیا میں تو محدود انداز میں کوئی دوسرا

بھی کسی درجہ میں ملکیت کا دعوے دار ہوسکتا ہے؛ لیکن قیامت کے دن کسی کو اِس طرح کا دعویٰ کرنے کا بھی کوئی تصور نہ ہوگا، وہاں کا حال تو وہ ہوگا جس کی منظر کشی خود قرآنِ کریم میں اِس طرح کی گئی ہے: ﴿يَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ، لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ، لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ. اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ، لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ، اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ [المؤمن: ١٦-١٧] (جس دن وہ لوگ نکل کھڑے ہوں گے، اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز مخفی نہ ہوگی، اُس دن کس کا راج ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ہے جو اکیلا ہے اور دباؤ والا ہے۔ آج ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ ملے گا، بالکل ظلم نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے)

اور ''سورۂ زمر'' میں اِرشاد فرمایا گیا: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ، سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ [الزمر: ٦٧] (اور وہ اللہ تعالیٰ کو اُس کی شان کے مطابق نہ سمجھ سکے، اور قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی، اور سارے آسمان اُس کے دست تبارک میں لپیٹے ہوئے ہوں گے، وہ ہر عیب سے پاک ہے اور جن کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں اُس سے اللہ تعالیٰ بہت برتر اور بلند ہے)

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک یہودی پادری حاضر ہوا، اور اُس نے عرض کیا کہ ''ہم اپنی کتابوں میں یہ مضمون پاتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ (قیامت کے دن) اپنی ایک اُنگلی پر تمام آسمانوں کو اور ایک اُنگلی پر سبھی زمینوں کو اور ایک اُنگلی پر سبھی درختوں کو اور ایک اُنگلی پر پانی اور کیچڑ کو ایک اور ایک اُنگلی پر بقیہ تمام مخلوقات کو رکھیں گے، اور پھر فرمائیں گے کہ: ''میں ہوں بادشاہ''۔

تو اُس پادری کی بات سن کر سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے؛ حتیٰ کہ آپ کے دندانِ مبارک ظاہر ہوگئے پھر آپ نے اُس کی تائید میں مذکورہ آیت: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ تلاوت فرمائی۔ (صحیح البخاری/ کتاب التفسیر رقم: ۴۸۱۱)

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں سلطنت اور مالکیت صرف اور صرف اللہ رب العالمین

کے لئے خاص ہے، اور دوسروں کی طرف دنیا میں جو ملکیت منسوب کی جاتی ہے وہ صرف مجازی طور پر ہے۔ (مستفاد: تفسیر ابن کثیر مکمل ص: ۲۷ دار السلام ریاض)

روز جزاء

اِسلام کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ ایک دن وہ ضرور آئے گا جب ساری مخلوق اللہ کے حکم سے ایک میدان میں جمع ہوگی، اور اُس دن ہر ایک کو دنیوی زندگی کے اعتبار سے اچھا یا برا بدلہ مل کر رہے گا، اُس دن کو ''قیامت کا دن'' کہا جاتا ہے۔ جس کا استحضار رکھنا اور اُس دن کی رسوائی سے اپنے کو بچانے کا اہتمام کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

وہاں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر نہ کسی کی سفارش کام آئے گی اور نہ ہی آپس میں کوئی کسی کی مدد کر پائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا اِرشاد ہے: ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ [البقرة: ۴۸] (اور اُس دن سے ڈرتے رہو، جس دن کوئی دوسرے کے کام نہ آئے گا اور نہ ہی (اللہ کے حکم کے بغیر) کسی کی سفارش منظور کی جائے گی، اور نہ کسی سے کسی قسم کا فدیہ لیا جائے گا، اور نہ اُن کو مدد پہنچے گی)

گویا کہ بروقت نجات کی کوئی شکل نہ ہوگی، سوائے اِس کے کہ دنیا ہی میں اِیمان اور اَعمال کی درستگی کا انتظام کیا گیا ہو۔

اور چوں کہ اُس دن ربُ العالمین اور مالک الملک کے علاوہ کسی کے ہاتھ میں ذرہ برابر بھی اِقتدار اور اختیار نہ ہوگا، اِس لئے اُس دن کسی کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں بلا اِجازت دم مارنے کی ہمت بھی نہ ہوگی۔ قرآنِ پاک میں اُس کی منظرکشی اِس طرح کی گئی ہے: ﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا﴾ [طٰه: ۱۱۱] (اور اللہ رب العالمین جو ''حی'' (ہمیشہ ہمیش زندہ رہنے والا) اور ''قیوم'' (ہمیشہ ہمیش نگرانی کرنے والا) ہے، اُس کے سامنے سبھی کے چہرے جھکے ہوں گے، اور اُس دن جو گناہ کا بوجھ لے کر آئے گا وہی خائب وخاسر اور ناکام ہوگا)

اِس لئے اُس مرحلے کے آنے سے پہلے ہی تیاری ضروری ہے۔

عبادت وبندگی

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا شان دار تعارف کرانے کے بعد تلقین کی گئی کہ اَب بندوں کو کمالِ عاجزی کے ساتھ یہ اَلفاظ کہنے چاہئیں کہ: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ (یعنی ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد کے طالب ہیں) اِس آیت میں اِس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ کائنات میں بندگی اور عبادت صرف اُسی ذات کی ہوسکتی ہے جو ہر طرح کی صفاتِ حمیدہ سے متصف اور قدرت واختیار سے مالا مال ہو، اور یہ بات کامل طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کسی اور میں ہرگز نہیں پائی جاسکتی۔

اور بلاشبہ ایک بندے کے لئے اپنے رب کی بندگی یہی دراَصل مقصودِ زندگی ہے؛ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [الذّٰریٰت: ٥٦] (یعنی میں نے جنات اور اِنسان کو صرف اپنی بندگی ہی کے لئے بنایا ہے)

مولانائے روم فرماتے ہیں:

آدمی از بہر طاعت و بندگی است ❖ بے عبادت زندگی شرمندگی است

(یعنی حقیقی آدمی تو وہی ہے جو اپنے رب کی اِطاعت اور فرماں برداری میں زندگی گذارے جب کہ عبادت سے خالی زندگی آخرت میں شرمندگی کا سبب بنے گی) (نعوذ باللہ من ذلک)

اور واضح رہنا چاہئے کہ یہاں عبادت سے مراد صرف نماز، روزہ اور ذکر واَذکار نہیں ہے؛ بلکہ شریعت کی اِصطلاح میں ''عبادت'' زندگی کے ہر مرحلے میں حکم خداوندی کی تعمیل کا نام ہے، خواہ اُس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، یا معاشرت اور اَخلاق سے، ہر سطح پر شریعت کی تابع داری یہی دراصل بندگی ہے، جس کا اِقرار سورۂ فاتحہ میں کرایا جارہا ہے۔

اِستعانت

اَب یہ بات بھی ذہن نشیں کرائی جارہی ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور

نصرت شامل حال نہ ہو، کسی بندے کے بس میں یہ بات نہیں ہے کہ وہ اپنے رب کی عبادت اَنجام دے سکے؛ کیوں کہ اُس کے حکم اور توفیق کے بغیر نہ تو دل میں اِرادہ ہوسکتا ہے، نہ زبان ہل سکتی ہے اور نہ ہی اَعضاء وجوارح حرکت کر سکتے ہیں۔

علاوہ اَزیں رکاوٹوں کو دور کرنا اور اَسباب کو مہیا کرنا بھی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ پس اُس کی مرضی کے بغیر عبادت اور بندگی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

لہٰذا کوئی شخص کبھی کوئی عبادت اَنجام دے کر دل میں یہ خیال ہرگز نہ لائے کہ اُس نے عبادت کر کے اللہ تعالیٰ پر کوئی احسان رکھا ہے؛ کیوں کہ بالفرض احسان کا تصور تو جب ہوتا، جب اِعانتِ خداوندی کے بغیر عبادت کا وجود ممکن ہوتا، جب یہ ممکن ہی نہیں تو اِس کا تصور بھی کبھی دل میں نہیں آنا چاہیئے۔

اِسی لئے عبادت کے اِقرار کے ساتھ ساتھ فوراً مدد طلب کرنے کی تلقین بھی کی گئی، اور فرمایا گیا:

﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ (ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں)

اِس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ اِن دونوں جملوں میں کیسی عمدہ مناسبت ہے؟

غالباً اِسی بنا پر سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہیتے صحابی سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ ہر نماز کے بعد اِس دعا کا اہتمام کیا کریں کہ:

”اَللّٰھُمَّ أَعِنِّي عَلیٰ ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ“. (سنن أبي داؤد رقم: ۱۵۲۲)

(اے اللہ! اپنے ذکر، اپنی شکر گذاری اور اچھی طرح عبادت کرنے پر میری مدد فرمائیے)

ایک سوال اور اُس کا جواب

اَب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اِس آیت میں مدد کی طلب صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کی گئی ہے؛ حالاں کہ دنیا میں عام طور پر اِنسانوں کو ایک دوسرے سے مدد کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے، تو اُن سے مدد لینے کا کیا حکم ہے؟

تو اِس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہو، مثلاً: اَولاد دینا یا مصیبت دور کرنا یا شفا دینا وغیرہ، تو اِس طرح کی مدد صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اگر ایسی اِستعانت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے کی جائے گی تو وہ ''شرک'' کہلائے گی؛ جیسا کہ بہت سے غیر مسلم اپنے مزعومہ معبودانِ باطلہ سے مدد کی اُمید رکھتے ہیں، وغیرہ۔

البتہ ایسے معاملات جن میں مدد اور اِعانت اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ بلکہ دوسرے لوگ بھی کر سکتے ہیں، جیسے: کسی سے بوجھ اُٹھوانا یا اور کوئی معمولی کام لینا وغیرہ، تو ایسی مدد غیر اللہ سے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور وہ ﴿اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ کے اِقرار کے خلاف نہیں ہے۔

صراطِ مستقیم

اُس کے بعد یہ جامع ترین دعا تلقین کی گئی کہ: ﴿اھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ﴾ (یعنی آپ ہمیں سیدھا راستہ دکھایئے) یہ ایسی دعا ہے جس سے کوئی شخص مستغنی نہیں ہوسکتا، اور جب کوئی مؤمن بندہ اِن دعائیہ کلمات کو اَدا کرتا ہے تو اُس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے مسلسل سیدھے راستے پر گامزن رہنے کی توفیق سے نوازتے رہیں۔ اِس اعتبار سے اِس دعا کی ہر وقت ہر شخص کو ضرورت ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ یہی دعا دراصل ''سورۂ فاتحہ'' کا لب لباب اور مغز ہے، جب کہ اِس سے پہلے کی آیات تمہید ہیں، اور بعد کی آیات اِسی ''صراطِ مستقیم'' کی تشریح ہیں۔

اَب سوال یہ ہے کہ ''صراطِ مستقیم'' کس راستے کو کہا جائے گا؟ تو اِس کی ایک آسان نشانی یہ بتلائی گئی کہ: ﴿صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ﴾ (یعنی اُن لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعامات فرمائے ہیں) جس کا مصداق حضراتِ اَنبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور اَولیاء اللہ ہیں؛ جیسا کہ ''سورۂ نساء آیت نمبر ۶۹'' میں اِس کی وضاحت موجود ہے۔

اِس سے یہ پیغام ملا کہ کتابُ اللہ کے ساتھ ساتھ اُن مقدس اور معتبر شخصیات کی پیروی بھی ضروری ہے، جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی خوشنودی کی ضمانت عطا فرمائی ہے۔ اِن شخصیات کو

نظر انداز کرکے ''صراطِ مستقیم'' کا کوئی تصور اِسلام میں نہیں ہے؛ لہٰذا جنت تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ''منعم علیہم حضرات'' سے وابستگی لازم ہوگی۔

سیدھے راستے کی مثال

وہ سیدھا راستہ جو شریعت میں مطلوب ہے، اُس سے کیا مراد ہے؟ اِس بارے میں خود نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مثال سے وضاحت فرمائی ہے۔

چناں چہ حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''صراطِ مستقیم'' کی مثال اِس طرح دی ہے کہ ایک سیدھا راستہ ہے، جس کے دائیں بائیں دو دیواریں بنی ہوئی ہیں، اور اُن دیواروں میں کچھ دروازے کھلے ہوئے ہیں، جن پر پردے پڑے ہوئے ہیں، اور اُس راستے کے سِرے پر ایک شخص پکار رہا ہے کہ ''اے لوگو! سب اِس سیدھے راستے پر چلو، اور اِدھر اُدھر مت ہو''۔ اور دوسرا شخص راستے کے آخری کنارے پر کھڑا ہے، پس جب کوئی اِنسان اُس راستے پر چلنے کے دوران دائیں بائیں بنے ہوئے دروازوں میں سے کسی دروازے میں داخل ہونا چاہتا ہے تو وہ اُوپر والا شخص اُسے متنبہ کرتا ہے کہ ''اِس دروازے کو مت کھولنا؛ کیوں کہ اگر تم نے اُسے کھول لیا تو تم اُس میں داخل ہوجاؤ گے''۔ (اور سیدھے راستے سے ہٹ جاؤ گے)

پس اِس مثال میں سیدھا راستہ اِسلام ہے اور اُس کے اِردگرد جو دیواریں ہیں وہ اللہ کی متعین کردہ حدود ہیں، اور اُن میں جو دروازے کھلے ہوئے ہیں وہ اللہ کی حرام کردہ باتیں ہیں۔ اور راستے کے سِرے پر جو شخص آواز لگا رہا ہے وہ ''کتاب اللہ'' ہے، اور جو اُوپر سے متنبہ کررہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر مسلمان کے دل میں مقرر کردہ نصیحت کرنے والا (ضمیر) ہے''۔ (مسند احمد رقم: ۱۷۶۳۴)

اور بعض روایات میں اِسی مثال کے ضمن میں یہ آیت شریفہ بھی درج ہے: ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ، وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (يونس: ۲۵، سنن الترمذي رقم: ۲۸۵۹) (اور اللہ تعالیٰ دار السلام یعنی جنت کی طرف دعوت دیتے ہیں، اور جس کو

چاہتے ہیں سیدھے راستے کی رہنمائی فرماتے ہیں)

پس خلاصہ یہ نکلا کہ ''صراطِ مستقیم'' وہ ہے، جس میں سو فیصد قرآن وسنت کی اتباع کی جائے اور ہر طرح کے منکرات وبدعات سے دور رہ کر زندگی گذاری جائے، یہی وہ شاہ راہ ہے جو جنت کے مَین دروازے تک پہنچاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر اِستقامت نصیب فرمائیں، اور ہر طرح کی کج روی اور بدعملی سے محفوظ رکھیں، آمین۔

''مغضوب علیہم'' اور ''ضالین'' کا مصداق

اُس کے بعد مزید وضاحت کے لئے سورت کا اختتام اِن کلمات پر کیا گیا کہ: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ (یعنی نہ کہ وہ لوگ جن پر آپ کا غضب ہوا، اور نہ وہ جو راہ سے ہٹنے والے ہیں)

متعدد روایات سے یہ ثابت ہے کہ ''مغضوب علیہم'' کا اَولین مصداق قومِ یہود ہے؛ جب کہ ''ضالین'' سے عیسائی مراد ہیں۔ ویسے تو یہ دونوں ہی قومیں انجام کے اعتبار سے گمراہ بھی ہیں اور اللہ کے غضب کی مستحق بھی ہیں؛ لیکن اُن کے خصوصی اَحوال کے اعتبار سے مذکورہ بات کہی گئی ہے۔ (مستفاد: تفسیر ابن کثیر مکمل ص: ۳۰ دار السلام ریاض)

نیز یہود ونصاریٰ کے علاوہ دنیا کی بہت سی قومیں گمراہی کے راستے پر چلتی رہی ہیں، جن میں سے بعض پر بھیانک عذاب بھی آئے، اور اُن کا نام ونشان دنیا سے مٹ گیا؛ جیسا کہ قومِ نوح، قومِ عاد وثمود، قومِ لوط اور قومِ شعیب وغیرہ کے اِجمالی اور تفصیلی تذکرے قرآنِ کریم میں جابجا موجود ہیں۔ اِس طرح کی سب اَقوام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کے عموم میں داخل ہیں۔

آمین

سورۂ فاتحہ کا اختتام چوں کہ دعائیہ جملے پر ہورہا ہے، اِس لئے اُس کے ختم پر ''آمین'' کہنا مسنون ہے۔ (تفسیر قرطبی ۱۲۴/۱ دار الفکر بیروت)

اگرچہ یہ لفظ قرآنِ کریم کے اَلفاظ میں داخل نہیں ہے؛ بلکہ یہ دراصل ایک دعائیہ تائیدی لفظ ہے، یعنی اے اللہ جو مانگا گیا ہے وہ قبول ہو۔ (تفسیر قرطبی ۱/۱۲۵ دارالفکر بیروت)

گویا کہ ''آمین'' کے ذریعہ دعا کی جارہی ہے کہ ہمیں ''صراطِ مستقیم'' میسر ہو اور نافرمانوں سے علیحدگی نصیب ہو۔ (مستفاد: ترجمہ شیخ الہند ص: ۲ مجمع ملک فہد مدینہ منورہ)

اللہ تعالیٰ اِس سورت کی برکات سے ہم سب کو مالا مال فرمائیں، اور ''صراطِ مستقیم'' پر گامزن رکھ کر اپنے مقبول اور منتخب بندوں کے ساتھ ہمارا حشر فرمائیں، آمین۔ **وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین۔**

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اشاعت: (۲۲)

آخرت کی فکر

(تفسیر ''سورۂ زلزال'')

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرزاق قاسمی بنگلوری

ناشر

المرکز العلمی للنشر والتحقیق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ. [الذٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہیے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۲۲)

- موضوعِ خطاب : آخرت کی فکر (تفسیر ''سورۂ زلزال'')
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : مرادآباد
- تاریخ : ۱۴۴۱/۹/۲۹ھ، مطابق ۲۰۲۰/۵/۲۳ء بروز ہفتہ
- دورانیہ : ۲۸ / منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) عبدالرزاق قاسمی بنگلوری

الـحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه مـن شـرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريک لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسـندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارک وتعالىٰ عـليـه وعـلـىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارک وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِذَا زُلْـزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ○ وَاَخْـرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ○ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ○ يَـوْمَـئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ○ بِـاَنَّ رَبَّـكَ اَوْحٰى لَهَا ○ يَـوْمَـئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَـاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ○ فَـمَـنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَـنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ○

(ترجمہ:- جب زمین کو اُس کے بھونچال کے ذریعہ ہلا دیا جائے گا○ اور زمین اپنے

بوجھ کو باہر نکال ڈالے گی O اور آدمی کہے گا کہ اِس زمین کو کیا ہوگیا O اُس دن زمین اپنی خبریں بیان کردے گی O اِس واسطے کہ تیرے رب نے اُس کو حکم دیا O اُس دن لوگ مختلف ٹکڑیوں میں نمودار ہوں گے؛ تا کہ اُن کے اعمال اُنہیں دکھادئے جائیں O پس جس نے رائی کے دانے کے برابر بھلائی کی ہوگی، وہ اُسے دیکھ لے گا O اور جس نے ایک ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ بھی اُسے دیکھ لے گا)

محترم حضرات! سورۂ زلزال کا شمار مدنی سورتوں میں ہوتا ہے۔ یہ سورت قرآنِ پاک کی اُن آخری مختصر سورتوں میں شامل ہے، جن کو ''قصارِ مفصل'' کہا جاتا ہے۔ یہ اپنے معنی کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھنے والی سورت ہے، اگر ہم اِس کو معنی کا استحضار رکھ کر بار بار پڑھتے رہیں، تو ہمارے لیے بہت بڑی تنبیہ ہوگی، اور اُس سے ہم عبرت ونصیحت حاصل کرسکیں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

جامع ترین سورت

ابوداؤد شریف وغیرہ میں روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بڑی عمر کے صاحب حاضر ہوئے، اور اُنہوں نے عرض کیا کہ: ''یارسول اللہ! آپ مجھے کچھ پڑھنے کو بتادیجئے'' تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ''را'' والی تین سورتیں پڑھ لیا کرو (بظاہر اِس سے مراد وہ سورتیں ہیں جن کے شروع میں ''الٓر'' آیا ہے)

تو اُن صاحب نے عرض کیا کہ ''حضرت! میری عمر بڑی ہوگئی، دل سخت ہوگیا، اور زبان موٹی ہوگئی ہے'' (گویا کہ اتنی لمبی سورتوں کا پڑھنا اور یاد کرنا میرے لئے مشکل ہے)

تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''اچھا تو ''حٰمٓ'' والی تین سورتیں پڑھ لیا کرو''، تو اُن بڑے میاں نے پھر معذرت پیش کی۔

تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ''اچھا تو پھر ایسا کرو کہ جن سورتوں کے شروع میں ''سَبَّحَ'' یا ''یُسَبِّحُ'' ہے وہ پڑھ لیا کرو''۔ تو اُن صاحب پھر معذرت پیش کی اور عرض کیا کہ: ''یارسول اللہ! مجھے تو آپ ایک ایسی سورت سکھلا دیجئے جو سب سورتوں کو جامع ہو'' (میں وہی پڑھ

لیا کروں گا) یہ سن کر نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن صاحب کو"سورۂ زلزال" پڑھ کر سنائی، اور اُسے پڑھتے رہنے کا حکم دیا، تو بڑے میاں نے مارے خوشی کے عرض کیا کہ: "وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ نَبِيًّا لَا أَزِيْدُ عَلَيْهَا أَبَدًا" (یعنی اُس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو سچا نبی بنا کر بھیجا، میں (تو بس اَب یہی سورت پڑھتا رہوں گا، اور) اِس میں کچھ اِضافہ نہ کروں گا، اُس کے بعد وہ صاحب مجلس سے اُٹھ کر چل دیئے، تو پیغمبر علیہ السلام نے دو مرتبہ فرمایا کہ:"یہ آدمی تو کامیاب ہوگیا"۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ص:۱۴۵۲ دار السلام ریاض)

اِس روایت سے سورۂ زلزال کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی گئی کہ جامع ترین سورت سکھلائی جائے، تو آپؐ نے "اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ" کا انتخاب فرمایا۔

اور بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ "اِذَا زُلْزِلَت" آدھے یا چوتھائی قرآن کے برابر ہے، یعنی جو اِس ایک سورت کو پڑھے گا، تو اِن شاء اللہ اُسے نصف یا چوتھائی قرآن پڑھنے کے برابر ثواب ملے گا۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۱۴۵۲ دار السلام ریاض)

اِس لئے ہمیں چاہئے کہ اِس سورت کا برابر وِرد رکھیں، اور صرف تلاوت ہی نہیں؛ بلکہ اُس کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کریں؛ کیوں کہ یہ بڑی جھنجھوڑنے والی سورت ہے، اور اِس کے اندر جو باتیں بیان کی گئی ہیں، اگر آدمی اُن کو دل میں جمالے، تو ان شاء اللہ کبھی بھی برائی کے قریب جانے کی ہمت نہ ہوگی، اور اگر بُرائی کا ارادہ بھی کرے گا، تو اُس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں گے۔

چناں چہ فرمایا گیا: ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا﴾ یعنی ایک دن وہ آنے والا ہے جب زمین میں بڑا ہی خطرناک زلزلہ اور بھونچال آجائے گا، ساری عمارتیں، پہاڑ، اُونچ نیچ سب برابر ہوکر حشر کا چٹیل میدان بن جائے گا۔ اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اِس سے مراد وہ وقت ہے جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا۔

پھر فرمایا گیا: ﴿وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا﴾ یعنی جب زلزلہ آئے گا تو زمین اپنے

تمام خزانوں اور بوجھوں کو جو اُس کے اندر ہیں سب کو اُگل دے گی۔ اَب اِس سے مراد یا تو وہ تمام مردے ہیں جو زمین کے اندر ہیں، چاہے انھیں با قاعدہ دفنایا گیا ہو، وہ تو زمین کے اندر ہیں ہی، جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور اگر دفنایا نہ جائے پھر بھی انجام کار وہ زمین ہی میں جانے والے ہیں۔ مثلاً اگر کسی مردے کو جلا دیا گیا، تو بالآخر اُس کی خاک زمین ہی میں جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی مردے کو پرندوں یا جانوروں کو کھلا دیا گیا ہو، پھر بھی انجام کار وہ جانور بھی مَر مَرا کر زمین ہی میں مل جانے والے ہیں؛ اِس لئے یہ سارے افراد زمین ہی کے اندر محفوظ ہیں، جو قیامت میں اللہ کے حکم سے زندہ ہو کر نکل کھڑے ہوں گے۔

اور اِس کے علاوہ سونا، چاندی اور مختلف دھاتیں، اور نہ جانیں کیا کیا خزانے جو زمین میں موجود ہیں، اُس دن یہ زمین اپنے سارے خزانوں اور ساری پوشیدہ چیزوں کو اُگل دے گی۔

اُس کے بعد فرمایا گیا: ﴿وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا﴾ یعنی جو لوگ زمین سے نکل کر میدانِ حشر کی طرف چلیں گے اور زلزلے کی ناقابل تصور کیفیت ہوگی، تو سب حیران و پریشان ہوں گے کہ یہ زمین میں اُتھل پُتھل کیسی ہو رہی ہے؟ اور ایسا تو ہم نے کبھی سوچا اور دیکھا بھی نہیں تھا کہ ایسا بھیانک منظر سامنے آئے گا۔

اور فرمایا: ﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا. بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰى لَهَا﴾ یعنی اُس کے بعد پھر ایک ایسا مرحلہ آئے گا کہ یہ زمین اپنی سب باتیں کہہ ڈالے گی۔ اِس کی تفسیر کرتے ہوئے علماء لکھتے ہیں کہ زمین کے اوپر جب بھی اور جہاں بھی جو اچھا یا برا عمل کیا گیا ہوگا، یہ زمین قیامت میں اُن سب باتوں کے بارے میں بتا دے گی۔ مثلاً اگر کسی شخص نے کسی جگہ پر نماز پڑھی ہوگی، یا سجدہ کیا ہوگا، تو زمین اُسے بھی بتا دے گی کہ فلاں آدمی نے فلاں تاریخ کو اِتنے بج کر اِتنے منٹ پر، فلاں جگہ پر سجدہ کیا تھا، یا کوئی اور اچھا کام کیا ہوگا تو وہ بھی بتا دے گی۔

اور اِسی طریقہ پر زمین میں جہاں پر اور جس وقت جو بُرائی کی گئی ہوگی، اُس کے بارے میں بھی بتا دے گی۔ گویا زمین ہر شخص کی پوری طرح رازداں ہے، اور اُس میں سارا ریکارڈ جمع ہو رہا

ہے، اور قیامت کے دن کوئی انکار کی پوزیشن میں نہیں رہے گا، زمین سب کھول کھول کر بتادے گی۔

اور اِس لئے بتادے گی کہ اللہ تعالیٰ کا اُس کو اُس دن یہی حکم ہوگا، یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ زمین کی اپنی کوئی طاقت یا اُس کے اندر اپنا کوئی اثر ہے؛ بلکہ جو بھی ہوگا اللہ کے حکم ہی سے ہوگا، جب تک اس کا حکم نہیں ہے وہ نہیں بتارہی؛ لیکن جب اللہ کے حکم سے بتانا شروع کرے گی تو اگلی پچھلی سب باتیں بتادے گی۔

اُس کے بعد فرمایا: ﴿يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ﴾ یعنی اُس دن لوگ مختلف ٹولیوں میں نکل کر آئیں گے، یعنی الگ الگ جماعتوں کی صورت میں ہوں گے، کوئی جنتیوں کی جماعت ہے، کوئی جہنمیوں کا گروپ ہے۔

یا یہ کہ مختلف اعمال کرنے والوں کی الگ الگ جماعتیں ہوں گی، نمازیوں کا گروپ الگ، روزے داروں کا گروپ الگ، زانیوں اور قاتلوں کا گروپ الگ ہوگا وغیرہ۔ اور پھر دنیا میں کئے ہوئے اچھے برے کام سب کے سامنے آجائیں گے۔

اور فرمایا: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ. وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ یعنی اگر کسی نے رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی نیکی کی ہوگی، وہ نیکی بھی سامنے آجائے گی، اور رائی کے دانے کے برابر اگر کوئی گناہ کیا ہوگا تو وہ بھی سامنے آجائے گا۔

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا اعلان ہے، اور اللہ تعالیٰ کا اعلان بالکل برحق ہے، جس میں بالکل شک اور شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

نیکی اور گناہ کو کم تر نہ سمجھیں

اِسی لئے سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنْ تَلْقٰى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِيْقٍ“ (صحیح مسلم حدیث: ۲۶۲۶) یعنی کسی بھی نیکی کو کمتر مت سمجھو؛ اگرچہ تمہارا اپنے بھائی سے بشاشت کے ساتھ ملنا ہی کیوں نہ ہو؟ گویا کہ موقع ملنے پر نیکی کو انجام دے دینا چاہئے۔ پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اُس کا کتنا اجر

وثواب ہو؛ لہٰذا ہلکا سمجھ کر کسی نیکی کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔

اور دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اِرشاد فرمایا کہ: ’’إِیَّاکُمْ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ فَإِنَّهُنَّ يَجْتَمِعْنَ عَلَى الرَّجُلِ حَتّٰى يُهْلِكْنَهُ‘‘ یعنی ’’معمولی گناہوں سے بھی بچتے رہو؛ کیوں کہ وہ جمع ہوکر آدمی کی ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں‘‘۔ گویا کہ چھوٹے گناہوں کو ہلکا سمجھ کر اُس کا ارتکاب مت کرو کہ یہ تو گناہِ صغیرہ ہے، یہ تو ہلکا ہے، اِس سے کیا ہونے والا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ چھوٹے چھوٹے گناہ بڑی ہلاکت کا سبب بن سکتے ہیں۔

پھر آپ نے اُس کی ایک مثال دی کہ ’’کچھ لوگ سفر میں جارہے ہوں، اور کسی جگہ پر اُنہوں نے پڑاؤ کیا، اور کھانا بنانے کی ضرورت پیش آئی، اور چولہا تیار کیا گیا، تو سب ساتھی ایندھن کی تلاش میں اِدھر اُدھر چلے گئے، کوئی ایک چھوٹی سی لکڑی لے کر آیا، کوئی کھچی لے کر آیا، کوئی کچھ لے کر آیا، اور پھر اُن سب کو جمع کر کے آگ جلائی گئی، جس سے کھانا پکایا گیا، تو یہ چھوٹی چھوٹی لکڑیاں بظاہر چھوٹی ہیں؛ لیکن سب مل کر اچھی خاصی آگ اور ایندھن کا ذریعہ بن گئیں‘‘۔ (رواہ احمد، تفسیر ابن کثیر مکمل ص: ۱۴۵۴ دار السلام ریاض) اِسی طرح یہ چھوٹے چھوٹے گناہ مل کر بڑی ہلاکت کا سبب بن جائیں گے؛ اس لئے کسی بھی گناہ کو آدمی کمتر نہ سمجھے۔

اچھی طرح جاننا چاہئے کہ رائی رائی کا اللہ کے یہاں ریکارڈ تیار ہے، چاہے اُس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو، یا حقوق العباد سے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا نظام ایسا مضبوط اور مستحکم ہے کہ کوئی چیز اِدھر اُدھر نہیں ہوسکتی، ساری چیزیں سامنے آجائیں گی۔

اِس لئے یہ مبارک سورت ہمیں تنبیہ کرتی ہے کہ ہوش کے ساتھ زندگی گذارو، غفلت میں نہ رہو، کسی فریب اور دھوکہ میں نہ رہو، اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری ہر وقت نگرانی فرمانے والے ہیں۔

توبہ کا اہتمام

اور اگر غلطی ہوجائے تو جلد از جلد سچی توبہ کرلی جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو خلیفہ اول، اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوپر

بہت زیادہ گریہ طاری ہوگیا، پیغمبر علیہ السلام نے پوچھا کہ: ''ابوبکر! کیوں رو رہے ہو؟'' عرض کیا کہ ''حضرت! اِس سورت کو پڑھ کر رونا آرہا ہے''۔ تو نبی اکرم علیہ السلام نے اُنہیں تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ''اگر تم غلطی نہیں کروگے تو اللہ تعالیٰ کوئی ایسی قوم پیدا فرمائیں گے جو غلطی کرکے اللہ سے مغفرت طلب کرے گی، اور اللہ تعالیٰ اُس کو مغفرت سے نوازیں گے''۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ص:۱۴۵۴ ادار السلام ریاض)

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ غفار الذنوب ہیں، مایوس ہونے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہو، اور اپنی زندگی سدھارنے کی کوشش کرو۔

اِس طرح کی سورتوں کا یہی اصل مقصد ہے کہ اِنسان غفلت کو چھوڑ کر اور ہوش میں رہ کر زندگی گذارے، اور یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری دینی ہی دینی ہے: لہٰذا کامیاب وہی ہوگا جس نے دنیا میں رہ کر آخرت کی فکر کی ہوگی؛ ورنہ تو رُسوائی کے علاوہ چارۂ کار نہ ہوگا۔

بلاشبہ عقل مند آدمی وہ ہے جو اپنے نامۂ اَعمال میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں لے کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو، ایک نیکی کے بدلے میں دس سے سات سو گنا تک تو ملنا طے ہے۔ اور مزید اللہ تعالیٰ جتنا چاہیں بڑھادیں، یہ اُس کی شانِ کریمی ہے؛ اِس لئے جتنی بھی نیکیاں سمیٹی جاسکیں، اُس میں کمی نہیں کرنی چاہئے۔ مثلاً خالی اَوقات ہیں، کوئی مصروفیت نہیں ہے، تو ''سُبْحَانَ اللّٰهُ'' اور ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهُ'' ہی پڑھتے رہیں، درود شریف کا ورد رکھیں، اور حافظِ قرآن ہے تو خالی اَوقات میں قرآنِ پاک کی تلاوت کرتا رہے، جس میں ایک ایک حرف پر دس دس نیکیوں کا وعدہ ہے۔

الغرض! جیسے آدمی اپنی دنیا کو بڑھانے کی فکر کرتا ہے اور ہر وقت دماغ اُس کی طرف لگائے رہتا ہے، اُس سے کہیں زیادہ فکر: آخرت میں نیکیوں میں اِضافے کی ہونی چاہئے، جو اِس کی فکر کرے گا، اِن شاء اللہ وہ تصور سے زیادہ نوازا جائے گا۔

اور یہ بھی فکر ہونی چاہئے کہ ہمارے نامۂ اَعمال میں کوئی بُرائی درج نہ ہو، اور اگر کسی وجہ سے کوئی برائی ہوجائے، تو جب تک سچی توبہ نہ کرلے، دل کو چین نہ آئے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناراضگی

کے ڈر سے گھبراہٹ ہو جائے، بھوک پیاس مٹ جائے، نیند اُڑ جائے، یہی مؤمن کی شان ہے۔

تو یہ سورت ہمیں یاد دلاتی ہے کہ آخرت کے بارے میں فکر رکھو، اور یہ کوشش کرو کہ دنیا سے اِس طرح سے جانا ہے کہ ہمارے کندھوں پر نہ تو اللہ تعالیٰ کے حقوق ہوں، نہ بندوں کے حقوق ہوں؛ بلکہ سرخ روئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری کی تمنا اور فکر ہونی چاہیے، اور اُس کے بارے میں جو ضروری طریقے ہیں اُن کو اپنانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، ہمارے سب گناہوں کو معاف فرمائیں، آئندہ کی زندگی گناہوں سے بچ کر گذارنے کی سعادت سے نوازیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❒❖❒

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اشاعت: (۲۳)

رب کی ناشکری نہ کریں!

(تفسیر ''سورۂ عادیات'')

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرزاق قاسمی بنگلوری

ناشر

المرکز العلمی للنشر والتحقیق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذّٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہیے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۲۳)

- موضوعِ خطاب : رب کی ناشکری نہ کریں! (تفسیر ''سورۂ عادیات'')
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : مرادآباد
- تاریخ : ۱۴۴۱/۹/۳۰ھ، مطابق ۲۰۲۱/۵/۲۴ء بروز اتوار
- دورانیہ : ۲۹/منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) عبدالرزاق قاسمی بنگلوری

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريک لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارک وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارک وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا○ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ○ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ○ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ○ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ○ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ○ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ○ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ○ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ○ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ○

(ترجمہ:- قسم ہے اُن گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں○ پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں○ پھر صبح کے وقت حملہ کرتے ہیں○ پھر اُس میں گرد اُٹھانے والے ہیں○ اور پھر فوج میں گھس جانے والے ہیں○ بے شک آدمی اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے○ اور اُس کو خود بھی اِس کی خبر ہے○ اور آدمی مال کی محبت کے بارے میں بہت پکا ہے○ کیا اُسے پتا نہیں ہے اُس وقت کے بارے میں جب جتنے بھی مردے ہیں وہ قبروں سے اُٹھائے جائیں گے○ اور جو کچھ بھی دلوں کے اندر ہے وہ سب ظاہر کردیا جائے گا○ بے شک اُن کے رب کو اُن کی اُس دن سب خبر ہے○)

محترم حضرات! آج سورۂ عادیات کے بارے میں مختصر تشریح پیش کرنے کا اِرادہ ہے، یہ سورت گیارہ چھوٹی آیتوں پر مشتمل ہے، اور زیادہ تر مفسرین کے نزدیک اِس کا نزول مکہ معظّمہ میں ہوا ہے، اگرچہ بعض حضرات نے اِسے مدنی سورتوں میں بھی شامل فرمایا ہے۔

قرآن کا ایک خاص انداز

قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک خاص انداز ہے جو صرف اُسی کو زیب دیتا ہے کہ کسی اہم مضمون کو بیان کرنے کے لئے مخلوقات کی قسم کھائی جاتی ہے، جیسے: ﴿وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ﴾ ﴿وَالضُّحٰی﴾ ﴿وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی﴾ ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰھَا﴾ وغیرہ۔تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت کے اظہار اور اپنے پیغام کو مؤکد فرمانے کے لئے اپنی ہی مخلوقات کی قسم پیش فرماتے ہیں (لیکن کسی مخلوق کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ غیر اللہ کی قسم کھائے)

تاہم اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ قسمیں کھانا اپنے اندر ایک نصیحت اور عبرت بھی رکھتا ہے؛ چنانچہ جہاں پر بھی جو قسمیہ کلمات استعمال ہوئے ہیں، وہاں حضراتِ مفسرین نے مضمون کی مناسبت سے اُن کی حکمتیں بھی بیان فرمائی ہیں۔

گھوڑوں کی صفات

اِس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے گھوڑوں کی قسم کھائی ہے، سب جانتے ہیں کہ گھوڑا اللہ تعالیٰ کی ایک بے نظیر مخلوق ہے، جس کو عام جانوروں کے مقابلے میں بہت سی امتیازی خوبیاں اور کمالات حاصل ہیں، اِن خوبیوں کے اندر دو چیزیں تو بالکل نمایاں ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ گھوڑا اپنے مالک کا بہت زیادہ وفادار جانور ہے، مالک کے حکم کی تعمیل میں اپنی جان جوکھم میں ڈالنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے، مالک کا ذرا سا اِشارہ ملتے ہی فوری طور پر اُس کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔

(۲) اور اُس کی دوسری امتیازی خوبی محنت اور جد وجہد ہے، ایسا محنتی، پھرتیلا اور سخت مشقت کا عادی جانور اِس کے علاوہ ملنا مشکل ہے۔اسی لئے سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”اَلْخَیْلُ مَعْقُوْدٌ فِيْ نَوَاصِیْھَا الْخَیْرُ إِلیٰ یَوْمِ الْقِیَامَةِ“.

(صحیح البخاري رقم: ۲۸۵۰) (گھوڑے کی پیشانی پر قیامت تک کے لئے خیر باندھ دی گئی ہے)

تو اِس جانور میں اللہ تعالیٰ نے خیر اور برکت رکھی ہے۔خاص طور پر جنگی مہمات اور فوجی سرگرمیوں میں گھوڑوں کی بہت ہی زیادہ اہمیت ہے۔چنانچہ آج دنیا جانتی ہے کہ اگر چہ کیسے ہی عظیم الشان

فوجی اسباب وآلات بنا لئے گئے ہیں، مثلاً: ٹینک، بکتر بند گاڑیاں، بمبار جہاز اور میزائیل وغیرہ۔ لیکن دنیا کی کوئی جدید آلات سے لیس فوج آج کی تاریخ میں بھی گھوڑوں سے مستغنی نہیں ہے۔

جہاں سارے آلات جواب دے جاتے ہیں وہاں یہ جانور اِنسان کا معاون بنتا ہے، اور بڑی سے بڑی مہم کو سَر کرنے کے لئے اپنی قربانیاں پیش کرتا ہے۔

جنگل بیابان ہو، یا ندی نالے ہوں، پہاڑ ہوں، یا ناہموار زمین ہو، وہاں اِنسان کی بنائی ہوئی ایجادات فیل ہوجاتی ہیں؛ لیکن یہ گھوڑا اُس وقت بھی فوجیوں کے لئے بچاؤ کا واحد سہارا بنتا ہے اور بڑی بڑی سے مشکل کو آسان کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

اسی وجہ سے آج دنیا کی جتنی بڑی سے بڑی فوجیں ہیں، اُن میں باقاعدہ اچھی نسل کے گھوڑے پالے جاتے ہیں، اور اہتمام سے اُن کی پرورش کی جاتی ہے، اِسی لئے آج اچھے گھوڑے فوجی علاقوں میں ہی دستیاب ہوتے ہیں۔

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی بات کو مؤکد کرنے کے لئے بطورِ قسم گھوڑوں کی خصوصی صفات ذکر فرمائی ہیں۔

چناں چہ فرمایا گیا: ﴿وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا﴾ (یعنی اُن گھوڑوں کی قسم جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں) چوں کہ جب گھوڑا دوڑتا ہے تو اُس کی سانس پھولتی ہے۔

اور آگے فرمایا: ﴿فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا﴾ (یعنی جب وہ کسی پتھر پر ٹاپ مارتے ہیں تو اُس سے آگ نکلتی ہوئی اور چنگاری اُڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

نیز فرمایا: ﴿فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا﴾ (یعنی صبح سویرے حملہ کرنے والے) عرب کا یہ دستور تھا کہ رات کے وقت حملہ کرنے کے بجائے دن میں صبح سویرے حملہ کرتے تھے؛ تاکہ بہادری کا اظہار ہو۔

اور پھر فرمایا: ﴿فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا. فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا﴾ (یعنی غبار اُڑانے والے اور دشمن کی صفوں میں گھس جانے والے ہیں) مطلب یہ ہے کہ اُن گھوڑوں میں اِس قدر پھرتی ہوتی ہے کہ صبح کے وقت میں جب کہ عموماً راستوں میں نمی ہوتی ہے، پھر بھی اُن کی ٹاپوں کی وجہ سے گرد وغبار اُڑتا چلا جاتا ہے۔ اور پھر یہ گھوڑے اپنے سواروں کا ہلکا سا اشارہ پاتے ہی دشمن کی فوج میں بے خوف وخطر گھس جاتے ہیں اور اُن کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔

عبرت وموعظت

یہ گھوڑوں کی امتیازی صفات ہیں جو بالخصوص اہلِ عرب کی آنکھوں کے سامنے تھیں کہ یہ جانور باوجودیکہ انسانوں کی طرح عقل نہیں رکھتا، اور نہ اُسے انسانوں جیسی قوتِ گویائی اور دیگر صفات عطا ہوئی ہیں، پھر بھی اُس کا حال یہ ہے کہ جو مالک اُسے تھوڑا بہت چارا کھلا دیتا ہے، تو وہ بالکل اُس کا فرماں بردار بلکہ غلام بن جاتا ہے۔

ایک طرف اِس جانور کا یہ حال ہے، دوسری طرف انسان جسے اللہ تعالیٰ نے ''اشرف المخلوقات'' بنایا ہے، اور عقل وخرد سے نواز کر بے شمار نعمتیں اور خوبیاں اُسے عطا کی ہیں، اُس کا حال کیا ہے؟ اُس کے متعلق اِرشاد فرمایا: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ . وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ﴾ (یعنی انسان اپنے مالک اور اپنے رب کی نعمتوں کا ناشکرا ہے؛ حالاں کہ ذرا سا بھی اگر وہ غور کرے تو اُسے خود پتہ چل جائے گا کہ اُس سے کتنی ناشکریاں دن رات ہو رہی ہیں)

ناشکری کی صورتیں

انسان کی طرف سے ناشکری کئی طرح سے پائی جاتی ہے:

(۱) اول یہ کہ آدمی نعمت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے کے بجائے دوسرے کی طرف کرے، مثلاً یہ کہے کہ فلاں پیر یا فلاں بزرگ نے ہماری بگڑی بنادی، وغیرہ۔ تو یہ ناشکری کی سب سے بدترین شکل ہے، اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو اِطاعت کے بجائے معصیت میں استعمال کرے، یہ بھی بہت بڑی ناشکری میں داخل ہے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے دل کو نعمتوں میں اِس طرح مشغول کردے کہ منعم حقیقی کو بھول جائے، اور دن رات نعمتوں میں مشغول رہنے کے باوجود نہ تو زبانی شکر بجالائے، اور نہ عملی طور پر شکر کے تقاضوں کو انجام دے۔ (مستفاد: تفسیر عزیزی جدید ۶۲۱ مطبوعہ فیض ابرار انکلیشور گجرات)

آج اِنسانوں کی اکثریت کا یہی حال ہے کہ وہ مذکورہ صورتوں میں سے کسی نہ کسی ناشکری میں مشغول ہیں، پریشانی میں زبانوں پر شکوہ کے کلمات تو ضرور آتے ہیں؛ لیکن جب اللہ کی طرف سے نعمتیں عطا ہوتی ہیں تو اُن کا شکر بجالانے میں عموماً کوتاہی ہوتی ہے۔ اِلا ماشاء اللہ۔

پھر فرمایا: ﴿وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ﴾ (یعنی انسان کے دل میں مال و دولت (اور عیش وعشرت) کی محبت بہت زیادہ ہے) عام طور پر انسانوں کے دلوں میں مال کی ایسی چاہت ہوتی ہے کہ اُس کے حصول کے جذبے میں اپنے رب کی ہدایات کو بالکل فراموش کر دیتا ہے۔

تو مال کی ایسی محبت اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں ہے، بے شک مال ایک ضرورت کی چیز ہے، اور ضرورت کے لئے کمانا اور جائز جگہوں پر خرچ کرنا منع بھی نہیں ہے؛ لیکن اُس سے ایسا دل لگانا کہ اللہ کے حقوق اور حدود کو فراموش کر دیا جائے؛ یہ بلاشبہ ممنوع ہے۔

اگر کسی کے دل میں مال کی اتنی محبت سرایت کر جائے کہ وہ اللہ کے احکامات کو پسِ پشت ڈال دے، تو یہ محبت ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ: "حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ". (إحياء العلوم ٢٤٩/٣) (یعنی دنیا کی محبت ہر گناہ کی بنیاد ہے)

اِس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں آئینہ دکھایا ہے کہ اِنسان کو گھوڑوں سے سبق حاصل کرنا چاہئے کہ وہ بے عقل جانور ہونے کے باوجود انسان کی طرف سے تھوڑی بہت عنایت کے بدلے میں اپنی جان جوکھم میں ڈال دیتا ہے، اور ہر قربانی دینے کو تیار رہتا ہے، جب کہ ہم نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا، تو اُسے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اُس کا اپنے خالق و مالک کے ساتھ کیسا رویہ ہونا چاہئے؟ اور اُسے اپنے پروردگار کے احکامات کی کیسے تعمیل کرنی چاہئے؟

پراثر تنبیہ

یہ آئینہ دکھانے کے بعد آگے تنبیہ فرمائی: ﴿اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ. وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ. اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ﴾ (یعنی کیا انسان یہ نہیں جانتا کہ ایک دن وہ آنے والا ہے، جب سب مُردوں کو قبر سے اُٹھا دیا جائے گا، اور جو کچھ اُن کے دلوں میں ہے وہ ظاہر ہو جائے گا۔ بلاشبہ اُن کا رب اُس دن اُن کی ہر بات سے باخبر ہوگا) لہٰذا کوئی غفلت میں نہ رہے۔ اور ہر آدمی کو چاہئے کہ ناشکری کا طریقہ چھوڑ کر شکر گزاری کے راستہ پر چلے، اور یہ نہ سمجھے کہ ہماری سرگرمیاں اللہ سے مخفی رہیں گی؛ اِس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تو انسانوں کی تمام کھلی اور چھپی ہوئی باتوں سے پوری طرح باخبر ہے، کوئی چیز اُس سے کسی بھی درجہ میں کہیں بھی مخفی نہیں ہے۔

اپنا محاسبہ کریں!

تو اِس سورت میں واقعۃً سمجھنے والوں اور غور کرنے والوں کے لئے بہت ہی زبردست

نصیحت ہے۔ اِس سورت میں گویا کہ ایک آئینہ ہمارے سامنے کر دیا گیا ہے کہ اُس میں ہم اپنا چہرہ دیکھیں، اور پھر جائزہ لیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ شکر گذاری کے معاملہ میں ایک جانور ہم سے آگے نہ بڑھ گیا ہو؟ اگر ایسا ہوگا تو یہ ہمارے لئے بہت ہی شرم کی بات ہوگی۔

ہمیں بہرحال اللہ تبارک وتعالیٰ کی اُس جانور سے زیادہ شکر گزاری بجالانی چاہئے، اور یہ سمجھنا چاہئے کہ گھوڑے کا مالک تو اُسے وہی نعمتیں کھلاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے، پھر بھی وہ اپنے مالک کی شکر گزاری بجالاتا ہے۔

مگر انسان کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کا معاملہ تو بہت ہی عظیم الشان ہے، اُس نے کیسی کیسی عظیم نعمتیں ہمارے بدن میں عطا فرمائیں۔

سننے کے لئے کان دئے۔

دیکھنے کے لئے آنکھیں دیں۔

بولنے کے لئے زبان دی۔

سمجھنے کے لئے دل اور دماغ دئے۔

گویا کہ پورا ایک نظام بنایا، جو ایک پوری سلطنت کی طرح ہے۔

پھر خارجی نعمتوں پر بھی غور کریں کہ:

سانس لینے کے لئے ہوا دی۔

پینے کے لئے پانی دیا۔

غذا کے لئے کھیتیاں اُگوائیں اور پھل فروٹ عطا کئے۔

الغرض اِس قدر نعمتوں کا ذخیرہ اور انبار ہے کہ آدمی گننا چاہے تو گن نہیں سکتا۔

اُس کے باوجود اگر وہ اللہ تعالیٰ کا شکر نہ بجالا جائے، اُس کے فرائض کو انجام نہ دے، اور اُس کے احکام کی تعمیل نہ کرے، تو اِس سے بڑی بے شرمی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے؟ اِس لئے ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بندہ بننا چاہئے، اور ایمان وعمل کی درستگی کے بارے میں فکرمند رہنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۲۴)

اچھا اور برا اَنجام

(تفسیر ''سورۃ القارعۃ'')

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرزاق قاسمی بنگلوری

ناشر

المرکز العلمی للنشر والتحقیق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ. [الذّٰريٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۲۴)

○ موضوعِ خطاب	:	اچھااور براانجام (تفسیر ''سورۃ القارعۃ'')
○ خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
○ مقام	:	چھتہ مسجد دیوبند
○ تاریخ	:	۱۴۴۲/۱۰/۷ھ، مطابق ۲۰۲۱/۵/۳۱ء بروز اتوار
○ دورانیہ	:	۲۴/منٹ
○ جمع وضبط	:	(مفتی) عبدالرزاق قاسمی بنگلوری

الـحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه مـن شـرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريک لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسـندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارک وتعالىٰ عـليـه وعـلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارک وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْقَارِعَةُ ○ مَا الْقَارِعَةُ ○ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْقَارِعَةُ ○ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ○ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ○ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ○ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ○ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ○ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ○ وَمَآ اَدْرٰکَ مَاهِيَةٌ ○ نَارٌ حَامِيَةٌ ○

(ترجمہ:- کھڑکھڑانے والی ○ کیا ہے کھڑکھڑانے والی؟ ○ تمہیں کیا پتہ کھڑکھڑا دینے والی چیز کیا ہے؟ ○ جس دن لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہوجائیں گے ○ اور پہاڑ اِس طرح ہوجائیں گے جیسے کہ رنگی ہوئی دُھنی جانے والی اُون ہوتی ہے ○ پس جس کے تول بھاری نکلے ○ وہ تو اپنی مَن چاہی زندگی میں ہوگا ○ اور جس کی تول ہلکی رہ گئی ○ تو اُس کا ٹھکانہ گڑھا ہے ○ اور آپ کو پتہ ہے وہ گڑھا کیا ہے؟ ○ وہ دہکتی ہوئی آگ ہے ○)

حضراتِ گرامی! آج کی مجلس میں ''سورۃ القارعۃ'' کے سلسلہ میں چند باتیں عرض کرنی ہیں، یہ سورت مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی اور ۱۱؍ آیتوں پر مشتمل ہے۔ اِس کا مرکزی مضمون آخرت کی یاددہانی اور اُس کی منظرکشی ہے۔

﴿**اَلْقَارِعَةُ**﴾ کے معنی کھڑکھڑا دینے والی چیز کے آتے ہیں، اور یہ قیامت کے بہت سے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

قیامت کے نام

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں قیامت کو مختلف ناموں سے ذکر فرمایا ہے۔ بعض علماء نے اُن کو یکجا کرنے کی کوشش کی، تو پورے قرآنِ کریم میں قیامت کے بہت سے نام دستیاب ہوئے ہیں، جن میں سے ہر نام اپنے اندر مستقل تنبیہ اور یاددہانی کے معنی رکھتا ہے، اور اُن الفاظ کو سننے سے دل میں ایک ڈر کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم ذیل میں قیامت کے ۳۲؍ نام بطور تنبیہ ذکر کرتے ہیں:

﴿**يَوْمِ الدِّيْنِ**﴾ [الفاتحة: ۳] یعنی قیامت کا دن روزِ جزاء ہے، جس میں اچھوں کو اچھا اور بروں کو برا بدلہ ملے گا۔

﴿**يَوْمٍ عَظِيْمٍ**﴾ [الانعام: ۱۵] یعنی قیامت کا دن بہت زبردست دن ہوگا۔

﴿**يَوْمٍ كَبِيْرٍ**﴾ [هود: ۳] یعنی وہ دنیوی دنوں کے مقابلے میں بہت بڑا اور طویل مدت کا دن ہوگا۔

﴿يَوۡمٍ اَلِيۡمٍ﴾ [هود: ٢٦] یعنی وہ بے ایمانوں اور بدعملوں کے لئے بڑا دردناک دن ہے۔

﴿يَوۡمٍ مُّحِيۡطٍ﴾ [هود: ٨٤] یعنی وہ سب کو گھیرنے والا دن ہوگا، کوئی اُس سے بچ نہ پائے گا۔

﴿يَوۡمٌ مَّشۡهُوۡدٌ﴾ [هود: ١٠٣] یعنی وہ سب کی حاضری کا دن ہے۔

﴿يَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ﴾ [مريم: ٣٩] یعنی اُس دن بالخصوص منکرین اور بے عملوں کے لئے حسرت ہی حسرت ہوگی۔

﴿يَوۡمُ الۡحَشۡرِ﴾ [مستفاد: مريم: ٨٥، طٰهٰ: ١٠٢ وغيره] یعنی قیامت میں ایک میدان میں سب اکٹھے کئے جائیں گے۔

﴿الۡفَزَعُ الۡاَكۡبَرُ﴾ [الانبياء: ١٠٣] یعنی قیامت میں بڑی گھبراہٹ کا ماحول ہوگا، اور افراتفری اور نفسانفسی مچی ہوگی۔

﴿يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ﴾ [الشعراء: ٣٨] یعنی وہ ایسا دن ہے جو معلوم اور عنداللہ متعین ہے۔

﴿يَوۡمِ الۡبَعۡثِ﴾ [الروم: ٥٦] یعنی وہ دن ہوگا جب مردے زندہ ہو اُٹھیں گے۔

﴿يَوۡمُ الۡفَصۡلِ﴾ [الصفت: ٢١] یعنی اُس دن سب باتوں کا فیصلہ ہو جائے گا۔

﴿يَوۡمِ الۡحِسَابِ﴾ [ص: ١٦] یعنی اُس دن پوری زندگی کا حساب لیا جائے گا۔

﴿يَوۡمَ التَّلَاقِ﴾ [الغافر: ١٥] یعنی یہ ملنے اور آپسی ملاقات کا دن ہے، جس میں اگلے پچھلے سب لوگ ایک میدان میں جمع ہو جائیں گے۔

﴿يَوۡمُ الۡوَعِيۡدِ﴾ [ق: ٢٠] یعنی دنیا میں جن باتوں سے ڈرایا جاتا تھا وہ قیامت میں آنکھوں کے سامنے آجائیں گی۔

﴿يَوۡمُ الۡخُلُوۡدِ﴾ [ق: ٣٤] یعنی وہ ہمیشگی کا دن ہے، اُس دن اچھے یا برے انجام کا دائمی فیصلہ ہونے والا ہے۔

﴿يَوْمُ الْخُرُوْجِ﴾ [ق: ٤٢] یعنی اُس دن لوگ اپنی اپنی قبروں سے باہر آجائیں گے۔

﴿الْآزِفَةُ﴾ [النجم: ٥٧] یعنی وہ دن جو بالکل قریب آچکا ہے۔

﴿الْوَاقِعَةُ﴾ [الواقعة: ١] یعنی قیامت ضرور پیش آ کر رہے گی۔

﴿خَافِضَةٌ﴾ [الواقعة: ٣] یعنی قیامت بدعملوں کا مرتبہ گرا کر اُنہیں ذلیل کردے گی۔

﴿رَافِعَةٌ﴾ [الواقعة: ٣] یعنی قیامت کے دن اہل ایمان اور اعمالِ صالحہ کرنے والوں کو سربلندی نصیب ہوگی۔

﴿يَوْمِ الْجَمْعِ﴾ [التغابن: ٩] یعنی اُس دن سب لوگوں کو جمع کیا جائے گا۔

﴿يَوْمُ التَّغَابُنِ﴾ [التغابن: ٩] یعنی قیامت وہ دن ہے جس میں دنیوی اعمال کے اعتبار سے ہار جیت کا فیصلہ ہوگا۔

﴿النُّشُوْرُ﴾ [الملك: ١٥] یعنی وہ مُردوں کو زندہ کر کے اُٹھائے جانے کا دن ہے۔

﴿اَلْحَآقَّةُ﴾ [الحاقة: ١] یعنی وہ یقینی اور قطعی طور پر پیش آنے والا دن ہے۔

﴿يَوْمٌ عَسِيْرٌ﴾ [المدثر: ٩] یعنی وہ بہت مشکلوں بھرا دن ہوگا۔

﴿الْمَسَاقُ﴾ [القيامة: ٣٠] یعنی اُس دن سب لوگ چل کر میدانِ حشر میں جمع ہونے والے ہیں۔

﴿الرَّاجِفَةُ﴾ [النازعات: ٦] یعنی قیامت تھرتھرا دینے والی آواز کا نام ہے۔

﴿الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى﴾ [النازعات: ٣٤] یعنی بڑے ہنگامے کا دن ہے۔

﴿الصَّآخَّةُ﴾ [عبس: ٣٣] یعنی کان پھاڑنے والی چنگھاڑ کا دن ہے۔

﴿الْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ﴾ [البروج: ٢] یعنی وہ دن جس کا وعدہ ہے۔

﴿الْغَاشِيَةِ﴾ [الغاشية: ١] یعنی وہ ایسی مصیبت ہے، جو سب پر چھا جائے گی۔

اِس کے علاوہ اور بھی نام تلاش کرنے سے مل سکتے ہیں۔

قیامت میں دہشت کا عالم

بہر حال یہاں گفتگو کا آغاز ﴿اَلْقَارِعَةُ﴾ سے ہو رہا ہے، یعنی اُس دن ایسا دہشت کا عالم ہوگا کہ کوئی چیز اپنی جگہ پر سلامت نہ رہے گی۔

اُس کے بعد ذہن نشیں کرانے کے لئے دو مرتبہ سوالیہ جملہ لایا گیا، یعنی: ﴿مَا الْقَارِعَةُ﴾ اور ﴿وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْقَارِعَةُ﴾ تا کہ سننے اور پڑھنے والا اگلے جواب کو اچھی طرح سمجھنے اور یاد کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ اُس کے بعد فرمایا گیا: ﴿یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ﴾ یعنی قیامت کا دن وہ ہوگا کہ اُس میں اِنسان ایسے نظر آئیں گے گویا کہ پتنگے اُڑ رہے ہوں۔ (یا ٹڈی دل آ رہا ہو)

آپ نے دیکھا ہوگا کہ برسات وغیرہ میں بہت بڑی تعداد میں جب پتنگے نمودار ہوتے ہیں، تو اُن کے اُڑنے میں کوئی نظام اور ترتیب قائم نہیں رہتی؛ بلکہ ایک طرح سے بدحواسی کا سا منظر نظر آتا ہے، کوئی اِدھر جا رہا ہے، کوئی اُدھر جا رہا ہے، یا کوئی ایک دوسرے سے ٹکرا رہا ہے۔ تو حضراتِ مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک طرح کی غیر معمولی کیفیت کو بیان کرنے کے لئے یہ تعبیر اختیار کی گئی کہ دیکھنے میں ایسا لگے گا کہ ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں لوگ حیرانی کے عالم میں اِدھر اُدھر جا رہے ہوں گے؛ مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ سب بے ترتیب ہوں گے؛ بلکہ حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کے نظم وانتظام کے تابع ہوں گے، اور جس کو جہاں پہنچنا ہے وہ وہاں پہنچ کر رہے گا۔ (بیان القرآن)

اور پھر فرمایا: ﴿وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ کہ وہ پہاڑ جو اللہ تعالیٰ کی بہت ہی زبردست مخلوق ہے، اور جس کی وسعت اور اُونچائی دیکھ کر آدمی حیران رہ جاتا ہے؛ مگر وہ زبردست عظیم الخلقت پہاڑ بھی قیامت کے دن رنگین دُھنی ہوئی روئی کی طرح اُڑے پھر رہے ہوں گے۔ پس جب پہاڑوں کا یہ عالم ہوگا، تو چھوٹی موٹی چیزوں کی تو بات ہی کیا ہے؟

پہاڑوں کو رنگی ہوئی اُون سے اِس لئے تعبیر کیا کہ پتھروں کے اندر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ

نے الگ الگ رنگتیں رکھی ہیں، کہیں سفید پتھر ہیں، کہیں لال ہیں، تو کہیں کالے اور پیلے ہیں، تو اُن کو اُس دن اِس طریقے پر اُڑا دیا جائے گا کہ گویا روئی کو دُھن دیا گیا ہو۔

نیک لوگوں کا انجام

اَب سوال ہوا کہ پھر انجام کیا ہونے والا ہے، یہ تو بتلایا جائے؟

تو فرمایا: انجام سن لو! ﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ. فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ﴾ یعنی جس کے نیکیوں کے پلّے جھکے ہوئے ہوں گے وہ تو مَن چاہی زندگی گزارے گا، اور موج میں رہے گا، اُسے آرام، راحت اور شاندار زندگی نصیب ہوگی، گویا جو چاہے گا وہ اُسے ملے گا، اُسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رحمت حاصل ہوگی۔ جنت کی نعمتیں ملیں گی، اور اللہ تعالیٰ اُسے اِیمان وعمل کے بدلے میں اپنے فضل وکرم سے ہمیشہ کی آرام والی زندگی عطا فرمائیں گے۔

مگر یہ خیال رہے کہ نیکیوں کا پلہ اُسی کا وزنی ہوگا جس نے دنیا کی زندگی میں ایمان واخلاص کے ساتھ اچھے اعمال کئے ہوں گے۔

حضراتِ مفسرین نے لکھا ہے کہ عمل میں وزن اُسی وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ اُس میں اخلاص بھی شامل ہو، یعنی صرف اللہ کی رضا اور طلب ثواب کے لئے اُسے انجام دیا جائے۔ حسن نیت کے بغیر دیکھنے میں بڑے سے بڑے اعمال بھی اللہ کی نظر میں بے وزن ہوجائیں گے۔

وزنِ اَعمال کی توجیہات

حضراتِ علماء نے لکھا ہے کہ وزن بھاری ہونے سے خاص اَعمال کا وزن بھی مراد ہوسکتا ہے، مثلاً نماز اِتنے وزن کی، روزہ اِتنے وزن کا۔

اور جن رجسٹروں میں اعمال لکھے جاتے ہیں اُن کا وزن بھی مراد ہوسکتا ہے، اِس کی بھی بعض روایتوں سے تائید ہوتی ہے۔

اور تیسرے نمبر پر جو عمل کرنے والا شخص ہے خود اُسی کو تول لیا جائے؛ یہ بھی مراد ہوسکتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے کوئی چیز بعید نہیں ہے، تینوں چیزیں ممکن ہیں، اور اِس میں کوئی شک نہیں کہ آخرت میں اعمال اور اَقوال کے لئے انصاف کے ترازو قائم کئے جائیں گے۔ قرآنِ پاک میں متعدد آیات میں اِس کا تذکرہ موجود ہے۔ (فتح الباری وغیرہ)

برائی کرنے والوں کا انجام

اُس کے بعد فرمایا: ﴿وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ. فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ. وَمَآ اَدْرٰكَ مَاهِيَةٌ. نَارٌ حَامِيَةٌ﴾ یعنی خدانخواستہ جس کی نیکیوں کے پلّے ہلکے رہ جائیں، یعنی برائیوں کے پلّے جھک جائیں، تو اُس کا ٹھکانہ تو بس گڑھا ہی ہے۔ اَب کوئی پوچھے کہ وہ گڑھا کیسا ہے؟ تو اُس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ: وہ گڑھا محض گڑھا نہیں؛ بلکہ اُس میں تو آگ دہک رہی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ جس گڑھے میں آگ ہی آگ دہک رہی ہو وہاں پڑے رہنے والوں کا کیسا بدترین انجام ہوگا؟ نعوذ باللہ من ذلک۔

جہنم کی آگ کا دنیا کی آگ سے کوئی مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ ایک حدیث میں ہے کہ ''جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے ۶۹ ؍گنا زیادہ جلانے کی طاقت رکھتی ہے''۔ (مسلم شریف ۱؍۳۸)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جہنم کی آگ کو ایک ہزار سال تک دہکایا گیا، جس کی وجہ سے وہ سرخ ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک دہکایا گیا تو سفید ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک دہکایا گیا تو سیاہ ہوگئی، اِسی حالت میں دہک رہی ہے''۔ (ترمذی شریف ۲؍۸۶) الامان الحفیظ۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ اِس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں نصیحت اور تنبیہ فرمائی ہے کہ قیامت میں حاضری سے پہلے اپنے لئے نیکیوں کے ذخیرے اکٹھے کرلو، اور اپنے نامۂ اَعمال کو نیکیوں سے وزنی بنانے کی فکر کرو؛ کیوں کہ اگر یہ دنیا کی تھوڑی سی زندگی اللہ کے بتلائے ہوئے طریقے پر گذر گئی، تو آنکھ بند ہوتے ہی بس راحت ہی راحت ہے۔ اور اگر یہاں دنیا میں مَن چاہی زندگی گذاری، گویا

جانوروں کی طرح جو جی میں آیا وہ کیا، اور جو جی میں نہیں آیا وہ نہیں کیا، تو جو ایسے زندگی گذارے گا اُس کو بہت ہی بُرے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا، اُس انجام سے بچنے کے لئے آج ہی اپنے حالات کو درست کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائیں، ہر قسم کے شرور وفتن سے حفاظت فرمائیں، دارین کی عافیت سے نوازیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❒❖❒

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اشاعت: (۲۵)

غفلت میں نہ رہیں!

(تفسیر ''سورۂ تکاثر'')

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرزاق قاسمی بنگلوری

ناشر

المرکز العلمی للنشر والتحقیق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۲۵)

موضوعِ خطاب	:	غفلت میں نہ رہیں! (تفسیر ''سورۂ تکاثر'')
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	مرادآباد
تاریخ	:	۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ مطابق ۲۰۲۰/۶/۲۱ء بروز اتوار
دورانیہ	:	۳۰/منٹ
جمع وضبط	:	(مفتی) عبدالرزاق قاسمی بنگلوری

الحمد لله رب العالمین، أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شریک له، وأشهد أن سیدنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلی الله تبارک وتعالیٰ علیه وعلیٰ آله وأصحابه وذریاته وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ ﴿اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ ○ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ○ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ ○ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ○ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ ○ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ ○﴾

(ترجمہ:- تم کو مال ودولت کی کثرت (اور تفاخر) نے غفلت میں ڈال رکھا ہے ○ یہاں تک کہ تم قبریں دیکھ لو ○ کوئی نہیں! عنقریب (مرتے ہی) تم جان لوگے ○ پھر کچھ نہیں آگے جان لوگے ○ ہرگز نہیں! اگر تم کو علم یقینی حاصل ہوجائے (تو کبھی غفلت میں نہ رہو) ○ واللہ تم لوگ ضرور دوزخ کو دیکھو گے ○ اور پھر یقین کی آنکھوں سے دیکھو گے ○ پھر تم سے پوچھ ہوگی اُس دن نعمتوں کے بارے میں ○)

حضراتِ گرامی! اِس سورت کا نام ''سورۂ تکاثر'' ہے، جو مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی اور ۸؍آیتوں پر مشتمل ہے۔ یہ سورت اِس قابل ہے کہ ہم لوگ اِس میں بیان کردہ مضمون کو ہر وقت

پیشِ نظر رکھیں اور اُس کی روشنی میں برابر اپنا جائزہ لیتے رہیں اور آخرت میں کامیابی کے لئے تیاری کرتے رہیں۔

اِس سورت کا آغاز اِس آیت سے ہوا ہے کہ ﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ کہ تم لوگوں کو تکاثر نے غفلت میں ڈال رکھا ہے۔

بظاہر اِس سورت کے مخاطب وہ سب لوگ ہیں جو اِس کو پڑھنے والے ہیں؛ تاہم کفار ومنافقین اور بدعمل لوگ اِس کے اولین مخاطب ہیں۔ چناں چہ بعض حضرات نے اِس سورت کے شانِ نزول میں عرب کے بعض قبائل کے آپس میں تفاخر اور تکاثر کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ (تفسیر کبیر للرازی ۳۲ر۷ دارالفکر بیروت، تفسیر عزیزی ۶۲۹، فوائد عثمانی ۱۲۸۵)

''تکاثر'' کا مفہوم

اور ''تکاثر'' کے تین معانی منقول ہیں:

(۱) پہلے معنی یہ ہیں کہ کثرت کے ساتھ مال کو جمع کرنا، تو اِس اعتبار سے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر آدمی کی سرشت میں مال کی محبت داخل ہے، اور وہ مسلسل اِسی فکر اور دُھن میں لگا رہتا ہے کہ اُس کے پاس زیادہ سے زیادہ مال ودولت جمع ہو جائے، عموماً زندگی کے آخری لمحے تک یہ جذبہ برقرار رہتا ہے۔

(۲) اور ''تکاثر'' کی دوسری تشریح یہ کی گئی ہے کہ ''مال کے ذریعہ دوسرے پر اپنی فوقیت جتانا''۔ اِسی کو ''تفاخر'' بھی کہا جاتا ہے، مثلاً:

آدمی یہ چاہتا ہے کہ میں ایسا مکان بناؤں جیسا کسی نے آج تک نہ بنایا ہو؛ تاکہ دوسروں پر فخر کرسکوں۔

یا ایسی گاڑی لے کر آؤں جو آج تک کسی نے نہ لی ہو۔

یا ایسی فیکٹری بناؤں جو بے نظیر اور بے مثال ہو۔

یا اتنا زیادہ مال ودولت جمع کروں کہ شہر، ضلع، صوبہ، ملک؛ حتی کہ دنیا میں کوئی مجھ سے آگے

نہ بڑھ سکے۔ جیسا کہ آج کل ہر سال پوری دنیا کے مال داروں کی فہرست شائع ہوتی ہے، اور اُس میں درجہ بندی کے اعتبار سے تفاخر ہوتا ہے۔

(۳) اور بعض حضرات نے تیسرا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اِس سے خاص قسم کا ''تکاثر'' مراد ہے، وہ یہ کہ آدمی شریعت کی حدود کو پامال کر کے ناجائز طریقے سے مال و دولت کو جمع کرے، اور مال کے جو شرعی حقوق ہیں اُن کو اَدا کرنے میں کوتاہی کرے۔ (مستفاد: الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۲۰/۱۵۰-۱۵۱ دار الفکر بیروت)

کون سا ''تکاثر'' ممنوع ہے؟

اور اِس تیسری تفسیر کی وجہ یہ ہے کہ محض مال و دولت جمع کرنا شریعت میں معیوب نہیں ہے؛ بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی فطرت میں مال کی محبت رکھی ہے، اور یہ دنیا کی آبادی کے لئے ایک درجہ میں ضروری بھی ہے۔

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ﴾ [آل عمران، جزء آیت: ١٤] (یعنی لوگوں کو فریفتہ کیا ہے مرغوب چیزوں کی محبت نے، جیسے عورتیں اور بیٹے اور جمع کئے ہوئے سونے چاندی کے خزانے، اور نشان لگائے ہوئے گھوڑے، اور چوپائے اور کھیتی)

تو جب اِن چیزوں کی محبت اِنسانی فطرت میں ڈال دی گئی تو بقدرِ ضرورت، اور برائے ضرورت شرعی حدود میں رہتے ہوئے اِن چیزوں کو حاصل کرنا کوئی معیوب نہیں ہے۔

لہٰذا یہ ''تکاثر'' اُس وقت معیوب ہوگا جب ناجائز طریقوں پر اِسے حاصل کیا جائے، یا حقوق کو اَدا نہ کیا جائے، یا اُس کے ذریعہ سے دوسروں پر برتری ظاہر کی جائے۔ اِس طرح کا تکاثر یقیناً غفلت کا سبب بنتا ہے کہ اُس کی وجہ سے آدمی اللہ اور اُس کے رسول کے احکام کو بھول کر محض روپیہ پیسہ کا غلام بن جاتا ہے؛ گویا کہ دن رات ننانوے کے پھیر میں لگا رہتا ہے اور اپنے انجام سے غافل رہتا ہے۔

کون سا مال کارآمد ہے؟

حضرت مطرف اپنے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ میں سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ ''سورۂ تکاثر'' کی تلاوت فرمارہے تھے، پھر آپ نے اِرشاد فرمایا کہ آدمی یہ کہتا ہے کہ: ''مَالِي مَالِي'' (میرامال، میرامال) اُس کے بعد آپ نے فرمایا: ''وَهَلْ لَكَ يَا ابْنَ آدَمَ مِنْ مَالِكَ إِلَّا مَا أَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ، أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ، أَوْ تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ''. (صحيح مسلم / كتاب الزهد والرقائق رقم: ٢٩٥٨) (اور اے آدمی! تیرامال تو صرف وہ ہے جو تو نے کھاپی کر برابر کردیا، یا پہن کر پرانا کردیا، یا راہِ خدا میں صدقہ دے کر نافذ کردیا)

اور ایک روایت میں اِس مضمون کے بعد یہ اِضافہ بھی ہے: ''وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ، وَتَارِكُهُ لِلنَّاسِ''. (صحيح مسلم / كتاب الزهد والرقائق رقم: ٢٩٥٩) (یعنی مذکورہ تین جگہوں کے علاوہ جو مال بچے گا وہ تو فانی ہے، اور اُسے بعد والے لوگوں کے لئے چھوڑ کر جانا ہے)

تو یہ مال جسے ہم بڑی مقدار میں جمع کررہے ہیں، یہ اُسی وقت ہمارے کام آئے گا جب ہم جائز طریقوں سے جمع کریں، اور جائز جگہوں پر خرچ کریں، اور اللہ تعالیٰ نے جو مالی حقوق ہم پر عائد فرمائے ہیں، اُن کو بجالائیں۔ اگر اِن باتوں کا خیال نہیں رکھا جائے گا تو یہ مال ہماری لئے بوجھ اور مصیبت بن جائے گا۔

مرتے دم تک مال کی جستجو

اِسی طرح نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسان کی جبلّت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَا ابْتَغٰى ثَالِثًا، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ''. (صحيح البخاري / كتاب الرقاق رقم: ٦٤٣٦) (یعنی اگر آدمی کو دو میدان بھر کر مال (سونا چاندی وغیرہ) دے دیا جائے تو وہ تیسرا میدان ملنے کی بھی خواہش کرے گا، اور آدمی کے پیٹ کو تو (قبر کی) مٹی ہی بھر سکتی ہے؛ تاہم جو غلطیوں سے توبہ کرے

تو اللہ تعالیٰ اُس کی توبہ قبول فرمائیں گے)

اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ. حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ (تمھیں مال ودولت کی کثرت نے غفلت میں ڈال رکھا ہے، یہاں تک کہ تم (موت کے بعد) قبرستان پہنچ جاؤ) گویا کہ یہ غفلت کا سلسلہ اُس وقت تک چلتا رہتا ہے جب تک کہ تمھیں موت نہ آجائے۔

ظاہر ہے کہ جب موت آئے گی تو ساری تمنائیں یہیں رہ جائیں گی، اور سب مال ودولت چھوڑ کر یہاں سے جانا پڑے گا۔

البتہ اگر مالی حقوق اَدا کئے ہیں تو یہ مال اپنے مالک کے لئے رحمت بن جائے گا۔ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "نِعِمَّا بِالْمَالِ الصَّالِحِ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ". (مسند أحمد رقم: ۱۷۷۶۳) (یعنی اچھا اور حلال مال نیک آدمی کے لئے بہترین معاون ومددگار اور باعث برکت ہے)

اِس کے بالمقابل جو شخص شریعت کی حدود کی رعایت نہ رکھے اور مالی حقوق اَدا نہ کرے، اُس کے لئے یہ مال وبالِ جان بن جائے گا۔

چوں کہ غافل لوگوں کو تنبیہ کرنا مقصود ہے؛ اِس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آگے فرمایا: ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ (یعنی عنقریب موت کے بعد جان لوگے) کہ یہ دنیا اور اُس کا سارا ساز وسامان فانی ہے، اور دل لگانے اور فخر کے لائق نہیں ہے۔

پھر تاکیداً فرمایا: ﴿ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ (یعنی عنقریب عالم برزخ میں جان لوگے) جب سب پردے ہٹ جائیں گے۔

اُس کے بعد فرمایا: ﴿كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ﴾ (یعنی اگر تمھیں آخرت کے متعلق یقینی علم حاصل ہو جائے) تو ہرگز غفلت میں نہ رہو۔

اُس کے بعد اِرشاد فرمایا: ﴿لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ﴾ (یعنی تم (غافل لوگ) یقیناً دہکتی ہوئی آگ دیکھوگے)

اور اِس میں بالکل شک وشبہ کی گنجائش نہ ہوگی؛ اِس لئے آگے فرمایا گیا: ﴿ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ﴾ (یعنی تم قیامت میں جہنم کو یقین کی آنکھوں سے دیکھو گے)

گویا کہ ابھی تو علم یقین کا درجہ ہے کہ قرآن بتا رہا ہے، رسول تنبیہ فرما رہے ہیں، اور جب آخرت میں اپنی آنکھوں سے یہ سب وعیدیں دیکھ لو گے تو ''عین الیقین'' کا درجہ حاصل ہو جائے گا، جو ''علم الیقین'' سے بھی بڑھ کر ہے۔

لہٰذا عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ غفلت سے اجتناب کیا جائے، اور آخرت کے لئے تیاری میں کوئی کوتاہی نہ کی جائے۔

غفلت روا نہیں!

اِسی بات کو دوسری آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ، وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ [المنافقون: ۹] (اے ایمان والو! تمہارے مال، تمہاری اولادیں تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کریں اور جو ایسا کرے گا (یعنی غفلت میں پڑا رہے گا) وہی لوگ ٹوٹے اور نقصان میں ہیں)

اور سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو تجارت وغیرہ میں مشغولی کے باوجود اللہ کی یاد سے غافل نہیں رہتے۔ اِرشاد ہے: ﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ﴾ [النور، جزء آیت: ۳۷] (یعنی مساجد میں وہ لوگ رہتے ہیں جن کو تجارت، بیع وشراء اللہ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے غافل نہیں کرتی)

تو اُسی مفہوم کو اِس سورت میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے تنبیہ والے انداز میں پیش فرمایا ہے کہ ذرا اپنا جائزہ لو! تم کس حرص اور کیسی غفلت میں پڑے ہوئے ہو؟ یہ سلسلہ زیادہ چلنے والا نہیں ہے، ہوشیار رہو، بہت جلد وہ دن آنے والا ہے جب تم اِس دنیا کو چھوڑ کر ایک دوسرے عالم یعنی قبر کی طرف منتقل ہو جاؤ گے۔

اُمت کی اَوسط عمر

یہ مدت زیادہ سے زیادہ کتنی ہوسکتی ہے؟ اِس کے متعلق سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''أَعْمَارُ أُمَّتِي مَا بَيْنَ السِّتِّيْنَ إِلَى السَّبْعِيْنَ، وَأَقَلُّهُمْ مَنْ يَجُوْزُ ذٰلِكَ''. (سنن الترمذي / أبواب الدعوات ۲/۱۹۵ رقم: ۳۵۵۰، سنن ابن ماجة، كتاب الزهد / باب الأمل والأجل رقم: ٤٢٦) (یعنی میری اُمت کی اَوسط عمر ۶۰ر سے ۷۰رسال کے بیچ میں ہے، اور ۷۰ر سے اوپر کم ہی لوگ جاپائیں گے)

چناں چہ تجربہ بھی یہی ہے کہ عام طور پر ۷۰رسال کے آس پاس لوگ گذر جاتے ہیں؛ اِس لئے موت کے مرحلے سے پہلے پہلے اپنے معاملات کو درست کرنا ضروری ہے۔

نعمتوں کے بارے میں سوال

اُس کے بعد آخری آیت میں بہت اہم تنبیہ فرمائی، اِرشاد ہوا: ﴿ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ﴾ (یعنی تم سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا)

اِس تنبیہ کا حاصل یہ ہے کہ اِنسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتیں عطا ہوتی ہیں، خواہ اُن کا تعلق مال ودولت سے ہو، یا صحت وسلامتی سے ہو، تو بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اُن میں آدمی خود مختار ہے، جیسے چاہے جہاں چاہے استعمال کرے؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے متنبہ فرمادیا کہ یہ نعمتیں تمہیں دی ضرور گئی ہیں؛ لیکن قیامت میں اُن کے بارے میں پوچھ ہونی ہے۔

پوچھا جائے گا کہ ہم نے تمہیں مال ودولت عطا کیا۔

ہم نے تمہیں صحت وتندرستی دی۔

ہم نے تمہیں قوتِ گویائی دی۔

ہم نے تمہیں دیکھنے کے لئے آنکھیں دیں۔

ہم نے تمہیں سننے کے لئے کان دیئے۔

ہم نے تمہیں عزت وعافیت دی۔

علم دیا، سمجھ بوجھ دی، لوگوں پر اختیار اور اقتدار دیا۔

تو تم نے اُس کا کیا کیا؟

اِن کے متعلق سوالات ہوں گے۔

اِس لئے ابھی سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

ایک نصیحت آموز واقعہ

صحیح روایت میں وارد ہے کہ ایک دن دوپہر کے وقت سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت خانہ سے مسجد کی طرف تشریف لائے، کچھ دیر میں دیکھا کہ سیدنا حضرتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف لارہے ہیں۔ پیغمبر علیہ السلام نے پوچھا کہ: ''ابوبکر تم اِس وقت یہاں کیسے؟'' عرض کیا کہ ''حضرت! بس آپ کی زیارت وملاقات کے لئے حاضر ہوگیا''۔ پھر دیکھا کہ سیدنا حضرتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف لے آئے، حضور نے اُن سے بھی پوچھا کہ ''بے وقت تم کیسے آئے؟'' تو عرض کیا کہ ''بھوک شدید لگ رہی تھی'' (اس لئے بے چینی میں مسجد چلا آیا) تو نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''میرا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے''۔

اُس کے بعد یہ سب حضرات ایک انصاری صحابی حضرت ابوالہیثم ابن التیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں تشریف لے گئے، جن کو اللہ نے کھجور کے باغ اور بکریوں سے نوازا تھا۔ جب یہ حضرات پہنچے تو اتفاق سے حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ اُس وقت باغ میں موجود نہیں تھے، گھر والوں سے پوچھا کہ کہاں گئے ہیں؟ تو جواب ملا کہ میٹھا پانی لینے گئے ہوئے ہیں۔ ابھی کچھ دیر ہی گذری تھی کہ حضرت ابوالہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بھرا ہوا مشکیزہ لے کر تشریف لے آئے، اور جب اُن کی نظر پیغمبر علیہ السلام اور حضراتِ صاحبینؓ پر پڑی، تو خوشی سے باغ باغ ہوگئے، اور حضور سے لپٹ کر بہت مسرت کا اظہار کیا، اور اپنے باغیچے میں لے جاکر ایک چٹائی پر بٹھایا، اور جلدی

جلدی ایک درخت سے کھجور کے خوشے لاکر پیش کئے، جن میں کچھ پکی کھجوریں تھیں اور کچھ گدری کھجوریں تھیں، اور ٹھنڈا پانی پیش فرمایا۔

تو پیغمبر علیہ السلام نے تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی نوشِ جان فرمانے کے بعد اِرشاد فرمایا کہ:

"هٰذَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مِنَ النَّعِيْمِ الَّذِيْ تُسْأَلُوْنَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ظِلٌّ بَارِدٌ وَرُطَبٌ طَيِّبٌ وَمَاءٌ بَارِدٌ". (یعنی اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہ اُنہیں نعمتوں میں سے ہے جن کے بارے میں قیامت کے دن تم سے سوال ہوگا، ٹھنڈا سایہ، عمدہ تازہ کھجور اور ٹھنڈا پانی)

اُس کے بعد حضرت ابوالہیثم التیہان رضی اللہ عنہ نے بکری ذبح کی اور مہمانوں کے لئے کھانے کا اہتمام فرمایا...... الخ۔ (سنن الترمذی، ابواب الزہد/ باب ما جاء فی معیشۃ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۶۲/۲ رقم: ۲۳۶۹ وغیرہ)

تندرستی اور ٹھنڈے پانی کے بارے میں سوال

اور سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

"إِنَّ أَوَّلَ مَا يُسْأَلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِي الْعَبْدَ مِنَ النَّعِيْمِ أَنْ يُّقَالَ لَهٗ: أَلَمْ نُصِحَّ لَكَ جِسْمَكَ، وَنُرْوِيْكَ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ". (سنن الترمذي / أبواب تفسير القرآن ١٧٣/٢ رقم: ٣٣٥٨) (یعنی قیامت میں آدمی سے سب سے پہلے نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا کہ اُس سے پوچھا جائے گا کہ کیا ہم نے تمہیں جسمانی صحت عطا نہیں کی تھی؟ اور کیا ہم نے تمہیں ٹھنڈا پانی نہیں پلایا تھا؟)

اِس سے تندرستی اور ٹھنڈے پانی کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، خاص کر پیاس کے وقت ٹھنڈا پانی پینے سے قلب کو جو فرحت حاصل ہوتی ہے وہ ناقابل بیان ہے۔

قلبی اطمینان بھی ایک بڑی نعمت ہے

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں تشریف لائے، تو آپ بہت ہشاش بشاش تھے، تو بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ: ''حضرت! آج آپ بہت خوش نظر آرہے ہیں''۔ تو پیغمبر علیہ السلام نے اللہ کا شکر اَدا کیا۔ اسی درمیان مجلس میں مال داری کے بارے میں گفتگو شروع ہوگئی، تو پیغمبر علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا: ''**لَا بَأْسَ بِالْغِنٰی لِمَنِ اتَّقٰی، وَالصِّحَّةُ لِمَنْ اتَّقٰی خَيْرٌ مِنَ الْغِنٰی، وَطِيْبُ النَّفْسِ مِنَ النَّعِيْمِ**''. (سنن ابن ماجة / كتاب التجارات رقم: ٢١٤١) (یعنی متقی شخص کے لئے مال داری میں کوئی حرج نہیں (جب کہ تقویٰ کے بغیر مال داری سراسر ہلاکت ہے) اور متقی شخص کے لئے صحت وتندرستی مال داری سے زیادہ بہتر ہے (کیوں کہ صحت کے بغیر آدمی عبادات وغیرہ صحیح طرح انجام نہیں دے سکتا) اور طبعی بشاشت بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ہے)

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''اِس آیت میں ''نعیم'' سے مراد خاص طور پر اَمن واَمان، تندرستی اور فراغ عیشی (بے فکری) ہے''۔ (تفسیر رازی ۳۲/۸۳ دار الفکر بیروت)

خلاصہ یہ کہ ہر طرح کی نعمتوں کے بارے میں قیامت میں سوال ہوگا؛ اِس لئے آدمی کو ہوشیار رہنا چاہئے، نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری نہیں کرنی چاہئے؛ بلکہ اُن کا صحیح استعمال کرکے اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں اَجر وثواب کے حصول کی اُمید رکھنی چاہئے۔ یہی بات اِس سورت میں فرمائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر طرح کی غفلت سے محفوظ فرمائے، نعمتوں کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائیں، اور اپنی رضا اور خوشنودی سے مالا مال فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۲۶)

خسارے سے کیسے بچیں؟

(تفسیر ''سورۂ والعصر'')

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرزاق قاسمی بنگلوری

ناشر

المرکز العلمی للنشر والتحقیق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذٰریٰت: ۵۵]
(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۲۶)

موضوعِ خطاب	:	خسارے سے کیسے بچیں؟ (تفسیر ''سورۂ والعصر'')
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	مرادآباد
تاریخ	:	۱۴۴۱/۱۱/۶ھ مطابق ۲۰۲۰/۶/۲۸ء بروز اتوار
دورانیہ	:	۲۹/منٹ
جمع وضبط	:	(مفتی) عبدالرزاق قاسمی بنگلوری

○

الحمد للّٰه رب العالمين، أشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لا شريك له، وأشهد أن سيدنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ ﴿وَالْعَصْرِ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ○ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ، وَتَوَاصَوْ بِالصَّبْرِ○﴾

(ترجمہ:- قسم ہے زمانے کی ○ یقیناً اِنسان خسارے میں ہے ○ مگر جو لوگ اِیمان لائے اور نیک اَعمال کئے، اور آپس میں تاکید کرتے رہے سچے دین کی، اور آپس میں تاکید کرتے رہے تحمل کی ○)

حضراتِ گرامی! اِس سورت کا نام ”سورۂ والعصر“ ہے، جو قرآنِ پاک کی انتہائی مختصر سورتوں میں شامل ہے، یہ کل تین آیتوں پر مشتمل ہے اور مکہ معظّمہ میں اس کا نزول ہوا ہے۔

اِس سورت کی اہمیت کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے متعلق حضرت اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ مشہور ہے کہ ”اگر قرآنِ پاک میں صرف یہی ایک سورت نازل ہوئی ہوتی تو اِنسانوں کی ہدایت کے لئے کافی تھی؛ اِس لئے کہ یہ تمام قرآنی علوم کو جامع ہے“۔ (روح المعانی/ سورۃ العصر ۳/۴۰۹)

اِس سورت کے اندر جو حقیقت بیان کی گئی ہے، وہ ہر مسلمان کو ہمہ وقت پیشِ نظر رکھنی چاہئے؛ چناں چہ بعض ضعیف روایات میں وارد ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جب آپس میں ملاقات ہوتی تو جدا ہونے سے پہلے ”سورۂ والعصر“ کا مذاکرہ ضرور فرمایا کرتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل/ سورۃ العصر ص: ۱۴۵۸ ادار السلام ریاض) تاکہ اُس کی یاددہانی ہوتی رہے، اور یہ احساس تازہ ہو کہ ہمیں کامیابی حاصل کرنے کے لئے کن باتوں پر ثابت قدم رہنا ضروری ہے؟

قسمیہ لفظ سے گفتگو کا آغاز

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ ہے کہ مضمون کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے بطورتاکید قسم کھا کر گفتگو کا آغاز کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ بہت سی اور سورتوں کا آغاز بھی قسموں سے ہوا ہے، مثلاً: ﴿لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ ﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾ ﴿وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى﴾ ﴿وَالضُّحٰى﴾ ﴿وَالتِّيْنِ﴾ اِسی طرح یہاں پر بھی گفتگو کا آغاز قسم سے ہورہا ہے۔

''والعصر'' کا مصداق

چناں چہ فرمایا گیا: ﴿وَالْعَصْرِ﴾ یعنی زمانے کی قسم۔ اور زمانہ کی قسم کھانا یہاں پر آگے آنے والے مضمون کے بہت مناسب اور موافق ہے۔

(۱) اِس لئے کہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسان کی پوری زندگی دراصل زمانہ پر ہی مشتمل ہے، اور جو وقت بھی گزر رہا ہے، آدمی زندگی سے دُور ہورہا ہے، اور موت کے قریب ہورہا ہے۔ ایک شاعر نے سچ کہا ہے:

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی ❖ گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی

اِس شعر کا پس منظر یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں چابی والی گھڑیاں اور گھنٹے ہوا کرتے تھے، جو گراریوں کے ذریعے گردش کرتے تھے، اور اُن سے ٹِک ٹِک کی آواز آیا کرتی تھی۔ تو شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ زندگی کے جو سیکنڈ اور منٹ گزر رہے ہیں، اور گھڑی گھوم رہی ہے، اُسی اعتبار سے آدمی کی زندگی کم ہوتی جارہی ہے، اور دنیا سے اُس کی جدائی کا وقت قریب آتا جارہا ہے، تو معلوم ہوا کہ زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک منٹ اور سیکنڈ بڑا ہی قیمتی اور گراں قدر ہے؛ اس لئے زمانے کی قسم کھائی گئی؛ تاکہ لوگ متوجہ ہوجائیں اور اپنے زمانے کے اَوقات ولمحات یعنی عمر کو ضائع نہ کریں؛ بلکہ ہوشیار رہ کر زندگی گزاریں، اور اپنے اعمال نامے کو نیکیوں سے بھرنے کے لئے فکرمند اور کوشاں رہیں، اور بُرائیوں سے محفوظ رہنے کا اہتمام کریں۔

(۲) اور ''والعصر'' کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ یہاں اُس سے زمانہ نہیں؛ بلکہ ''نمازِ عصر'' مراد ہے؛ اِس لئے کہ عصر کی نماز بہت ہی عظیم الشان عبادت ہے۔ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''اَلَّذِيْ تَفُوْتُهُ صَلاَةُ الْعَصْرِ كَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ''. (صحيح البخاري / باب اثم من فاتته العصر رقم: ٥٥٢) (یعنی جس کی نمازِ عصر چھوٹ گئی تو گویا اُس کا مال اور گھر والے سب تباہ اور برباد ہوگئے) تو اُس کی اہمیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے نمازِ عصر کی قسم کھائی گئی۔

(۳) اور بعض مفسرین نے یہاں پر ''عصر'' سے خاص طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ مراد لیا ہے؛ گویا کہ یہ تنبیہ کی جارہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آفتابِ نبوت تمام عالم میں جگمگا رہا ہے، اور آپ کے نورِ نبوت سے پوری دنیا روشن ہوچکی ہے، تو اِس روشنی کے باوجود بھی اگر کوئی شخص اُس سے فائدہ نہ اُٹھائے، اور اندھیرے میں پڑا رہے، تو اُس سے بڑا بدنصیب اور بدبخت شخص کون ہوسکتا ہے؟ بہرحال یہ تفسیر بھی مراد لی جاسکتی ہے۔

اِنسان خسارے میں ہے

الغرض زمانہ کی قسم کھانے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے آگے اِس حقیقت کا اعلان فرمایا کہ: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ﴾ (یعنی اِنسان تو دراصل خسارہ میں ہے) ظاہر ہے کہ یہ بڑی تشویش کی بات ہے کہ انسان کے اَشرف المخلوقات ہونے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے شمار نعمتوں سے نوازے جانے کے باوجود اُسے نقصان اور خسارے میں قرار دیا جائے، ہونا تو یہ چاہئے کہ وہی دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ کامیابی حاصل کرے؛ لیکن اِس کے برعکس اللہ رب العالمین فرمارہے ہیں کہ وہ خسارے میں ہے؛ گویا کہ مال داری، سلطنت وحکومت اور جسمانی اور مادی طاقت وقوت اُس کو خسارے سے باہر نہیں نکال سکتی۔

تو اَب یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ اِنسان کا خسارہ آخر کیسے ختم ہوسکتا ہے؟ اور وہ نقصان سے کیسے بچ سکتا ہے؟ ہر عقل مند کو اِس بارے میں ضرور غور کرنا چاہئے؛ کیوں کہ خسارے میں رہنا

کوئی دانش مندی نہیں ہے۔ عقل مندی یہ ہے کہ آدمی ہر طرح کے نقصان اور خسارے سے اپنے کو بچانے کی فکر کرے، اور جان بوجھ کر خسارے کی حالت میں نہ رہے۔

خسارے سے بچنے کی تدبیریں

تو اِس فطری سوال کا جواب دیتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ اِنسان اگر بالترتیب چار کام کرلے تو وہ خسارہ سے بچ سکتا ہے۔

الف:- ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ پہلا کام یہ ہے کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین پر صدق دل سے اِیمان لائے، تو ایسا شخص دائمی خسارے سے ضرور محفوظ ہوجائے گا؛ اِس لئے کہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، ثُمَّ مَاتَ عَلىٰ ذٰلِكَ، دَخَلَ الْجَنَّةَ“. (صحيح البخاري / كتاب اللباس رقم: ٥٨٢٧) (یعنی جس نے کلمہ طیبہ ”لا الٰہ الا اللہ“ پڑھ لیا، اور اُسی کلمہ پر اُس کی موت آئی تو وہ جنت میں ضرور چلا جائے گا)

یعنی جو اِیمان پر ثابت قدم رہے، تو اتنی بات تو پکی ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا؛ بلکہ بالآخر وہ جنت میں ضرور داخل کیا جائے گا۔

ب:- ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ دوسرا کام یہ ہے کہ وہ شریعت کے مطابق عملی زندگی اختیار کرے، اِس کے بغیر پوری طرح خسارے سے محفوظ نہیں رہ سکتا؛ کیوں کہ بہت ممکن ہے کہ اِیمان تو لے آیا، دل سے تو اللہ تعالیٰ کو ایک مانتا ہے، اور تمام فرشتوں، کتابوں، اور رسولوں پر ایمان بھی رکھتا ہے، اِسی طرح آخرت اور تقدیر پر بھی یقین ہے؛ لیکن ایمان کے تقاضوں کو نہیں بجالاتا، یعنی اعمالِ صالحہ کو انجام نہیں دیتا، اور بُرائیوں سے نہیں بچتا، تو ایسا شخص اگرچہ اِیمان کی وجہ سے دائمی خسارے سے محفوظ رہے گا؛ لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے معاف نہ کیا تو وقتی خسارہ اُسے برداشت کرنا پڑسکتا ہے۔ مثلاً: کوئی مؤمن شخص اگر نماز نہ پڑھے، یا روزہ نہ رکھے، یا کسی گناہ میں مبتلا ہوجائے اور توبہ نہ کرے، تو اِس بات کا بہت امکان ہے کہ اُسے کچھ وقت کے لئے جہنم میں عذاب سہنا پڑے۔ اور ظاہر ہے کہ جہنم وہ خطرناک مقام ہے جہاں تھوڑی دیر کے لئے بھی جانا بڑی ذلت اور

خسارے کی بات ہے؛ لہٰذا اِس خسارے سے بچنے کے لئے لازم ہے کہ آدمی اِیمان کے ساتھ ساتھ اَعمالِ صالحہ کا بھی اہتمام کرے، اور تمام عبادات بجالائے، اور زندگی کے ہر شعبے میں اللہ اور اُس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکامات کی تعمیل کرے۔

ج:- ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ﴾ تیسرے نمبر پر خسارے سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ دوسروں کو بھی حق کی دعوت برابر پیش کی جاتی رہے؛ اِس لئے کہ جب تک کہ دین پر چلنے کے لئے سازگار ماحول قائم نہیں رہے گا، تو جو لوگ پہلے سے حق پر قائم ہیں، اُن کے لئے بھی ثابت قدم رہنا مشکل ہو جائے گا۔

لہٰذا یہ تلقین کی گئی کہ خود بھی ایمان لاؤ، اور اَعمالِ صالحہ انجام دو، اور ساتھ میں یہ کوشش بھی کرو کہ پورا اِنسانی معاشرہ اِیمان اور اَعمال کے راستے پر آجائے؛ تاکہ خود تمہارے لئے دین پر جمنا اور خسارے سے بچنا آسان ہو جائے۔ اِسی کو اگر آپ دوسرے الفاظ میں کہیں تو یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، اور یہی اِس اُمت کا امتیاز ہے کہ اپنی ذات کے ساتھ پوری اُمت کی فکر کرنی چاہئے۔ چناں چہ قرآنِ پاک میں فرمایا گیا: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ، تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [آل عمران، جزء آیت: ۱۱۰] (یعنی تم بہترین امت ہو، تمہیں لوگوں کے فائدے کے لئے بھیجا گیا ہے، تمہارا کام یہ ہے کہ اچھائیوں کا حکم دو، بُرائیوں سے لوگوں کو منع کرو۔

د:- ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ لیکن چوتھے نمبر پر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جب آدمی دعوت کا کام کرتا ہے تو بسا اَوقات حوصلہ شکن حالات پیدا ہو جاتے ہیں، اور مخالفین کی طرف سے کوئی ایسی بات سامنے آجاتی ہے جس سے دل شکنی ہوتی ہے، اور حوصلہ برقرار نہیں رہتا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی تھک ہار کر بیٹھ جاتا ہے؛ لہٰذا دعوت کے کام کو مسلسل جاری رکھنے کے لئے لازم ہے کہ اُمت میں ایسے اَفراد ہوں جو ہر وقت ایک دوسرے کو صبر کرنے اور کام پر جمے رہنے کی تلقین کرتے رہیں، اور اُن کے حوصلوں کو ٹوٹنے نہ دیں۔ جبھی آدمی کامل طور پر خسارے سے بچ سکتا ہے، اور دنیا وآخرت میں سرخ روئی حاصل کرسکتا ہے۔

تو مذکورہ بالترتیب چار باتیں آدمی کو ہر طرح کے خسارے سے نکال سکتی ہیں:

(۱) اِیمانِ کامل (۲) اَعمالِ صالحہ (۳) ایک دوسرے کو دین کی دعوت (۴) آپس میں صبر کی تلقین۔ جس معاشرے میں بھی یہ چاروں باتیں پائی جائیں گی، وہ معاشرہ دنیا کا بہترین اور کامیاب معاشرہ بن جائے گا، جس کا بہترین نمونہ دُنیا نے دورِ نبوت اور دورِ صحابہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، آج پھر اُسی نمونے کو پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

تسلسل ضروری ہے

اور دین کا کام مسلسل جاری رہنا چاہیئے، حالات کی ناسازگاری یا ماحول کی ناموافقت کی بنا پر حوصلہ نہیں ہارنا چاہیئے؛ بلکہ زندگی کے آخری سانس تک دین پر استقامت کے ساتھ اُس کی نشر واِشاعت میں لگے رہنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

پس جو شخص مذکورہ کاموں میں مسلسل لگا رہے گا وہ ہر طرح کے خسارے سے بچ جائے گا، اور اُس کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں وہ عظمت ہوگی کہ فرشتے بھی رشک کریں گے؛ اور اُمت میں بہت سے خوش نصیب ایسے بھی ہوں گے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ اُن کو بلا حساب وکتاب جنت میں داخل فرمائیں گے، اور اُن کے چہرے چاند ستاروں سے زیادہ روشن ہوں گے، اور وہ بڑی خوشی اور مسرت کے ساتھ جنت میں داخل کیئے جائیں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

بہر حال یہ سورت اگرچہ مختصر ہے؛ لیکن اُس میں کامیابی کے چاروں زبردست اُصول بیان کردئے گئے ہیں، جو ہر انسان کو اور خاص کر ہر مسلمان کو پیشِ نظر رکھنے چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِن چاروں باتوں پر کامل طور پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، ہر طرح کی کوتاہیوں سے ہماری حفاظت فرمائیں، اور جو زندگی باقی ہے؛ اللہ تعالیٰ اُس کو نیکیوں سے معمور کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور جو زندگی گذر چکی ہے اُس میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ اُنہیں اپنے فضل وکرم سے معاف فرمائیں اور آئندہ بھی کوتاہیوں سے محفوظ رکھیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلۂ اِشاعت: (۲۷)

تین بری عادتوں پر وعید

(تفسیر ''سورۂ ہمزہ'')

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرزاق قاسمی بنگلوری

ناشر

المركز العلمی للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۲۷)

موضوعِ خطاب	:	تین بری عادتوں پر وعید (تفسیر ''سورۂ ہمزہ'')
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	مرادآباد
تاریخ	:	۱۳/۱۱/۱۴۴۱ھ مطابق ۵/۷/۲۰۲۰ء بروز اتوار
دورانیہ	:	۳۲/منٹ
جمع وضبط	:	(مفتی) عبدالرزاق قاسمی بنگلوری

ـO

الحمد للّٰہ رب العالمین، أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شریک له، وأشهد أن سیدنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلی اللّٰه تبارک وتعالیٰ علیه وعلیٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذریاتهٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ ﴿وَیْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ○ نِالَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ○ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗ اَخْلَدَهٗ ○ كَلَّا لَیُنْبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ○ وَمَآ اَدْرٰكَ مَاالْحُطَمَةُ○ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ○ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَةِ○ اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ○ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ○﴾

(ترجمہ:- بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پیٹھ پیچھے عیب نکالنے والا اور برسرِ عام طعنہ دینے والا ہو○ جس نے مال کو جمع کر کے گن گن کر رکھا○ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اُس کا مال ہمیشہ اُس کے ساتھ رہے گا○ ہرگز نہیں! وہ ضرور ایسی آگ میں ڈالا جائے گا جو روندنے والی ہے○ اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ ''روندنے والی'' کیا ہے؟○ وہ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ہے○ وہ دلوں میں جھانک لیتی ہے○ یہ آگ اُن (کفار وغیرہ) پر بند کر دی جائے گی○ بڑے لمبے لمبے ستونوں میں○)

حضراتِ گرامی! اِس سورت کا نام ''سورۂ ہمزہ'' ہے، جو مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی اور یہ

۹/آیات پر مشتمل ہے۔

اِس سورت کا خاص مضمون یہ ہے کہ وہ صفات جن کی وجہ سے عموماً معاشرے میں فتنہ وفساد اورخرابیاں رونما ہوتی ہیں، اُن پر نکیر کی جائے، اور جولوگ اِس طرح کی خصلتوں میں مبتلا ہیں، اُن کے بارے میں سخت ترین وعید سنائی جائے۔

اگرغور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جن باتوں پر اِس سورت میں تنبیہ کی گئی ہے، وہ اگر ختم ہوجائیں تو یہ دنیا جنت نظیر اور پُرسکون بن جائے، اِس لئے تمام اِنسانوں اور بالخصوص اہلِ اسلام کو چاہیئے کہ وہ اِن باتوں سے اپنے کو بچانے کی ضرور فکر کریں۔

وہ تین باتیں درج ذیل ہیں:

غیبت

(۱) اُن میں پہلی قابل وعید صفت کسی کی غیبت یعنی پیٹھ پیچھے بُرائی کرنا ہے، جو اِسلام کی نظر میں بہت بڑا گناہ ہے۔قرآن وحدیث میں اِس کے متعلق بہت سخت وعیدیں وارد ہیں۔

چناں چہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا: ﴿وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا، اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾ [الحجرات، جزء آیت: ۱۲] (اورتم میں سے کوئی دوسرے کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کیا کرے، کیاتم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے، یقیناً یہ تمہیں ناپسند ہوگا)

گویا کہ جس طرح مردار بھائی کا گوشت کھانا آدمی کو ناپسند ہوتا ہے، اِسی طرح دوسرے کی غیبت کرنا بھی ناپسند ہونا چاہیئے۔

اورسرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقع پر اِرشاد فرمایا کہ: ”أَتَدْرُوْنَ مَا الْغِيْبَةُ“؟ (یعنی کیاتم جانتے ہو کہ غیبت کسے کہتے ہیں؟)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ ”اللہ اور اُس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے“۔

تو پیغمبر علیہ السلام نے غیبت کی تعریف کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا: ”ذِكْرُكَ أَخَاكَ

بِمَا یَکْرَہُ"۔ (تمہارا اپنے بھائی کا اِس انداز میں تذکرہ کرنا جو اُس کے لئے ناگواری کا باعث ہو) یعنی کسی شخص کے بارے میں اُس کی غیر موجودگی میں ایسا تبصرہ کرنا کہ اگر اُسے علم ہو جائے تو اُس کے دل کو ٹھیس اور تکلیف پہنچے؛ یہی اصل میں غیبت ہے۔

یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ "اے اللہ کے رسول! اگر اُس آدمی کے اندر وہ خرابی پائی جاتی ہو جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں"، تو کیا اُس کا تذکرہ کرنا بھی غیبت ہوگا؟

تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کے جواب میں ایسی بات اِرشاد فرمائی جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جانے چاہئیں۔ آپ نے فرمایا کہ: اِنْ کَانَ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ، وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْهِ فَقَدْ بَهَتَّهٗ". (صحیح مسلم ۳۲۲/۲) (یعنی اگر اُس میں وہ بات موجود ہو جو تم کہہ رہے ہو، تبھی تو وہ غیبت ہے، اور اگر اُس میں وہ برائی موجود نہ ہو، تو تم نے اُس پر بہتان باندھا (جو غیبت سے بھی بڑا گناہ ہے)

خلاصہ یہ کہ کسی کی تحقیر وتذلیل کی غرض سے اُس کی برائی بیان کرنا، جس سے اُس کی عزت میں فرق آتا ہو، خواہ اُس کا تعلق دنیوی معاملات سے ہو یا دینی معاملے سے، اخلاق سے متعلق ہو یا جسمانی بناوٹ سے؛ حتیٰ کہ اَولاد اور اہل خانہ کی برائی جس سے آدمی اپنی ہتک محسوس کرتا ہو، اُس کا اظہار بھی غیبت کے عموم میں شامل ہے۔ (مستفاد: روح المعانی ۱۵۸/۲۶)

تو اِس سورت میں ایسے تمام غیبت کرنے والوں کے متعلق تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ اللہ کے عذاب اور تباہی کے مستحق ہیں۔

صحیح حدیث میں ہے کہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوزخ میں کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا کہ جو اپنے چہروں اور سینوں کو ناخونوں سے کھرچ رہے ہیں، تو آپ نے اُن کے متعلق دریافت کیا، تو جواب ملا کہ: "هٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ یَأْکُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ وَیَقَعُوْنَ فِیْ اَعْرَاضِهِمْ". (سنن أبي داؤد ٦٦٩/٢) (یعنی یہ وہ بدنصیب لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے، اور اُن کی عزتوں کو پامال کیا کرتے تھے)

اللہ کے یہاں ہر بات محفوظ ہے

بسا اَوقات آدمی یہ سمجھتا ہے کہ میں نے جو بات کہی ہے وہ کہاں محفوظ رہے گی؟ اور کون اُسے سنبھال کر رکھے گا؟ گویا ایک بات تھی جو زبان سے نکل کر ہوا میں تحلیل ہوگئی؛ لیکن درحقیقت یہ خام خیالی اور خودفریبی ہے؛ کیوں کہ جو بات بھی زبان سے نکل رہی ہے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ریکارڈ ہورہی ہے، اور پہلے تو اِس کے بارے میں عقلی اعتبار سے تعجب بھی ہوا کرتا تھا؛ لیکن آج خود ہماری آنکھوں کے سامنے ایسے آلات اِیجاد ہوگئے ہیں جن میں آدمی کی ہر نقل وحرکت اور آواز محفوظ ہوجاتی ہے، طرح طرح کے خفیہ کیمرے اور ریکارڈر آ گئے ہیں، جن میں تصاویر اور آوازیں پوری طرح محفوظ ہوجاتی ہیں؛ لہٰذا کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں نے جو کہا تھا وہ کہاں سامنے آئے گا؟ بلکہ یہ یقین رکھے کہ ہر بات فرشتے لکھ رہے ہیں، اور اللہ کے ریکارڈ میں محفوظ کی جارہی ہے، جس کے بارے میں آخرت میں جواب دینا پڑے گا۔

زبان قابو میں رکھیں!

اِسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً زبان کو محتاط رکھنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ ایک موقع پر سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مختلف نصیحتیں فرماتے ہوئے اخیر میں اِرشاد فرمایا:

أَلا أُدُلُّکَ عَلٰی مِلاکِ ذٰلِکَ کُلِّہٖ؟‘‘ (کیا میں تمہیں سب باتوں کا خلاصہ نہ بتادوں)

سیدنا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ’’یارسول اللہ! ضرور بتایئے‘‘۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک نکالی اور اُسے پکڑ کر اِرشاد فرمایا کہ: ’’اِسے کنٹرول میں رکھو‘‘۔ اِس پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے تعجب سے عرض کیا کہ ’’اے اللہ کے رسول! کیا زبانوں کی باتوں پر بھی ہم سے مؤاخذہ ہوگا؟‘‘

تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ’’ہاں! اِنہیں زبانوں سے نکلی ہوئی غلط باتوں کی وجہ سے آدمیوں کو سینوں اور چہروں کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈالا جائے گا‘‘۔ (سنن الترمذی، ابواب الایمان/ باب ماجاء فی حرمۃ الصلوٰۃ حدیث: ۲۶۱۶)

لہٰذا ہمیں اپنی زبان قابو میں رکھنی چاہئے؛ کیوں کہ زبان کی بے احتیاطی معاشرے کے اندر فتنہ اور فساد کا سب سے بڑا ذریعہ بنتی ہے، اُس سے دلوں کے اندر دُوریاں پیدا ہوتی ہیں، اور بدگمانیاں وجود میں آتی ہیں۔ اِس لئے تنبیہ کی جارہی ہے کہ طعنہ بازی اور غیبت سے بہرحال اجتناب کیا جائے؛ کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُوری کا بڑا سبب ہے۔

عیب جوئی

(۲) اِس سورت میں دوسرے نمبر پر جن لوگوں کی مذمت بیان ہوئی ہے، وہ عیب جوئی کرنے والے لوگ ہیں؛ جن کا کام ہی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ لوگوں کے عیوب کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں، اور اُن کو ذلیل اور رسوا کرنے کی فکر اُن پر سوار رہتی ہے۔ بلاشبہ یہ لوگ دنیا کے بدترین افراد ہیں، اور اِنسانی معاشرے کے لئے ناسور کی حیثیت رکھتے ہیں، اُن کی جتنی بھی مذمت کی جائے؛ کم ہے۔

ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ’’دنیا کے بدترین لوگ وہ ہیں جن میں درج ذیل صفات پائی جائیں: اَلْمَشَّاؤُنَ بِالنَّمِيْمَةِ، اَلْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْأَحِبَّةِ، اَلْبَاغُوْنَ الْبُرَآءَ الْعَنَتَ. (مسند احمد حديث: ۱۷۹۹۸) (یعنی چغل خوری کرنے والے، دوستوں میں تفریق کرنے والے اور بے قصور لوگوں میں عیب ڈھونڈنے والے) تو ایسے بدترین لوگوں سے ہر مسلمان کو دور رہنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھیں، آمین۔

مال کی محبت

(۳) اِس سورت میں تیسری تنبیہ یہ فرمائی کہ آدمی پر مال کی محبت اِس قدر غالب نہیں آنی چاہئے کہ شریعت کی حدود کا پاس ولحاظ نہ رہے، یہ اِس اُمت کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ’’إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً، وَفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ‘‘. (سنن الترمذي، أبواب الزهد / باب ما جاء إن فتنة هذه الأمة المال حديث: ۲۳۳) (یعنی ہر اُمت کے لئے ایک فتنہ مقرر ہے، اور میری اُمت کا فتنہ یعنی آزمائش مال (کی کثرت) ہے)

اَب ظاہر ہے کہ جو آدمی دن رات بس مال جمع کرنے کی فکر میں رہے، اور روپیہ پیسہ گننے میں اُسے سب سے زیادہ دلچسپی ہو، اور آخرت کو بھول کر یہ تصور کرے کہ گویا اُس کا مال ہمیشہ اُس کے پاس رہے گا، تو اِس سے بڑی خود فریبی اور محرومی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے؟ یہ بات اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں ہے۔

شریعت میں جائز ضرورتوں کی تکمیل کے لئے حلال ذرائع اختیار کرنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے؛ بلکہ اِس کی ترغیب دی گئی ہے؛ لیکن اگر آدمی شرعی حدود کی رعایت نہ رکھے، اور حقوق کو اَدا کئے بغیر خزانے پر خزانے بڑھاتا چلا جائے، اور اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے خالی کر کے اُس کے اندر مال ودولت کی ایسی محبت بسالے کہ کسی اور بات کی دھن ہی نہ رہے، اور یہ گمان رکھے کہ میں تو ہمیشہ مال دار ہی رہوں گا، تو ظاہر ہے کہ اِسے قبول نہیں کیا جاسکتا۔

مال کی کثرت: تکبر کا سبب

علماء نے لکھا ہے کہ مال ودولت جمع کرنے سے دل میں تکبر کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، وہی عموماً دوسرے کی تحقیر اور بدزبانی کا سبب بنتی ہے۔ تو اِس اعتبار سے ساری خرابیوں کی جڑ اور بنیاد مال ودولت کی محبت ہی ہے؛ حالاں کہ ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ مال ودولت باقی رہنے والی چیز نہیں ہے؛ بلکہ جلد ہی فنا ہوجانے والی ہے، اِس سے اگر آدمی آخرت کے لئے فائدہ اُٹھائے، تو یہ بہت نفع کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ یعنی حلال ذرائع سے کمائے، اور صحیح جگہوں پر خرچ کرے، تو یہ مال آدمی کے لئے رفع درجات کا سبب بنے گا؛ ورنہ وہ ایسا بوجھ بن جائے گا جو اُٹھائے نہ اُٹھے گا۔

چناں چہ اِرشاد فرمایا گیا: ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ﴾ (یعنی بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پیٹھ پیچھے عیب نکالنے والا ہو اور منہ در منہ طعنہ دینے والا ہو) یعنی پیٹھ پیچھے بھی بُرائیاں بیان کرتا ہو اور سامنے آجائے تب بھی طعنے دیتا ہے ایسے شخص کے لئے بہت بڑی خرابی، بربادی اور تباہی ہے۔

پھر فرمایا: ﴿الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ﴾ (یعنی جس نے مال کو جمع کیا اور گن گن کر

رکھا) دیکھا جاتا ہے کہ جس شخص کے دل میں مال کی زیادہ محبت ہوتی ہے اُسے روپے پیسے گننے میں بھی بڑا لطف آتا ہے، اور وہ بار بار گنتا ہے، اور حساب لگا کر رکھتا ہے۔

آگے فرمایا: ﴿يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ﴾ (یعنی وہ اِس خیالِ خام میں پڑا ہوا ہے کہ اُس کا مال ہمیشہ اُس کے ساتھ رہے گا) جیسا کہ بہت سے کفارِ مکہ یہ خواب دیکھتے تھے کہ جیسے وہ دنیا میں مال دار ہیں، آخرت میں بھی وہی سرمایہ دار رہیں گے۔

بدکاروں کو جہنم کی وعید

تو ایسے لوگوں کو سخت تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ﴾ (یعنی ہرگز نہیں! وہ ضرور اُس آگ میں پھینکا جائے گا جو روندنے والی ہے) یعنی وہ جہنم کی آگ بڑی بھیانک ہے، جو تہس نہس کر دینے والی ہے۔

اِس کے بعد فرمایا: ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ﴾ (یعنی آپ کو معلوم ہے کہ یہ "حطمہ" کیا ہے؟)

تو اُس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ﴾ (یعنی وہ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ہے) گویا کہ اُس آگ کو بندوں نے نہیں دہکایا؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود دہکایا ہے۔تو تصور کیا جائے کہ اُس کی دہکائی ہوئی آگ کتنی بھیانک اور خطرناک ہوگی۔

پھر اُس آگ کی صفت اِن الفاظ میں بیان ہوئی: ﴿الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ﴾ (یعنی وہ آگ دلوں کو جھانک لیتی ہے)

اِس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

(۱) پہلا مطلب یہ ہے کہ اُس آگ کا اثر بہت تیزی سے دل تک پہنچ جاتا ہے، جس کی وجہ سے تکلیف کا احساس اور زیادہ ہوتا ہے۔

(۲) اور دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ آگ ایسی ہے جو دیکھ کر عذاب دے گی، یعنی اِس آگ کو اندازہ ہوگا کہ کس کے دل میں اِیمان ہے؟ اور کس کا دل اِیمان سے خالی ہے؟ پس جس

کے دل میں اِیمان ہوگا وہ اُس کے قریب نہیں آئے گی، اور جس دل کے اندر اِیمان نہیں ہوگا وہ اُس کو جلا کر تکلیف دے گی۔

گویا کہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ جہنم کی آگ دنیا کی آگ کی طرح نہیں ہے کہ جو بھی اچھے برے اُس کی چپیٹ میں آئیں، وہ سب جل جائیں؛ بلکہ جہنم کی آگ صرف اُنہیں کو جلائے گی، جو عذاب کے مستحق ہوں گے، دوسروں کو نہیں جلائے گی؛ کیوں کہ یہ دلوں کی حالت پر مطلع ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُس کے اندر یہ طاقت اور صلاحیت رکھی ہے۔

اُس کے بعد فرمایا: ﴿اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ. فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ﴾ (یعنی یہ آگ اُن پر بڑے بڑے لمبے ستونوں میں بند کردی جائے گی) یعنی کفار لمبی لمبی لپٹ والی آگ کے اندر ایسے محصور کردئے جائیں گے کہ وہاں سے نکل کر بھاگ جانے کا کوئی راستہ نہ ہوگا، اور وہ ہمیشہ اُسی آگ میں جلتے بھنتے رہیں گے۔ نعوذ باللہ من ذلک

تو خلاصہ یہ کہ آج تو یہ طعن وتشنیع، غیبت اور مال ودولت سب بہت اچھا لگتا ہے؛ لیکن ایک دن وہ ضرور آنے والا ہے، جب اِن غلط حرکتوں کی وجہ سے سخت ترین عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا؛ لہٰذا اگر عذاب سے بچنا ہے تو آج توبہ کرنی لازم ہے، سب اپنی زبان قابو میں رکھیں، ایک دوسرے کی عزت، احترام اور خیر خواہی کے ساتھ زندگی گذاریں، اور مالی حقوق اَدا کریں، تو اِن شاء اللہ ہر طرح کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر طرح کی بدزبانی اور دنیا کی حرص وطمع سے محفوظ رکھیں، اور اپنی رضا اور خوشنودی سے مالا مال فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اشاعت: (۲۸)

اَبرہہ کے لشکر کا برا اَنجام

(تفسیر ''سورۂ فیل'')

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری
اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرزاق قاسمی بنگلوری

ناشر

المرکز العلمی للنشر والتحقیق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہیے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۲۸)

موضوعِ خطاب	:	ابرہہ کے لشکر کا برا انجام (تفسیر ’’سورۂ فیل‘‘)
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	مرادآباد
تاریخ	:	۲۰/۱۱/۱۴۴۱ھ مطابق ۱۲/۷/۲۰۲۰ء بروز اتوار
دورانیہ	:	۳۱/منٹ
جمع وضبط	:	(مفتی) عبدالرزاق قاسمی بنگلوری

الحمد للّٰه رب العالمين، أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك له، وأشهد أن سيدنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارك وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ○ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ○ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ○ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ○ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ○﴾ صدق اللّٰه مولانا العلي العظيم.

(ترجمہ:- کیا آپ نہیں جانتے کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ ○ کیا اُس نے اُن کی تدبیر کو غلط نہیں کر دیا؟ ○ اور اُن پر غول کے غول پرندے بھیجے ○ جو اُن لوگوں پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے ○ پس اللہ تعالیٰ نے اُن کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا ○)

حضراتِ گرامی! یہ ''سورۂ فیل'' ہے، جو مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی اور صرف ۵/ آیتوں پر مشتمل ہے۔ عربی زبان میں ''فیل'' کے معنیٰ ''ہاتھی'' کے آتے ہیں؛ چوں کہ اِس سورت میں اُس لشکر کا تذکرہ ہے جس میں خصوصی طور پر ہاتھی بھی لائے گئے تھے، اِس لئے اسے ''سورۃ الفیل'' کہا جاتا ہے۔

اَصحابِ فیل کا واقعہ

اِس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ یمن کے علاقے پر حمیری قبیلے کے لوگ حاکم تھے، جو اَصلاً مشرک تھے، اور اُن کا ایک بادشاہ تھا جس کا نام ''ذونواس'' بتلایا گیا ہے، اُس نے اپنے دور میں عیسائیوں کے خلاف بہت ہی زیادہ ظلم وتشدد کیا تھا۔ اُس نے بہت سے عیسائیوں کو چن چن کر کے قتل کرایا؛ بلکہ ایک موقع پر آگ کی خندقیں کھودوا کر اُن میں ہزار ہا ہزار عیسائیوں کو زندہ جلوا دیا، جس کا تذکرہ ''سورۂ بروج'' میں ''اَصحابُ الاخدود'' کے تحت کیا گیا ہے۔

اِس انتہائی ظالمانہ کاروائی سے جو لوگ بچ گئے، اُنہوں نے بادشاہِ روم قیصر کے پاس جا کر مدد کے لئے فریاد کی، قیصر نے یہ سوچتے ہوئے کہ یمن کا علاقہ تو کافی فاصلے پر ہے، اُس نے اپنے ماتحت شاہ حبشہ نجاشی (جس کا نام ''الیباس'' تھا) کو حکم دیا کہ وہ یمن پر حملہ کرے، اور حمیریوں کے تسلط سے وہاں کی آبادی کو آزادی دلائے۔

چناں چہ نجاشی نے ۷۰؍ ہزار اَفراد پر مشتمل ایک زبردست لشکر یمن کے لئے روانہ کیا، اس لشکر کا سپہ سالار تو ''اَریاط'' نامی ایک شخص تھا؛ لیکن اُسی لشکر میں ایک اور کمانڈر ''اَبرہہ'' نامی بھی تھا۔ بہرحال حبشہ کے اِس لشکر نے یمن میں جا کر حمیریوں پر فتح حاصل کی، اور پورے علاقے کو اپنے قبضے میں لے لیا، اور ظالم بادشاہ ''ذونواس'' فرار ہوتے ہوئے قریبی سمندر میں جا کر غرق ہوگیا۔

پھر کچھ عرصے کے بعد اَبرہہ اور ''اَریاط'' میں اختلافات ہوئے، اور نتیجہ یہ نکلا کہ اَبرہہ نے ''اَریاط'' کو قتل کردیا، اور پھر خود ہی پورے علاقے کا حاکم بن گیا۔

اُس کے بعد اُس کے دماغ میں یہ سنک سوار ہوئی کہ لوگ حج کرنے کے لئے مکہ معظّمہ کیوں جاتے ہیں؟ اور بیت اللہ شریف کا طواف کیوں کرتے ہیں؟ اِس پر اُسے حسد ہوا، اور اُس نے یمن کے شہر ''صنعا'' میں ایک بہت عالیشان گرجا گھر تعمیر کرایا، جس میں بے حساب دولت خرچ کی، اُسے سجایا اور سنوارا، اور دنیا کے کونے کونے سے طرح طرح کے پتھر اور ہیرے جواہرات منگوا کر اُس میں جڑوائے، اور جب وہ بن کر تیار ہوگیا تو لوگوں میں یہ تبلیغ شروع کی کہ اب یہاں

سے کسی کو کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہے، بس یہی گرجا گھر عبادت کے لئے کافی ہے، جس کو بھی آنا ہو وہ یہاں آئے۔

جب اُس نے یہ بات شدت سے چلائی، تو اُس زمانے میں جو اہل عرب تھے اُنہیں بہت ناگوار گذری؛ کیوں کہ وہ اگرچہ دین حق پر نہیں تھے؛ لیکن اُن کی سرشت میں بیت اللہ شریف کی عظمت اور محبت جاگزیں تھی، اور دین ابراہیمی کے کچھ آثار اُن کے اندر نسلاً بعد نسل چلے آرہے تھے، بہر حال اُن کو ابرہہ کے اِس اِقدام پر بہت غصہ آیا کہ اُسے اگر گرجا گھر بنانا تھا تو بناتا؛ لیکن بیت اللہ شریف کی مخالفت کا کیا مطلب ہے؟

چناں چہ کچھ سرپھروں نے غصہ میں اُس گرجا گھر میں گندگی ڈال دی۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ اُس کے قریب اپنا خیمہ لگا کر اُس میں آگ جلائی اور وہ آگ اتنی بڑھی کہ گرجا گھر کا کچھ حصہ بھی جل گیا، جب یہ باتیں اَبرہہ کو معلوم ہوئیں تو وہ غصے میں آپے سے باہر ہوگیا، اور اُس نے مکہ معظّمہ پر چڑھائی کرکے بیت اللہ شریف کو ڈھانے کا منصوبہ بنایا، وہ یہ سمجھتا تھا کہ جب بیت اللہ شریف ہی نہ رہے گا، تو لوگ وہاں جانا چھوڑ دیں گے، اور اُس کے بجائے اُس کے تیار کردہ گرجا گھر کی طرف آنے لگیں گے۔

جب لشکر روانہ ہوا

ابرہہ نے اپنا یہ منصوبہ شاہ حبشہ نجاشی کو بھی لکھ بھیجا، اُس نے نہ صرف یہ کہ اُس کی تائید کی؛ بلکہ خصوصی طور پر لشکر میں شامل کرنے کے لئے کئی سدھے ہوئے ہاتھی بھی بھجوادئے۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ اِس لشکر میں ایک بہت ہی سدھا ہوا زبردست ہاتھی بھی شامل تھا، جس کا نام ''محمود'' تھا۔

چناں چہ یہ لشکر جرار یمن سے مکہ معظّمہ کی جانب روانہ ہوا، راستے میں کچھ عرب قبائل نے جمع ہوکر اُس کو روکنے کی کوشش بھی کی؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ جو بھی قبیلہ لشکر کے سامنے آیا، وہ شکست سے دوچار ہوا، اور ابرہہ اُن قبائل کے سرداروں کو گرفتار کرتا رہا۔ یہ لشکر جدھر سے بھی گذرتا، پورے علاقے پر اُس کی دھاک بیٹھ جاتی تھی۔

جب یہ لشکر قبیلہ بنوثقیف کے پاس سے گذرا، تو اُنہوں نے یہ سوچ کر کہ ہم لشکر کا تو مقابلہ کر ہی نہیں سکتے، ابرہہ کے سامنے سپر ڈال دی، اور کہا کہ تم ہمارے معبودان وغیرہ سے اگر تعرض نہ کرو، تو ہم تمہارے ساتھ ہیں؛ چناں چہ ابرہہ نے اُن کی شرائط کو قبول کرلیا، اور اُسی قبیلے کا ایک بدبخت شخص جس کا نام ''ابورِغال'' تھا، اُس نے لشکر کو مکہ معظّمہ کا راستہ بتانے کی ذمہ داری خود لی، اور لشکر کو مکہ معظّمہ کے قریب ''وادیٔ مغمس'' تک پہنچایا، جہاں جاکر اُس کا انتقال ہوگیا، وہیں اُس کی قبر بنائی گئی۔ عرب کے لوگ اُس کی قبر پر پتھر برسایا کرتے تھے۔ (الروض الانف ۱۱۹/۱)

اور مکہ معظّمہ کے آس پاس کی چراگاہوں سے ابرہہ کے سپاہیوں نے سب جانور اپنی تحویل میں لے لئے، جن میں سے دوسو اُونٹ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا خواجہ عبدالمطلب کے بھی تھے، جو اُس وقت قریش کے سب سے بڑے سردار تھے۔

''وادیٔ مغمس'' میں قیام کے دوران اَبرہہ نے اپنے ایک نمائندہ ''حناطہ حمیری'' کو یہ پیغام دے کر مکہ معظّمہ بھیجا کہ ''ہم آپ لوگوں سے جنگ کرنے نہیں آئے ہیں؛ بلکہ ہمارا اِرادہ تو صرف کعبہ مشرفہ کو ڈھادینے کا ہے، اگر آپ لوگ مقابلے پر نہ آئیں تو ہمیں آپ کی جان لینے کا کوئی شوق نہیں ہے؛ البتہ اگر کوئی مقابلے میں آیا تو پھر لڑائی ناگزیر ہوگی''۔

میں اپنے اُونٹ لینے آیا ہوں

جب یہ قاصد مکہ معظّمہ پہنچا اور لوگوں سے تحقیق کی کہ یہاں کا سب سے بڑا سردار کون ہے؟ تو سب نے خواجہ عبدالمطلب کا پتہ بتادیا، تو اِس قاصد نے خواجہ عبدالمطلب کے پاس جاکر ابرہہ کی بات سنادی، اُس کی گفتگو سن کر جناب عبدالمطلب نے فرمایا کہ ''اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کرنا ہمارے بس کی تو بات ہے نہیں، اور رہ گئی بات بیت اللہ شریف کی تو یہ جس کا گھر ہے وہ خود ہی نمٹ لے گا، ہمیں تو اپنے اُونٹوں کی فکر ہورہی ہے''۔

یہ بات سن کر قاصد نے کہا کہ ''اگر یہ بات ہے تو آپ ہمارے ساتھ چل کر ابرہہ کے سامنے اپنا مدعا پیش کردیجئے''۔ چناں چہ جناب عبدالمطلب اپنے کسی صاحبزادے کو لے کر ''وادیٔ مغمس''

پہنچے، اور جب آپ ابرہہ کے دربار میں داخل ہوئے، تو آپ کی قدرتی وجاہت دیکھ کر ابرہہ اپنے تخت سے اُتر کر نیچے بیٹھ گیا، اور آپ کو بھی اپنے قریب بٹھایا، اور خیر خیریت معلوم کی، اور ترجمان کے ذریعہ پوچھا کہ ''کیسے آنا ہوا؟''۔

تو جناب عبدالمطلب نے فرمایا کہ ''میرے دو سو اونٹ آپ کے کارندوں نے پکڑ لئے ہیں، میں تو اُن کو چھڑوانے کے لئے آیا ہوں''۔ اَبرہہ کہنے لگا کہ ''جب آپ میرے سامنے آئے تھے تو میں سمجھ رہا تھا کہ آپ بڑے عقل منداور دانش ور آدمی ہیں؛ لیکن اَب مجھے اِس میں شک ہو رہا ہے کہ میں تو آپ کے کعبے کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں، اور آپ کو اپنے اُونٹوں کی فکر پڑی ہے، آپ عجیب آدمی ہیں''۔

تو خواجہ عبدالمطلب نے فرمایا کہ ''اُونٹ تو میرے اپنے ہیں، اِس لئے مجھے اُن کی فکر ہے، اور رہ گیا بیت اللہ، تو اُس کا مالک اللہ تبارک وتعالیٰ ہے، وہ خود اُس کی حفاظت فرمائے گا''۔ ابرہہ اتنے غرور میں تھا کہ اُس کی زبان سے یہ جملہ نکلا کہ ''آج کعبے کو ڈھانے سے کوئی بچا نہیں سکتا''۔ خواجہ عبدالمطلب نے فرمایا کہ ''اَب تم جانو اور اللہ جانے''۔ اَبرہہ نے آپ کے اُونٹوں کو چھوڑنے کا حکم دیا؛ چناں چہ آپ اپنے اُونٹوں کو لے کر مکہ معظّمہ واپس آ گئے۔ اور پھر بیت اللہ شریف کے دروازے پر اُس کی چوکھٹ پکڑ کر اللہ تبارک وتعالیٰ سے فریاد کی کہ ''اِس لشکر جرار کا مقابلہ ہمارے بس میں نہیں ہے، اِس لئے آپ خود ہی اپنے گھر کی حفاظت فرمائیے''۔ کافی دیر تک آپ کے ساتھ بہت سے لوگ آہ وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں فریاد کرتے رہے۔

اُس کے بعد آپ نے سب اہل مکہ کو حکم دیا کہ وہ شہر چھوڑ کر اِرد گرد کے پہاڑوں پہ چلے جائیں، اور خود بھی ایک پہاڑی پر چلے گئے۔ (الروض الانف ۱/۱۲۰-۱۲۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اور ہاتھی بیٹھ گیا

اُدھر اَبرہہ نے مکہ معظّمہ پر حملے کی تیاری کی، اور اُس کا لشکر پورے جاہ وجلال کے ساتھ مکہ معظّمہ کی طرف روانہ ہوا، جب وہ ''وادیٔ محسر'' میں پہنچا (جو منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان ایک میدان

ہے) تو ایک عرب سردار ''نفیل بن حبیب'' جو قبیلہ ''بنو خثعم'' کے رئیس تھے، جنہیں دورانِ سفر ابرہہ نے رہبری کے لئے ساتھ رکھا تھا، اور وہ لشکر کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ اُنھوں نے لشکر میں سب سے آگے چلنے والے ''محمود'' نامی ہاتھی کے کان میں جا کر کہا کہ ''یہ اللہ کا گھر اور اُس کا حرم ہے، اور یہ اللہ کی حفاظت میں ہے، اگر تو اپنی خیر چاہتا ہے تو یہی بیٹھ جا اور آگے نہ بڑھ''۔

چناں چہ کان میں یہ بات پڑتے ہی وہ ہاتھی فوراً وہیں کا وہیں بیٹھ گیا، اور نفیل بن حبیب وہاں سے نکل کر سامنے کی پہاڑی پر چلے گئے، اَب صورتِ حال یہ ہوئی کہ فیل بان اُس ہاتھی کو اُٹھا رہے ہیں؛ لیکن وہ اُٹھ کر آگے چلنے کو تیار نہیں؛ لیکن عجیب بات یہ تھی کہ اگر اُسے واپس چلنے یا دائیں بائیں جانے کو کہتے تو تیار ہو جاتا؛ لیکن مکہ معظّمہ کی طرف کسی صورت قدم بڑھانے کو تیار نہیں ہوا، اور سارے جتن نا کام ہو گئے۔ (الروض الانف ۱/۱۲۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

پرندوں کی بے نظیر خدائی فوج

اِسی درمیان کیا دیکھتے ہیں کہ چند پرندوں کا جُھنڈ آتا دکھائی دے رہا ہے، جو کبوتر سے چھوٹے اور لال پنجوں والے تھے، اور ہر پرندے کے ساتھ ۳ کنکریاں تھیں، جو چنے یا اُڑد کی دال کے برابر تھی، یعنی ہر پنجے میں ایک ایک کنکری اور چونچ میں ایک کنکری تھی۔ الغرض یہ پرندے بہت بڑی تعداد میں آ کر پورے لشکر پر چھا گئے، اور اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ کنکریاں اُن پر برسانی شروع کر دیں، تو اللہ کی قدرت کا ایسا مظاہرہ ہوا کہ وہ کنکری جس آدمی پر پڑتی تھی، اُس کے پورے بدن کو چیر کر زمین تک نکل جاتی تھی؛ گویا ہر کنکری خطرناک گولی کا کام کر رہی تھی، کنکریوں کے اِس اَچانک اور غیر متوقع حملے سے پورے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی، کچھ تو اُسی میدان میں جہنم رسید ہو گئے، اور کچھ واپس بھاگے، تو جس کے بدن پر وہ کنکری لگ گئی تھی تو اُس میں ایسی سمّیت پیدا ہو گئی کہ بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گرتا رہا، اور خطرناک قسم کی خارش، پیپ اور مواد سے جسم بھر گیا۔

اور سب سے برا حال ''ابرہہ'' کا ہوا کہ اُسے پکڑ کر واپس صنعا لے جایا گیا۔ علامہ ابن ہشام وغیرہ نے لکھا ہے کہ یمن پہنچتے پہنچتے ابرہہ کا حال مرغی کے چوزہ کی طرح ہو گیا، بالآخر وہاں پہنچ کر

اُس کا بدن پھٹ گیا؛ حتیٰ کہ دل سینے سے باہر آ گیا، اور اِسی عبرت ناک حالت میں اُس کی بری موت آئی، اور وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ (تلخیص: الروض الانف ۱/۱۲۴-۱۲۵، تفسیر ابن کثیر مکمل ص: ۱۴۵۹-۱۴۶۱، تاریخ اَرض القرآن/ مولانا سید سلیمان ندوی ۲۴۶-۲۴۷، معارف القرآن/ پارۂ عم ۸/۱۷۷-۱۸۰)

تو اِس سورتِ مبارکہ میں یہی نقشہ کھینچا گیا ہے کہ جو مغرور اور بد دین لوگ بیت اللہ شریف کو ڈھانے کے لئے بڑے بلند و بالا دعووں کے ساتھ آئے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ایک کمزور مخلوق سے کام لے کر اُن کو رہتی دنیا تک کے لئے نمونۂ عبرت بنا دیا۔ اِن کنکریوں نے وہ اثر دکھایا کہ بڑے بڑے بم بھی اُن کے سامنے ہیچ ہیں؛ بالآخر پورے لشکر والے کھائے ہوئے بھوسے کی طرح تہس نہس کر دئے گئے۔

اِس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی، اور دشمن کے منصوبے کو پوری طرح ناکام فرما دیا۔

یہ واقعہ کب پیش آیا؟

یہ واقعہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ سے صرف ۴۰/ دن پہلے پیش آیا کہ آپ کی ولادتِ مبارکہ ربیع الاول میں ہوئی، اور واقعۂ فیل محرم کے مہینے میں پیش آیا؛ چناں چہ آپ کی پیدائش کے وقت لوگوں میں اِس واقعہ کا چرچا جاری تھا۔

اہم پیغام!

بہر حال اِس سورت کا اہم پیغام یہ ہے کہ جس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرت سے اَبرہہ کے لشکرِ جرار کو بھوسہ بنا دیا تھا، وہی اللہ تبارک وتعالیٰ اُسی طاقت وقوت، شان وشوکت اور جاہ وجلال کے ساتھ آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا، وہ اپنے دشمنوں اور دین کے مٹانے کا اِرادہ کرنے والوں کو اِسی طرح تباہ وبرباد کرنے پر قدرت رکھتا ہے، جیسا کہ اُس نے ابرہہ کے لشکر کو برباد کیا۔

چناں چہ فرماتے ہیں: ﴿اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ﴾ (یعنی کیا

آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا عمل کیا؟)

﴿اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَھُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ﴾ (یعنی کیا اللہ تعالیٰ نے اُن کی تدبیروں اور منصوبوں کو ناکام نہیں فرمایا؟) کہ بڑے شان وشوکت اور بڑے دعوؤں کے ساتھ حملہ آور ہوئے تھے؛ مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کی ساری تدبیروں کو اُنھی کے اُوپر اُلٹ دیا۔

﴿وَّاَرْسَلَ عَلَیْھِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ﴾ (یعنی اُس نے اُن پر اُڑتے ہوئے جانوروں کے غول کے غول بھیجے) واضح ہو کہ عربی زبان میں ''اَبابیل'' ایک جم غفیر کو کہا جاتا ہے۔ یہ کسی پرندے کا نام نہیں ہے۔ ہمارے یہاں اُردو میں ایک چڑیا کو ''ابابیل'' کہتے ہیں، جو غول بنا کر آتی ہے، مگر آیت میں وہ چڑیا مراد نہیں ہے؛ بلکہ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ ایسے پرندے تھے، جو اِس سے پہلے یا بعد میں کبھی نہیں دیکھے گئے۔ پس یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی لشکر اور اسپیشل فورس تھی، جو خاص مشن پر بھیجی گئی تھی۔

﴿تَرْمِیْھِمْ بِحِجَارَۃٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ﴾ (یعنی وہ پرندے پکی ہوئی اینٹ کی پتھریاں اُن پر برسا رہے تھے)

﴿فَجَعَلَھُمْ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ﴾ (یعنی پھر اُن کو ایسا کر ڈالا جیسا کہ کھایا ہوا بھس ہوتا ہے) اِس طرح اُن سب کو کاٹ کر قیمہ بنا دیا۔

تو اِس واقعے سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ظاہر ہوئی کہ جب وہ حفاظت کرنے پر آتے ہیں، تو دنیا کی کوئی طاقت اُن کا مقابلہ ہرگز نہیں کرسکتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اِس بات پر کامل اِیمان ویقین عطا فرمائیں، ہر قسم کے شرور وفتن سے حفاظت فرمائیں، دشمنوں کے تسلط سے نجات عطا فرمائیں، اور ہر طرح کی عافیت سے نوازیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۲۹)

قریش کو عبادت کی تاکید

(تفسیر ''سورۂ قریش'')

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرزاق قاسمی بنگلوری

ناشر

المرکز العلمی للنشر والتحقیق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذّٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہیے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۲۹)

- موضوعِ خطاب : قریش کو عبادت کی تاکید (تفسیر ''سورۂ قریش'')
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : مرادآباد
- تاریخ : ۴/۱۲/۱۴۴۱ھ، مطابق ۲۶/۷/۲۰۲۰ء بروز اتوار
- دورانیہ : ۲۴/منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) عبدالرزاق قاسمی بنگلوری

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکّل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ، ومن یضلل فلا ھادي لہٗ، ونشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ، ونشھد أن سیدنا وحبیبنا وسندنا وشفیعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تبارک وتعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ وذریاتہٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا، أما بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ○ اٖلٰفِھِمْ رِحْلَۃَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ○ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ ھٰذَا الْبَیْتِ ○ الَّذِیْٓ اَطْعَمَھُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَھُمْ مِّنْ خَوْفٍ ○

(ترجمہ:- اِس لئے کہ قریش کو ○ سردی اور گرمی کے سفر سے اچھی طرح مانوس رکھا ○ لٰہذا اُنہیں چاہئے کہ وہ اِس گھر (بیت اللہ شریف) کے رب کی بندگی کریں ○ جس نے اُنہیں بھوک میں کھانا عطا فرمایا ○ اور خوف کے ماحول میں اَمن سے نوازا ○)

محترم حضرات! آج ''سورۂ قریش'' کے بارے میں مختصر تشریح پیش کرنے کا اِرادہ ہے، یہ سورت مکی سورتوں میں شامل ہے اور صرف چار آیتوں پر مشتمل ہے۔

ربط

اور اِس کا اِس سے پہلی سورت سے ربط یہ ہے کہ ''سورۂ فیل'' میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے خصوصاً اہلِ مکہ پر جو عظیم الشان انعام فرمایا کہ ابرہہ کے لشکر کو نیست ونابود فرمادیا اور ایک بڑی آفت سے مکہ والوں کو بچالیا، تو اُسی سلسلہ کو آگے جاری رکھتے ہوئے خصوصاً قبیلہ قریش کے لوگوں کو متنبہ کیا جارہا ہے کہ تم جو یہاں پر حدودِ حرم میں اَمن وامان، عافیت اور خوش حالی کے ساتھ رہ رہے ہو، اور تمہارا سارا کاروبار بہترین انداز میں بے خوف وخطر چل رہا ہے، یہ تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل وکرم اور انعام ہے؛ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ اپنے رب کی شکر گذاری کرتے ہوئے عبادت واطاعت میں اپنے آپ کو لگاؤ، اور ایمان اور اعمالِ صالحہ سے بہرہ ور ہو۔

قبیلہ قریش کا مختصر تعارف

یاد رکھنا چاہئے کہ قریش یہ وہی خاندان ہے، جس کا سلسلۂ نسب سیدنا حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچتا ہے۔

سیدنا حضرتِ اسماعیل علیہ السلام کے ایک صاحب زادہ کا نام ''قیدار'' تھا، اُن کی نسل میں آگے چل کر ایک شخص پیدا ہوئے، جن کا نام ''فہر ابن مالک'' اور لقب ''قریش'' رکھا گیا تھا۔

اور اِس کی وجوہات بتاتے ہوئے علماء نے کئی باتیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) اول یہ کہ ''قریش'' کے معنی ایک ایسے سمندری جانور کے ہیں، جو دیگر جانوروں پر اپنی قوت کے ذریعہ سے غالب آکر اُنہیں کھاپی جاتا ہے، اور ختم کردیتا ہے۔ تو اِسی مناسبت سے ''فہر'' کا لقب ''قریش'' رکھا گیا کہ یہ اپنی طاقت، قوت، بصیرت، سلطنت اور شوکت کے اعتبار سے سب لوگوں اور قبیلوں پر بھاری پڑ گئے تھے۔

(۲) اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہ دراصل عربی زبان کا لفظ ہے، ''تقریش'' اور ''تقرش'' کے معنی محنت سے کسی چیز کو حاصل کرنے کے آتے ہیں۔ اور ''فہر'' چوں کہ بڑے ہی جفاکش اور محنتی شخص تھے، اور اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ انہوں نے ہی اپنے خاندان کو مجتمع کرنے اور اُس کے لئے آمدنی کے ذرائع منظّم کرنے میں سب سے بڑا کردار اَدا کیا تھا، اِسی اعتبار سے اُن کا لقب ''قریش'' پڑا۔ اور پھر اُن کے بعد جو بھی اُن کی نسلیں چلیں، وہ سب ''قریش'' کہلائے۔ (البدایہ والنہایہ ۱/۵۹۶-۵۹۹)

''قریش'' کے آگے چل کر ۱۰/ بڑے خاندان بہت مشہور ہوئے، جن کے نام یہ ہیں:
(۱) بنو ہاشم (۲) بنو اُمیہ (۳) بنو نوفل (۴) بنو عبد الدار (۵) بنو اسد (۶) بنو تیم (۷) بنو مخزوم (۸) بنو عدی (۹) بنو جمح (۱۰) بنو سہم۔ (تاریخ ارض القرآن ۳۲۲ مؤلفہ: مولانا سید سلیمان ندویؒ)

اور رفتہ رفتہ یہ بہت بڑی آبادی میں تبدیل ہوگئے اور اُن کے مختلف قبائل اپنی سہولت کے اعتبار سے الگ الگ چھوٹی چھوٹی آبادیوں اور گاؤں میں پھیل گئے۔ جن کو ''قریشِ ظواہر'' کہا جاتا ہے۔ اور بعض قبیلے شہری آبادیوں میں رہے، اُن کو ''قریش البطائح'' کہا جاتا ہے۔ دیہات کی آبادی کے مقابلے میں اُن کے اندر تہذیب، شرافت اور تمدن زیادہ پایا جاتا تھا۔ اِس میں ''قصی بن کلاب'' کا بھی نام آتا ہے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں، اُنہیں پورے قبیلہ قریش میں قومی ہیرو اور سردارِ اعظم کی حیثیت حاصل تھی؛ کیوں کہ اُنہوں نے بھی خاندان کو مجتمع اور منظّم کرنے پر کافی محنت کی تھی۔ (تاریخ اَرض القرآن ۳۲۴)

قریش کی تجارتی سرگرمیاں

بہرحال یہ سلسلہ چلتا رہا اور چوں کہ مکہ معظّمہ اور اُس کے اطراف کا علاقہ بالکل خشک ہے، یعنی یہاں پانی اور کھیتی باڑی کے عام اسباب مہیا نہیں ہیں۔ قرآنِ پاک میں بھی اُسے ﴿بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ﴾ فرمایا ہے؛ اِس لئے کہ یہ علاقہ پتھریلی زمین اور خشک پہاڑوں پر مشتمل ہے۔

بریں بنا قبیلہ قریش کا عام گذر بسر تجارت پر تھا، اور یہ لوگ لمبے لمبے تجارتی اَسفار کیا کرتے

تھے، ایک جگہ سے سامان خریدتے، اور دوسری جگہ لے جاکر فروخت کیا کرتے تھے۔ خصوصاً اُن کے دو تجارتی سفر معروف تھے، ایک گرمی کے زمانہ میں اور دوسرا سردی کے زمانہ میں۔ سردی کے زمانہ میں یمن کے علاقہ کی طرف سفر ہوتا تھا، اور گرمی کے زمانہ میں ملکِ شام کی طرف اُن کا سفر ہوتا تھا۔ اور حسبِ موقع جو چیز بھی تجارتی اعتبار سے مفید ہوتی اُس کی خرید و فروخت کرتے تھے، جن میں مصالحہ جات ہوتے تھے، خوشبوئیں ہوتی تھیں۔ بعض روایات میں کھالوں اور کپڑوں کا بھی تذکرہ ہے۔

اور چوں کہ یہ لوگ مکہ معظّمہ کے رہنے والے تھے اور بیت اللہ شریف کے خدام میں شامل تھے، اِس لئے اُن کی عظمت سب لوگوں کے دلوں میں تھی، اور باوجودیکہ عرب کے اندر راستوں میں لوٹ مار عام تھی، اور گذرگاہیں پُرخطر تھیں؛ لیکن اگر یہ پتہ چل جاتا کہ قافلہ مکہ سے آرہا ہے، تو ہر قبیلہ کے لوگ بیت اللہ شریف کی نسبت کی وجہ سے اُن کا احترام کرتے تھے، جس کی بنا پر اُن کی زندگی بہت اچھی عافیت کے ساتھ گذر رہی تھی۔

گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن دونوں نعمتوں سے نواز رکھا تھا جو دنیاوی اعتبار سے سب سے بڑی نعمتیں سمجھی جاسکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خوش حالی عطا فرما رکھی تھی، تجارت میں اتنا نفع ہوتا تھا کہ خوب اطمینان سے کھاتے پیتے تھے۔ اور دوسری بڑی نعمت یہ تھی کہ ہر طرح کی بدامنی سے یہ محفوظ تھے، یعنی اَمن واَمان اور عافیت کی دولت اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کر رکھی تھی۔ (تاریخ اَرض القرآن ۳۴۲)

نعمتوں کی یاد دِہانی

اِنہیں دونوں نعمتوں کو اللہ تعالیٰ نے اِس سورتِ مبارکہ میں یاد دلایا ہے۔ چناں چہ فرمایا گیا:

﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ. اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ﴾ (یعنی اِس واسطے کہ مانوس رکھا قریش کو سردی اور گرمی کے سفر سے مانوس رکھنا) بایں طور کہ اُن کے اوپر اِس طویل سفر کی کوئی گرانی نہیں ہوتی تھی، اور وہ خود اپنے ذوق وشوق سے گرمی اور سردی کے طول طویل اسفار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اُن کے لئے یہ اسفار آسان کردئے تھے؛ ورنہ تو لوگوں پر سفر کا بڑا بوجھ

پڑتا ہے، خصوصاً اُس زمانے کے سفر تو آج کل کے مقابلے میں بہت زیادہ مشکلات اور پریشانیوں سے بھرپور ہوتے تھے؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُس پورے قبیلہ کی ایسی عادت بنادی تھی کہ وہ بآسانی یہ لمبے اسفار کرلیا کرتے تھے؛ لہٰذا اِس انعام کا لازمی تقاضا یہی ہے کہ منعم حقیقی کو یاد رکھتے ہوئے اُس کی شکر گذاری اور اِطاعت شعاری میں زندگی گذاری جائے، اِس لئے بطور یاددہانی آگے اِرشاد فرمایا گیا:

﴿فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ﴾ (یعنی اُنہیں بیت اللہ شریف کے رب کی بندگی کرنی چاہئے) یعنی اُس پر ایمان لائیں اور اچھے اَعمال انجام دیں۔

پھر مزید احسان یاد دِلاتے ہوئے فرمایا: ﴿الَّذِيْ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ (یعنی جس ذات نے اُنہیں بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف کے ماحول میں امن عطا کیا)

کیوں کہ وہاں دیگر قبیلے والوں کے لئے سفر کرنا آسان نہ تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے قبیلۂ قریش کے لئے ہر طرح کی آسانی کے اَسباب مہیا فرمائے، اور خوش حالی اور اَمن واَمان سے سرفراز فرمایا۔ ظاہر ہے کہ یہ دو نعمتیں دنیا کی سب نعمتوں کا خلاصہ کہلائے جانے کے لائق ہے، جن پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

قریش کی فضیلت

اس کے بعد مزید یہ نعمت عطا ہوئی کہ خاتم النبیین، سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت اور ولادتِ مبارکہ بھی اِسی قبیلہ قریش میں ہوئی، جو بلاشبہ عظیم الشان اعزاز ہے۔

سیدنا حضرت واثلہ ابن الاسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے خانوادۂ اسماعیل میں بنو کناہ کو منتخب فرمایا، پھر بنو کناہ میں سے قبیلہ قریش کو منتخب فرمایا، اور قبیلہ قریش سے خاندانِ بنو ہاشم کو منتخب کیا، اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو منتخب فرمایا ہے''۔

(مسند احمد حدیث:۱۶۹۸۶)

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک موقع پر خود پیغمبر علیہ السلام نے بطور تحدیث نعمت کے اپنی نسبی شرافت کو بیان فرمایا کہ: ''میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں، اللہ تعالیٰ نے جب مخلوقات کو پیدا فرمایا تو مجھے اُن میں سب سے بہترین حصے میں شامل فرمایا، پھر اِس حصے میں سے جو بہترین فرقہ تھا، اُس میں مجھے رکھا، پھر جب قبیلوں کی تقسیم ہوئی تو سب سے اعلیٰ قبیلہ میں مجھے رکھا۔ پھر جب بات خاندانوں تک آئی تو مجھے سب سے بہترین اور عمدہ صفات اور اخلاق والے خانوادے میں پیدا فرمایا''۔ (ترمذی شریف/ ابواب المناقب حدیث: ۳۶۰۸)

اور اِس قبیلہ کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ''اَلْأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ، إِنَّ لَهُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا وَلَكُمْ عَلَيْهِمْ حَقًّا مِثْلَ ذٰلِكَ مَا إِنِ اسْتُرْحِمُوْا فَرَحِمُوْا، وَإِنْ عَاهَدُوْا أَوْفُوْا، وَإِنْ حَكَمُوْا عَدَلُوْا، فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ مِنْهُمْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ''. (المسند لإمام أحمد حديث: ۲۳۰۷ عن أنس بن مالك) (یعنی حکومت کی اعلیٰ صلاحیت اللہ تعالیٰ نے قبیلہ قریش کے اندر رکھی ہے؛ لہٰذا اُمت پر اُن کا حق ہے (کہ اُن کا اکرام کریں) اور اُن پر اُمت کا حق ہے کہ جب اُن سے رحم کے بارے میں مدد مانگی جائے تو وہ رحم کریں، اور جو معاہدہ کریں تو اُس کی پاس داری کریں، اور جب حکومت اُن کے سپرد کی جائے تو وہ عدل و انصاف سے کام لیں، پس اُن میں سے جو مذکورہ باتوں کا لحاظ نہیں رکھے گا، اُس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور عام لوگوں کی پھٹکار ہے)

اِس سے معلوم ہوا کہ جو صلاحیتیں کسی انسان یا کسی قبیلے اور خاندان میں قیادت کے لئے لازم ہیں وہ سب اللہ نے قبیلہ قریش کے اندر ودیعت فرمائی ہیں۔ اِسی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اَلنَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَيْشٍ فِيْ هٰذَا الشَّأْنِ''. (صحيح البخاري رقم: ۳٤۹٥) (یعنی قریش کے قبیلے کو لوگوں کے درمیان قائدانہ مقام حاصل ہے)

تو اِن صلاحیتوں کو صحیح رُخ پر لگانا سب سے بڑی بات ہے، اِسی لئے حکم دیا گیا: ﴿فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ﴾ (یعنی اُنہیں چاہئے کہ وہ رب البیت کی بندگی کریں) پس

نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ وہ رب العالمین کے دربار میں سربسجود ہوجائیں، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت اور بندگی اختیار کریں، جبھی وہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ تک پہنچیں گے؛ لیکن اگر اُنہوں نے بندگی اختیار نہیں کی اور عناد میں پڑے رہے، اور سب کچھ سمجھنے اور جاننے کے باوجود انجانے بنے رہے، تو چاہے وہ کتنا ہی پیغمبر علیہ السلام سے قرب رکھتے ہوں، اللہ کی نظر میں ذلیل ہوجائیں گے۔

اَبولہب کا انجام

اِس کا واضح نمونہ یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کا سگا چچا ''ابولہب'' جس کا نام ''عبدالعزیٰ'' تھا، وہ ایمان نہیں لایا، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں پیش پیش رہا، اور دشمنی کی حد کردی، تو قرآنِ پاک میں اُس کے بارے میں پوری سورت: ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ نازل ہوگئی، اور ذلت کا طوق اُس کے گلے میں پڑ گیا۔

اِسی طرح قبیلہ قریش کے دیگر بہت سے سردار جو ایمان نہیں لائے، وہ بدر کے میدان میں ذلت کے ساتھ جہنم رسید کردئے گئے، وہاں اُن کی ساری اَکڑفوں دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہوگئی، نہ اَمن رہا اور نہ خوش حالی رہی۔

پیغمبر علیہ السلام کے مکہ معظّمہ سے ہجرت کرجانے کے بعد قحط سالی کی وجہ سے مکہ والوں کی بڑی ہی بدترین حالت ہوگئی، وہ تجارتی قافلے جو براہِ مدینہ شام جایا کرتے تھے، نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حکمتِ عملی کی وجہ سے اُن کا راستہ غیر محفوظ ہوگیا، تو دیکھئے شکر گذاری نہیں کی تو یہ انجام ہوا۔ اِس کے برخلاف وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے شکر گذاری کی تو اللہ تعالیٰ نے اُنہیں عزت اور عافیت دی، فتوحات سے سرفراز فرمایا، حتیٰ کہ حکومت اور سلطنت سے نوازا۔

بہرحال یہ اگرچہ ایک یہ چھوٹی سی سورت ہے؛ لیکن اِس کے اندر بہت بڑا پیغام ہے کہ جو نعمتوں کی قدر کرے گا وہ نوازا جائے گا، اور جو نعمتوں کو ٹھکرائے گا وہ ذلیل وخوار ہوجائے گا۔

''سورۂ قریش'' کے ورد کے فائدے

اِس سورت کے معنی کو پیشِ نظر رکھ کر بہت سے علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص اِس سورت کا

کثرت سے ورد رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے مالی وسعت سے نوازیں گے، اور اَمن واَمان والی زندگی بھی نصیب فرمائیں گے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ میں نے تجربہ کیا کوئی بھی پریشانی ہو، کثرت سے ﴿لِاِيْلٰفِ﴾ پڑھیں، تو اللہ تعالیٰ پریشانی دُور فرماتے ہیں۔ (معارف القرآن/ سورۂ قریش ۸/۱۸۴)

بہرحال اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِس سورت سے حاصل ہونے والے سبق سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطا فرمائیں، اپنے شکر گذار بندوں میں شامل فرمائیں، ناشکری سے محفوظ فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۳۰)

کفار اور منافقین کی بعض بری عادتیں

(تفسیر ’’سورۂ ماعون‘‘)

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرزاق قاسمی بنگلوری

ناشر

المرکز العلمی للنشر والتحقیق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذّٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۳۰)

موضوعِ خطاب	:	کفار اور منافقین کی بعض بری عادتیں (تفسیر ''سورۂ ماعون'')
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	مرادآباد
تاریخ	:	۱۸/۱۲/۱۴۴۱ھ مطابق ۹/۸/۲۰۲۰ء بروز اتوار
دورانیہ	:	۲۵/منٹ
جمع وضبط	:	(مفتی) عبدالرزاق قاسمی بنگلوری

○

الحمد لله رب العالمين، أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له، وأشهد أن سيدنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى الله تبارک وتعالىٰ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وذرياته وبارک وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ ﴿اَرَءَيْتَ الَّذِیْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ○ فَذٰلِکَ الَّذِیْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ○ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ○ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ○ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ○﴾ صدق الله مولانا العلي العظيم.

(ترجمہ: کیا آپ نے اُس شخص کو دیکھا ہے جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے ○ سو یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے ○ اور مسکین اور محتاج کے کھلانے پر لوگوں کو نہیں اُبھارتا ○ پس بڑی خرابی ہے اُن نمازیوں کے لئے ○ جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں ○ جو دکھلاوا کرتے ہیں ○ اور روکتے ہیں برتنے کی معمولی چیزوں کو ○)

یہ ''سورۂ الماعون'' ہے، جو مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی، اور کل ۷/ آیات پر مشتمل ہے۔

اِس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کفار ومنافقین کی ٦/ بری عادتیں بیان فرمائی ہیں، اور اِس بیان کا مقصد یہ ہے کہ ہر شخص خصوصاً ہر صاحب اِیمان اِن قابل مذمت باتوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔

آخرت کا انکار

(۱) اِن ۶/ باتوں میں سے پہلی بات یہ ہے کہ اِنسان آخرت کے حساب وکتاب اور مؤاخذہ کے تصور ہی کو جھٹلا دے اور اُس پر بالکل یقین ہی نہ کرے، اور یہ سمجھ لے کہ بس جو بھی زندگی ہے وہ دنیا ہی کی ہے؛ لہٰذا جب تک یہاں ہیں؛ موج مستی کرلیں، پھر جب مر مرا جائیں گے تو ہمارا نام ونشان مٹ جائے گا، اور اُس کے بعد کوئی زندگی نہ ہوگی۔ اور جب زندگی ہی نہ ہوگی تو مؤاخذہ کا کیا سوال؟

تو جس آدمی کے دل ودماغ میں یہ بات بیٹھ جائے کہ آخرت میں کچھ ہونے والا نہیں ہے اور مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے، وغیرہ۔ تو یہ تصور بلاشبہ تمام خرابیوں کی جڑ اور بنیاد ہے؛ اِس لئے کہ آدمی آخرت میں بہتر بدلے کی اُمید یا سزا کے ڈر سے ہی اچھے کام کرتا ہے اور برے کام سے بچتا ہے؛ پس جب آخرت کے حساب وکتاب پر یقین ہی نہ ہو، تو ایسا آدمی نہ تو اچھے کام کرنے کا شوق رکھے گا اور نہ ہی برائی سے بچنے کا جذبہ اُس کے اندر پیدا ہوگا۔ تو اِس اعتبار سے آخرت کا انکار بجائے خود انتہائی قابل مذمت صفت ہے۔ اللّٰھم احفظنا منہ۔

یتیموں کے ساتھ سنگ دلی

(۲) اُس کے بعد دوسری قابل مذمت صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ کفار ومنافقین اتنے سنگ دل ہیں، اور جذبہ اِنسانیت سے ایسے محروم ہیں کہ جن یتیموں کے سر پر اُنہیں شفقت کا ہاتھ رکھنا چاہئے، اور اُن کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا مظاہرہ ہونا چاہئے، وہ اپنی بدخلقی کی وجہ سے اِن بے چارے یتیم بچوں کو بھی اپنے دروازوں سے دھتکار دیتے ہیں، اور اُن کی حق تلفی اور اُن کے مال واَسباب پر ناجائز قبضہ کرنے میں کوئی دریغ نہیں کرتے، تو یہ انتہائی گری ہوئی حرکت ہے، جو اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ ہے۔

قرآنِ کریم میں جگہ جگہ یتیموں کا حق اَدا کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اور اُن کی حق تلفی کی سخت مذمت وارد ہے؛ چناں چہ ''سورۂ نساء'' میں یتیموں کا مال ناحق کھانے والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے

اِرشاد فرمایا گیا: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَّسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا﴾ [النساء: ۱۰] (یعنی جو لوگ یتیموں کا مال ناحق ہڑپ کر جاتے ہیں وہ (مال نہیں کھا رہے؛ بلکہ) اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ دہکتی ہوئی آگ (جہنم) میں داخل ہوں گے)

اور سرورِ عالم، محسنِ اِنسانیت، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متعدد اَحادیث میں یتیموں کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ ''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا قیامت میں ایسے قریب ہوں گے جیسے کہ یہ دو اُنگلیاں (بیچ والی اور شہادت کی اُنگلی) قریب ہیں''۔ (صحیح البخاری ۲/۸۸۸ رقم: ۶۰۰۵)

اور ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ ''جو آدمی کسی یتیم کے کھانے پینے کی ذمہ داری لے تو اللہ تعالیٰ اُس کو ضرور جنت میں داخل فرمائیں گے، اِلا یہ کہ وہ ایسا گناہ کرے جو نا قابلِ معافی ہو''۔ (سنن الترمذی ۲/۱۳ رقم: ۱۹۱۷)

اِسی طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اِرشاد ہے کہ ''سب سے بہترین قابلِ تعریف گھر وہ ہے جس گھر میں یتیم کی بہترین انداز میں عزت وتکریم کے ساتھ پرورش کی جاتی ہو۔ اور سب سے بدترین گھر وہ ہے جہاں یتیم کے ساتھ امتیاز اور تحقیر کا معاملہ کیا جاتا ہو''۔ (سنن ابن ماجہ ۲/۲۶۱)

اور ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت عظیم بشارت سناتے ہوئے فرمایا کہ ''جو شخص کسی یتیم کے سر پر دستِ شفقت رکھے تو سر کے ہر بال کے بدلے میں اُس کے لئے نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں''۔ (مسند احمد ۵/۲۵۰ رقم: ۲۲۰۵۳)

الغرض جس یتیم کے ساتھ ایسی شفقت کا معاملہ شریعت اور انسانیت میں مطلوب ہو، تو اگر کوئی سنگ دل کسی یتیم بچے کو دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دے، تو اُس سے بڑی رذالت اور کمینگی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے؟

ذرا اندازہ لگائیے کہ اُس وقت اِس طرزِ عمل سے اُس معصوم شکستہ دل یتیم بچے پر کیا گذرے گی؟ اور اُسے کیسی ذہنی اَذیت ہوگی جسے اَلفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، نعوذ باللہ من ذٰلک۔

مسکینوں کی مدد سے گریز

(۳) اور کفار و منافقین کی تیسری صفت یہ بیان کی گئی کہ ﴿وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴾ (یعنی وہ مسکین کو کھانا کھلانے پر لوگوں کو آمادہ نہیں کرتا)

واضح ہو کہ بخل اور کنجوسی کا سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی نہ صرف یہ کہ خود کارِ خیر میں حصہ نہ لے؛ بلکہ اگر کوئی حصہ لینا بھی چاہے تو یہ اُس کی حوصلہ افزائی نہ کرے، اور اُس میں روڑے اَٹکائے۔

اِس سے معلوم ہوا کہ جو شخص خود خرچ نہ کرے، وہ تو کم درجہ کا بخیل ہے؛ بڑا بخیل وہ ہے جو دوسروں کے خرچ پر بھی اپنے دل میں انقباض محسوس کرے، ایسا شخص ''مہا کنجوس'' کہلائے جانے کے لائق ہے، اور یہ منافقین کی خصوصی علامتوں میں سے ہے۔

نماز میں غفلت

(۴) اُس کے بعد چوتھی صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ اپنی نمازوں سے غافل رہتے ہیں۔ اور غفلت کی دو شکلیں ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ نماز کے دوران غیر اختیاری طور پر خیال کسی اور جانب چلا جائے، جس کی وجہ سے نماز میں کوئی غلطی پیش آجائے، تو فی نفسہٖ یہ بات قابلِ مذمت نہیں ہے، اور اُس کی تلافی کے لئے شریعت میں سجدۂ سہو کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲) غفلت کی دوسری شکل یہ ہے کہ آدمی نماز پڑھنے ہی سے غافل ہو جائے، اور نمازیں قضا کرنے لگے، اور اِس کوتاہی پر اُس کے دل میں کوئی شرمندگی اور کوتاہی کا احساس بھی نہ ہو۔ تو اِس طرح نماز سے اعراض کرنا اور غفلت برتنا یہ بلاشبہ قابلِ مذمت عمل ہے، جو عمومی طور پر منافقوں کا وطیرہ تھا کہ وہ محض اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے کے لئے صرف دکھاوے کے لئے نماز پڑھا کرتے تھے، حقیقت میں اُنہیں نماز سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

ریاکاری

(۵) اُس کے بعد پانچویں صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ وہ لوگ صرف دکھاوے

کے لئے کام کرتے ہیں؛ تاکہ لوگ اُنہیں اچھا سمجھیں؛ گویا کہ اُن کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی نہیں ہوتی؛ بلکہ بندوں کی نظر میں اچھا بننا ہوتا ہے۔ یہ ریاکاری اور دکھاوا ایسی بری صفت ہے کہ اِس کو نبی اکرم علیہ السلام نے ''شرکِ خفی'' (یعنی پوشیدہ شرک) قرار دیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم: ۴۲۰۴)

گویا کہ آدمی اللہ تعالیٰ سے بدلے کا طلب گار نہیں ہے؛ بلکہ مخلوق سے بدلہ چاہتا ہے۔ تو ایسے شخص کا سارا عمل رائیگاں جائے گا، اور وہ آخرت میں اجر وثواب سے پوری طرح محروم رہے گا۔

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ''. (سنن ابن ماجة رقم: ٤٢٠٢) (یعنی میں تمام ساجھے داروں میں ساجھے سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں) پس ایسا ریاکار جب قیامت میں حاضر ہوگا تو اُس سے کہا جائے گا کہ جن کے واسطے نیک عمل کیا تھا؛ اُنہیں سے بدلہ لے لو، اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ کو تو وہی عبادت پسند ہے جو خالص اُسی کے لئے ہو، اُس کے اندر کسی دوسرے کا کوئی حصہ نہ ہو۔

بے مروّتی

(٦) اور چھٹی صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ لوگ اتنے بے مروت اور تنگ دل ہیں کہ ''الماعون'' میں بھی رکاوٹ ڈالتے ہیں۔

مفسرین نے ''الماعون'' کے مختلف معانی بیان فرمائے ہیں:

الف:- ایک معنی یہ ہیں کہ وہ برتنے کی چیزیں جو عام طور پر گھروں میں ہوتی ہے، مثلاً: سیڑھیاں، ہاون دستہ اور جھاڑو وغیرہ، جو عموماً لوگ ایک دوسرے کو ضرورت کے وقت استعمال کے لئے دیتے ہیں، اور لینے والا ضرورت پوری ہونے پر اُنہیں واپس کردیتا ہے، پس اگر کوئی شخص ایسی معمولی چیزوں کو دینے میں بخل کرے، یا اُنہیں دوسروں سے لے کر اپنے پاس روک لے، تو اُس کا یہ عمل قابل مذمت ہے۔

ب:- اور بہت سے حضرات نے یہاں پر ''الماعون'' کی تفسیر ''مالِ زکوٰۃ'' سے کی ہے؛ اِس لئے کہ وہ بھی مال کا مختصر حصہ ہوتا ہے؛ پس اگر کوئی شخص صاحب نصاب ہونے کے باوجود حسب شرائط زکوٰۃ ادا نہ کرے، تو وہ بھی اِس وعید میں داخل ہوگا۔ (مستفاد: تفسیر کبیر للرازی ۱۶/۱۱۶ وغیرہ)

بہر حال یہ ۶/صفات قابل مذمت ہیں، جن سے ہر مسلمان کو دور رہنے کی کوشش کرنی چاہئے؛ چناں چہ اِرشاد فرمایا گیا:

﴿اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ﴾ (کیا آپ نے اُس شخص کو دیکھا جو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے) اِس سے متعین شخص بھی مراد ہوسکتا ہے؛ جیسا کہ بعض ضعیف روایات سے معلوم ہوتا ہے اور غیر متعین طور پر جو بھی انکار کرنے والا ہو، اُسے مراد لیا جاسکتا ہے۔

﴿فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ﴾ (سو یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے) یعنی بد دینی کا اثر یہ ہے کہ اُس کا دل بالکل پتھر بن چکا ہے، اُس میں ہمدردی اور شفقت کا نام ونشان نہیں ہے، کہ جس یتیم کو سینے سے لگانا چاہئے یہ اُسے دھکے دے کر اپنے سے دور کردیتا ہے۔

﴿وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴾ (اور مسکین اور محتاج کے کھلانے پر لوگوں کو نہیں اُبھارتا) یہ بھی اس کی انتہائی خساست کی بات ہے۔

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾ (سو بڑی خرابی ہے اُن نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں) کہ اُنہیں کچھ پتہ نہیں رہتا کہ کب نماز کا وقت آیا اور کب گیا؟ وہ تو بس اپنے کام کاج میں مست ہیں، اور موج مستی میں لگے ہوئے ہیں، تو ایسے لوگوں کے لئے تباہی اور بربادی ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ○ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ﴾ (جو دکھلاوا کرتے ہیں اور روکتے ہیں برتنے کی چیز) اِس سے چاہے معمولی چیزیں مراد ہوں یا زکوۃ؟ دونوں صورتوں میں یہ بات قابل مذمت ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایسی صفات سے ہمیں احتراز کرنا چاہئے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو ایمانی صفات سے مزین فرمائیں، اور کفر ونفاق والی صفات سے اُمت کے ہر فرد کی حفاظت فرمائیں، اور ہم سب کو دارین میں اپنی رضا اور خوشنودی سے مالا مال فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اشاعت: (۳۱)

حوضِ کوثر کی نعمت

(تفسیر ''سورۂ کوثر'')

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرزاق قاسمی بنگلوری

ناشر

المرکز العلمی للنشر والتحقیق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذّٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہیے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۳۱)

موضوعِ خطاب	:	حوضِ کوثر کی نعمت (تفسیر ''سورۂ کوثر'')
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	مرادآباد
تاریخ	:	۱۴۴۱/۱۲/۲۵ھ مطابق ۲۰۲۰/۸/۱۶ء بروز اتوار
دورانیہ	:	۲۷/منٹ
جمع وضبط	:	(مفتی) عبدالرزاق قاسمی بنگلوری

الحمد لله رب العالمین، أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک له، وأشھد أن سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسوله، صلی اللّٰہ تبارک وتعالیٰ علیه وعلیٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذریاتهٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ ﴿اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ○ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ ○﴾ صدق اللّٰہ مولانا العلي العظیم.

(ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو ''کوثر'' عطا کی ہے ○ پس آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے ○ بلاشبہ آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے ○)

حضراتِ گرامی! یہ سورۂ کوثر قرآنِ کریم کی سب سے چھوٹی سورتوں میں سے ایک ہے، جو صرف تین آیات پر مشتمل ہے۔ یہ مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی، اور اِس کے شانِ نزول میں حضراتِ مفسرین لکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحب زادے (عبداللہ یا قاسم) بچپن ہی میں رحلت فرما گئے، تو کفارِ مکہ نے اپنی مجلسوں میں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طعنے دینے شروع کئے کہ آپ کی کوئی نرینہ اَولاد باحیات نہیں رہی؛ لہٰذا آپ کے دنیا سے گذر جانے کے بعد کوئی آپ کا نام لینے والا بھی نہ رہے گا۔

ظاہر ہے کہ یہ بڑا ہی اذیت ناک طعنہ تھا، جس کی وجہ سے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طبعی طور پر دلی تکلیف ہوسکتی تھی، اِس لئے آپ کی تسلی اور دشمنوں کے طعن کا جواب دینے کے لئے یہ مبارک سورت نازل ہوئی۔

اور اِس کا آغاز اِس خوش خبری سے کیا گیا کہ اے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم نے آپ کو ''الکوثر'' عطا کیا ہے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ''کوثر'' کو ''خیر کثیر'' کے معنی میں لیا ہے؛ گویا کہ جس چیز کے اندر ہر طرح کی بھلائی پائی جائے، اُسے ''کوثر'' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

اِس معنی کے اعتبار سے سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بے مثال ظاہری اور باطنی، جسمانی اور روحانی کمالات عطا کئے گئے، اُن سب پر ''الکوثر'' کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: صحیح البخاری، کتاب الرقاق/ باب فی الحوض حدیث: ۶۵۷۸)

تاہم دیگر اَحادیثِ صحیحہ کے پیشِ نظر ''کوثر'' کا اطلاق اُس ''حوضِ کوثر'' پر ہوتا ہے جو میدانِ حشر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا جائے گا، اور آپ کی خصوصی نگرانی میں اہل ایمان اُس سے اپنی پیاس بجھائیں گے، اور اِس حوض میں جنت کی جس نہر سے پانی آئے گا اُس نہر کا نام بھی ''کوثر'' ہے۔ (فتح الباری حدیث: ۴۹۶۶)

اَحادیثِ شریفہ میں ''حوضِ کوثر'' کا ذکر

اَحادیثِ شریفہ میں ''حوضِ کوثر'' کے بارے میں بہت سی تفصیلات ذکر فرمائی گئی ہیں۔

چناں چہ ایک روایت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''میدانِ حشر میں ہر نبی کا ایک حوض ہوگا، اور انبیاء اِس بات پر فخر کریں گے کہ اُن کے حوض پر کتنے لوگوں نے آکر پانی پیا؟ اور مجھے اُمید ہے کہ میرے حوض پر سب سے زیادہ لوگ آکر سیراب ہوں گے''۔ (ترمذی شریف/ ابواب صفۃ القیامۃ ۲/۷۰ حدیث: ۲۴۴۳)

نیز آپ نے یہ بھی اِرشاد فرمایا کہ: ''میرے حوض کی لمبائی چوڑائی ایک مہینے کی مسافت کی ہوگی (یعنی تقریباً ۸ ؍سو کلومیٹر کی لمبائی چوڑائی) اور اُس کا پانی چاندی سے زیادہ چمک دار اور اُس کی خوشبو مشک سے زیادہ شان دار ہوگی، اور اُس میں جو پانی پینے کے پیالے اور آب خورے ہوں گے، اُن کی تعداد ستاروں کی تعداد کے برابر ہوگی''۔ (یعنی اَن گنت ہوں گے) اور جو اُسے پی لے گا اُسے کبھی پیاس نہ لگے گی۔ (مسلم شریف ۲؍۲۴۹ حدیث: ۲۲۹۲)

اور ایک روایت میں ہے کہ: ''اُس کی سفیدی دودھ سے زیادہ ہوگی اور اُس کی مٹھاس شہد سے زیادہ ہوگی، اور اُس میں مسلسل دو پرنالے گر رہے ہوں گے، ایک پرنالہ سونے کا ہے، اور دوسرا چاندی کا ہے''۔ (یعنی پانی بالکل کم نہیں ہوگا، مسلسل پانی اُس میں دو پرنالوں کے ذریعہ آرہا ہوگا) (مسلم شریف ۲؍۲۵)

اُمتِ محمدیہ کی پہچان

جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''حوضِ کوثر'' کے بارے میں یہ تفصیلات بیان فرمائیں، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اُس کی طرف بہت رغبت پیدا ہوئی، مگر یہ سوال بھی دل میں پیدا ہوا کہ میدانِ حشر میں تو ہر نبی کے اُمتی ہوں گے، کروڑہا کروڑ لوگوں کا مجمع ہوگا، تو یہ کیسے پہچان ہوگی کہ یہ اُمتِ محمدیہ کا آدمی ہے اور یہ غیر اُمت کا؟

چناں چہ اُنہوں نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہی سوال کیا، تو پیغمبر علیہ السلام نے جواب دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ: ''تمہارا کیا خیال ہے؟ اگر کسی شخص کے ایسے گھوڑے ہوں جن کے ہاتھ پیر سفید اور چمک دار ہوں، پھر وہ بالکل سیاہ گھوڑوں کے ساتھ رَل مَل جائیں، تو کیا یہ آدمی دور سے اپنے گھوڑوں کو پہچان لے گا یا نہیں؟''

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ جی! ضرور پہچان لے گا (اِس لئے کہ اُس کے گھوڑوں کے اعضاء چمک دار ہیں)

تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ’’میری اُمت کے لوگ قیامت میں روشن اور چمک دار پیشانیوں کے ساتھ آئیں گے، اور میں حوضِ کوثر پر اُن کا منتظر ہوں گا‘‘۔ (مسلم شریف ۱/۱۲۷ حدیث: ۲۴۹)

تو گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے وضو کی عبادت میں ہماری ایک خاص پہچان بھی رکھی ہے، جس کا اظہار قیامت کے دن ہونے والا ہے؛ لہٰذا جو اہل ایمان اہتمام سے وضو کرنے والے ہیں، اور دیگر اعمال انجام دینے والے ہیں، وہ اِن شاء اللہ ’’حوضِ کوثر‘‘ پر ضرور حاضر ہوں گے، اور سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگرانی میں اُن کو ’’حوضِ کوثر‘‘ کا پانی پینے کی سعادت حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اِس سعادت سے بہرہ ور فرمائیں، آمین۔

بہرحال یہ اعلان کیا جارہا ہے کہ آپ اِن طعنہ دینے والوں کی طعنہ زنی سے دل برداشتہ نہ ہوں؛ اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ’’حوضِ کوثر‘‘ دے کر ’’سید الاولین والآخرین‘‘ بنایا ہے، جس سے کروڑہا کروڑ لوگ سیراب ہوں گے، اور جو خوش نصیب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن غلامی سے وابستہ ہیں، وہ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہیں گے، اور پیغمبر علیہ السلام کا نامِ نامی ہمیشہ روشن رہے گا، کسی کے مٹانے سے مٹ نہیں پائے گا۔ اِس کے برخلاف جو آپ کو طعنہ دینے والے ہیں، وہ خود ہی مٹ جائیں گے، اور اُن کا نام ونشان بھی تاریخ میں باقی نہ رہے گا۔

حوضِ کوثر سے دھتکارے جانے والے لوگ؟

اِسی ضمن میں ایک بات یہ بھی یاد رکھنی چاہئے کہ صحیح حدیث میں یہ مضمون وارد ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا کہ ’’میں حوضِ کوثر پر ہوں گا، اور میرے آس پاس حفاظتی فرشتے ہوں گے، جو غیروں کو وہاں آنے سے روک رہے ہوں گے، تو کچھ لوگوں کو وہ روکیں گے، اور مجھے ایسا محسوس ہوگا کہ گویا وہ میری اُمت کے آدمی ہیں، تو میں زور سے کہوں گا: ’’إِنَّهُمْ مِنِّي‘‘ (ارے یہ تو میرے لوگ ہیں) تو فرشتے جواب دیں گے کہ حضور! آپ کو علم نہیں ہے کہ آپ کے

بعد اُنہوں نے دین میں کیا تبدیلیاں کر دی تھیں (اِس لئے ہم اُنہیں روک رہے ہیں)

تو پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا یہ جواب سن کر میں بھی اُنہیں کہوں گا: ''سُحُقًا سُحُقًا لِمَنْ بَدَّلَ بَعْدِيْ'' (یعنی جنہوں نے دین میں تبدیلی کی وہ مجھ سے دور ہوں، دور ہوں)

(بخاری شریف حدیث:۷۰۵۱)

اِس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

''ہمارے معتبر علماء کی رائے یہ ہے کہ جو شخص بھی نعوذ باللہ دین سے ارتداد اختیار کرے گا یا دین میں کوئی نئی بدعت ایجاد کرے گا جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہ ہو، تو وہ قیامت کے روز حوضِ کوثر سے دھتکار دئے جانے والوں میں شامل ہوگا۔

اور اُن میں سب سے شدت کے ساتھ ہٹائے جانے والوں میں وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ڈالا ہوگا، اور اُن کے راستہ سے الگ راہ اختیار کی ہوگی، جیسے خوارج، رافضی، اور معتزلہ وغیرہ گمراہ فرقے؛ جنہوں نے دین کے اندر عقیدے اور عمل کے اعتبار سے تبدیلی کی کوشش کی۔

اِسی طرح وہ ظالم حکمراں بھی ''حوضِ کوثر'' سے دھتکارے جائیں گے جنہوں نے اہلِ حق کے ساتھ ظلم وناانصافی اور قتل وغارت گری کا معاملہ کیا ہوگا، اور وہ اپنی رعایا پر ظلم وستم میں حد سے تجاوز کر گئے ہوں گے۔

نیز وہ لوگ جو برسرِ عام معاصی اور منکرات میں مشغول ہوں گے، اور توبہ کئے بغیر دنیا سے رخصت ہوئے ہوں گے، وہ بھی حوضِ کوثر سے دور رکھے جائیں گے۔

پھر اگر وہ لوگ دین میں صرف عملی طور پر تبدیلی کے مرتکب ہوں گے، اور اُن کا عقیدہ کفر تک نہ پہنچا ہوگا، تو اُنہیں سزا کے بعد مغفرت نصیب ہوگی، اور وہ اِیمان کے اعتبار سے اگرچہ اعضاء کی روشنی سے پہچانے جائیں گے؛ لیکن بدعملی اور بدعقیدگی کی وجہ سے ابتداء اُنہیں دھتکار دیا جائے گا۔

لیکن جن لوگوں کے عقیدے ہی میں ناقابلِ تلافی فساد ہوگا، جیسے کہ دورِ نبوی کے پائے جانے والے منافقین - جو دل میں کفر چھپا کر محض زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے تھے- تو ایسے لوگوں کو کبھی بھی حوضِ کوثر سے سیرابی کا موقع فراہم نہ ہوگا۔ اَولاً اُن کی ظاہری صورت دیکھ کر اشتباہ ہوگا؛ لیکن حقیقت سامنے آنے اور پردہ فاش ہوجانے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم **"سُحقًا سُحقًا"** کہہ کر اُنہیں وہاں سے دھتکار دیں گے۔ العیاذ باللہ"۔ (تلخیص: التذکرہ فی احوال الموتی والآخرۃ ۳۵۲)

بہر حال اللہ تبارک وتعالیٰ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ حوضِ کوثر عطا فرمانے والے ہیں، جس کا پانی جو شخص ایک مرتبہ بھی پی لے گا، وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اور جو نہیں پیئے گا اُس کی پیاس کبھی نہ بجھے گی۔ (الترغیب والترہیب مکمل ص: ۷۵۰ رقم: ۵۴۲۰ بیت الافکار الدولیۃ)

اِس میں اِس جانب بھی اِشارہ ہے کہ اُسے جنت ضرور نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو پیغمبر علیہ السلام کے دست اقدس اور دست شفقت سے حوضِ کوثر کا پانی عطا فرمائیں، ہماری کوتاہیوں سے درگذر فرمائیں، اور ہزار کوتاہیوں کے باوجود اِس سعادت سے محروم نہ فرمائیں، آمین۔

نعمت کی شکر گذاری

تو جب آپ کو یہ نعمت عطا ہوئی اور اُس کے ساتھ بھی بے شمار نعمتیں نصیب ہوئیں، تو اَب آپ کا کیا فرض بنتا ہے؟ اِس کو دوسری آیت میں بتلایا گیا کہ ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ﴾ (یعنی آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے) یعنی مسلسل عبادات میں مشغول رہئے۔

اور ﴿وَانْحَرْ﴾ (یعنی قربانی کیجئے) اسلام میں "قربانی" ایک مستقل عبادت ہے، یعنی متعین وقت میں مخصوص جانوروں کو مخصوص شرائط کے ساتھ اللہ کا نام لے کر قربان کرنا۔ اس میں گوشت مقصود نہیں ہوتا؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جانور کا خون بہانا اصل مقصود ہوتا ہے، جو سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی یادگار ہے۔

تو فرمایا گیا کہ جب ہم نے آپ کو نعمتیں عطا کر رکھی ہیں، تو آپ پر اُن کی شکر گذاری لازم ہے۔

بہت سے علماء نے اس ﴿وَانۡحَرۡ﴾ کے لفظ سے قربانی کے وجوب پر بھی استدلال کیا ہے کہ آپ کے ذریعہ سے پوری اُمت کو حکم دیا جارہا ہے کہ جس کے اندر بھی وسعت ہو اور وہ ایامِ قربانی میں بقدرِ نصاب مال کا مالک ہو، تو اُسے اللہ کے دربار میں قربانی پیش کرنی چاہیئے۔

اُس کے بعد آخری آیت میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ﴾ (بے شک آپ کا دشمن ہی وہ ہے جس کی جڑ کٹی ہوئی ہے) یعنی اے پیغمبر! آپ ہرگز دل برداشتہ نہ ہوں، جو لوگ بھی آپ کے بارے میں ''ابتر'' ہونے کا طعنہ دے رہے ہیں، ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ آئندہ اُنہیں کا نام ونشان مٹ جائے گا، اور کوئی اُن کا اور اُن کے دین کا نام لیوا باقی نہ رہے گا۔

بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صلبی اَولادِ نرینہ باحیات نہیں رہی، اِس میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی حکمت ہے؛ کیوں کہ آپ ''خاتم النبیین'' ہیں، آپ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہوچکا ہے۔ اَب اگر آپ کی کوئی نرینہ اَولاد حیات رہتی، تو بہت ممکن تھا کہ بعد میں آنے والے عقیدت مند لوگ خواہ مخواہ اُن کے بارے میں نبی ہونے کا عقیدہ گڑھ لیتے، اِس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ سلسلہ ہی باقی نہیں رکھا۔

قرآنِ پاک میں صاف فرمادیا گیا: ﴿مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ﴾ [الأحزاب، جزء آیت:] (یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے باپ تو نہیں ہیں؛ لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے سلسلے کے ''خاتم'' ہیں)

گویا کہ اگرچہ آپ کی نرینہ صلبی اَولاد نہیں ہے؛ لیکن آپ کی روحانی اَولاد آپ کی اُمت کی شکل میں لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں تمام عالم میں بکھری پڑی ہے، اور میدانِ حشر میں جب آپ تشریف لائیں گے، تو اَربہا اَرب کا مجمع آپ کے اِردگرد ہوگا، تو وہ منظر دیکھنے کے لائق ہوگا، جب ہر شخص کی نظر آپ ہی کی جانب اُٹھ رہی ہوگی۔ اللہ اکبر کبیرا۔ صلی اللہ علیہ وسلم الف الف مرۃ۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ آپ کا ذکرِ مبارک ہر جگہ بلند ہوگا، آپ کا دین بر وبحر میں پھلے پھولے گا، اور پورے عالم میں اُس کی کرنیں اور روشنیاں پھیلیں

گی۔ اِس کے برخلاف آپ کی برائی کرنے والے ہر جگہ پر خائب وخاسر اور ناکام ونامراد ہوں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

تو اِس مختصر ترین سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی دی ہے اور آپ کو شکر گذاری اور عبادت گذاری کا حکم بھی دیا ہے۔ نیز آپ کے توسط سے اُمت کو بھی عبادت واِطاعت کی تاکید فرمائی ہے۔ اور ساتھ میں دشمنوں کے لئے تنبیہ اور وعید بھی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سچی پکی محبت عطا فرمائیں، آپ کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائیں، آپ کے طریقوں پر چلنا آسان فرمائیں اور ہر قسم کے شرور وفتن سے محفوظ رکھیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلۂ اِشاعت: (۳۲)

شرک سے مکمل برأت

(تفسیر ''سورۂ کافرون'')

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث و نائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مولوی) محمد شعیب بجنوری (دیوبند)

ناشر

المركز العلمی للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذّٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہیے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۳۲)

موضوعِ خطاب	:	شرک سے مکمل برأت (تفسیر ''سورۂ کافرون'')
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	مرادآباد
تاریخ	:	۳/۱/۱۴۴۲ھ مطابق ۲۳/۸/۲۰۲۰ء بروز اتوار
دورانیہ	:	۲۶/منٹ
جمع وضبط	:	(مولوی) محمد شعیب بجنوری (دیوبند)

الحمد للّٰہ رب العالمین، أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شریک له، وأشهد أن سیدنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلی اللّٰه تبارک وتعالیٰ علیه وعلیٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذریاتهٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ ﴿قُلْ یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ ○ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُد ○ وَلَآ اَنَا عَابِد مَّا عَبَدْتُّمْ ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ○ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ○﴾ صدق اللّٰه مولانا العلي العظیم

(ترجمہ: اے پیغمبر! آپ فرمادیجئے کہ اے منکرو!○ میں تمہارے معبودوں کونہیں پوجتا○ اورنہ تم اُس ذات کی عبادت کرتے ہوجس کا میں عبادت گذار ہوں ○ اور نہ میں کبھی بھی تمہارے معبودوں کو پوج سکتا ہوں ○ اور نہ تم میرے معبود کی عبادت کرنے کو تیار ہو ○ تم کو تمہاری راہ اور مجھ کومیری راہ○)

حضراتِ گرامی! اِس سورت کا نام ''سورۂ کافرون'' ہے، جو مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی، اور کل چھ آیات پر مشتمل ہے۔

اِس سورت کی فضیلت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُس کی تلاوت کو چوتھائی قرآنِ پاک پڑھنے کے برابر قرار دیا ہے۔ (ترمذی شریف ۱۱۷/۲ حدیث: ۲۸۹۴-۲۸۹۵)

گویا کہ جو شخص اِس سورت کو پڑھے گا اُس کو اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم کے ساڑھے سات پارے پڑھنے کا اِضافی ثواب عطا فرمائیں گے۔

اور بعض روایتوں میں یہ مضمون وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''جو شخص سونے سے پہلے ''سورۂ کافرون'' پڑھنے کا معمول بنائے گا، وہ کفر ونفاق اور شرک سے محفوظ رہے گا۔ (اِن شاء اللہ تعالیٰ) (ابوداؤد شریف ص: ۶۸۹ حدیث: ۵۰۵۵)

اِس لئے ہم سب کو اِس سورت کی تلاوت کا خاص اہتمام کرنا چاہئے۔

سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمولِ مبارک تھا کہ فجر اور مغرب کی سنتوں میں پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص یعنی ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھا کرتے تھے۔ (مسلم شریف ص: ۲۵۱ حدیث: ۷۲۶، ترمذی شریف ۹۸/۱ حدیث: ۴۳۱)

نیز حج اور عمرہ میں احرام باندھتے وقت جو نفل پڑھی جاتی ہے اُس میں بھی اِنہی دونوں سورتوں کا پڑھنا اَحادیث شریفہ سے ثابت ہے۔ (ترمذی شریف ۱۷۵/۱ حدیث: ۸۶۹)

لہٰذا اگر ہم معنی کے استحضار کے ساتھ اِن سورتوں کو پڑھیں گے تو اِیمان میں تازگی پیدا ہوگی، اور شرک وکفر کے جراثیم سے اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھیں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

شانِ نزول

مفسرین نے لکھا ہے کہ اِس سورت کا شانِ نزول یہ ہے کہ مکہ معظّمہ کے کچھ سردار (جن میں ولید ابن المغیرہ اور عاص ابن وائل پیش پیش تھے) پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آئے، اور یہ پیش کش کی کہ ہمیں آپس میں صلح کر لینی چاہئے کہ ایک سال آپ ہمارے بتوں کی عبادت کرلیا کریں، اور اگلے سال ہم آپ کے رب یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے، تو اِس طریقے پر دونوں طرف سے توازن برقرار رہے گا۔ (تفسیر ابن کثیر ۵۰۷/۸ دار طیبہ للنشر والتوزیع ریاض)

اور بعض روایتوں میں ہے کہ اُن لوگوں نے پیغمبر علیہ السلام سے یہ کہا کہ آپ ہم سے جتنا چاہیں مال واَسباب لے لیں؛ لیکن آپ ہمارے معبودوں کے بارے میں کوئی تبصرہ نہ کیا کریں؛ گویا شرک کی مخالفت نہ کریں۔ (الدر المنثور ۸/۶۵۴ دار الفکر بیروت)

اور بعض روایتوں میں یہ ہے کہ اُنھوں نے یہ درخواست کی کہ پیغمبر علیہ السلام ہمارے بتوں کو صرف ہاتھ لگا دیں، تو ہم آپ ہی کے طریقے پر عبادت کرنے لگ جائیں گے۔ (الدر المنثور ۸/۶۵۵ دار الفکر بیروت، تفسیر قرطبی ۲۲/۵۳۳ مؤسسۃ الرسالۃ)

مشرکین کے اِس طرح کے مطالبات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح ترین سورت نازل فرمائی، جس میں بہت تاکید کے ساتھ یہ بات کھول کر بیان کردی گئی کہ اِسلام ایک مستقل، کامل اور مکمل دین ہے، جس میں کوئی لوچ لپک نہیں ہے۔

عقیدۂ توحید

اِسلام کا بنیادی عقیدہ ''توحید'' ہے، جس میں ذرہ برابر بھی ''شرک'' کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اِس لئے اِس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ اعلان کروادیا کہ ''توحید'' کے معاملے میں کسی طرح کی کوئی مصالحت نہیں ہوسکتی۔

مسلمان اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیں ہیں، اور کرتے رہیں گے۔ اور اُنھوں نے معبودانِ باطلہ کی عبادت نہ کبھی پہلے کی ہے نہ آئندہ کریں گے، اِس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔

گویا کہ اِس سورت کے ذریعہ دنیا کو ایک واضح پیغام دے دیا گیا کہ دین کے معاملے میں کسی طرح کی بھی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا جانا چاہئے۔

لہٰذا جو احکامات اللہ وتبارک وتعالیٰ کی طرف سے ثابت شدہ ہوں، اُنہیں حقیر مفادات کے لئے ہرگز پس پشت نہیں ڈالا جائے گا۔ یہی اِس سورتِ مبارکہ کا سب سے اہم پیغام ہے۔

چناں چہ فرمایا گیا کہ ﴿قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ○ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ﴾ (یعنی آپ تمام کافروں سے مخاطب ہوکر فرمادیجئے کہ جن معبودوں کو تم پوجتے

ہو، میں ہرگز اُن کی عبادت نہیں کرسکتا، اور (یہ بھی واضح کردیجئے کہ تم جو اِس وقت صلح ومصالحت کی باتیں کر رہے ہو، یہ صرف زبانی جمع خرچ ہے، حقیقت یہ ہے کہ) تم میرے معبود (اللہ رب العالمین) کی عبادت بھی اُس طریقے پر نہیں کرسکتے جیسی کرنی چاہئے)

کیوں کہ یہ مشرکین بھی فی الجملہ اللہ کو مانتے تھے اور برے وقت میں اُسی کو پکارا بھی کرتے تھے؛ لیکن خرابی یہ تھی کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک مانتے تھے؛ پس اِس بدعقیدگی کے ساتھ اُن کی ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت معتبر نہیں ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت تو صحیح معنی میں جب ہی ہوسکتی ہے جب کہ آدمی دائرۂ اِسلام میں داخل ہوجائے، کلمہ طیبہ پڑھ لے، اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت پر کامل یقین کرکے آپ ہی کے بتائے ہوئے طریقے پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت بجالائے۔

اِس لئے صاف اور دوٹوک اعلان کروادیا گیا کہ عبادت کے بارے میں کوئی مصالحت نہیں ہوسکتی؛ اِس لئے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی وجہ اشتراک نہیں پائی جارہی ہے۔

اُس کے بعد پھر دہرایا گیا کہ: ﴿وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ﴾ (یعنی آپ پھر اعلان فرمایئے کہ نہ تو میں تمہارے معبودوں کی کبھی عبادت کروں گا، اور نہ تم اُس ذات کی عبادت کروگے جس کی میں عبادت کرتا ہوں)

جملوں کے تکرار کی وجہ

یہاں پر حضرات مفسرین نے یہ بحث فرمائی ہے کہ اِس سورت میں ایک ہی طرح کے جملے دومرتبہ کیوں لائے گئے ہیں؟ اُن کا کیا مقصد ہے؟ تو اِس سلسلے میں تین باتیں معروف ہیں:

(۱) بعض حضرات نے فرمایا کہ تاکید کے لئے دومرتبہ یہ جملے لائے گئے، اور کسی اہم بات کو دل میں راسخ کرنے کے لئے جملوں کا تکرار معیوب نہیں ہے۔ (تفسیر قرطبی ۲۲/۵۳۴-۵۳۵ الرسالۃ)

(۲) اور حضرت اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ توجیہ منقول ہے کہ درحقیقت اِن جملوں میں تکرار نہیں ہے؛ بایں طور کہ پہلے جملوں کا تعلق زمانۂ ماضی اور حال سے ہے کہ میں نے نہ تو زمانۂ

ماضی میں تمہارے معبودوں کی عبادت کی ہے اور نہ موجودہ زمانے میں عبادت کررہا ہوں، اور نہ تم نے ایسا کیا ہے، اور نہ کررہے ہو۔ اور بعد والے جملوں کا تعلق زمانۂ مستقبل سے ہے، یعنی آئندہ بھی ایسا نہیں ہوگا۔ تو اَب اِس توجیہ کے اعتبار سے تکرار نہیں رہا، اور بات بالکل واضح ہوگئی۔ (بخاری شریف، کتاب التفسیر/ سورۃ الکافرون ۲/ ۷۴۲، تفسیر قرطبی ۲۲/ ۵۳۷)

اور اِس مفہوم کو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے بہت جامع انداز میں اِن اَلفاظ میں پیش فرمایا ہے کہ: ''میں موحد ہوکر شریک نہیں کرسکتا؛ نہ اَب، نہ آئندہ۔ اور تم مشرک ہوکر موحد قرار نہیں دیے جاسکتے؛ نہ اَب، نہ آئندہ۔ یعنی توحید وشرک میں جمع نہیں ہوسکتے الخ''۔ (بیان القرآن مکمل ۲/ ۷۸۰)

(۳) اور تیسری توجیہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں نقل فرمائی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے جملوں کا تعلق معبودوں سے ہے، یعنی جب آپ نے یہ فرمایا کہ: ﴿لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ تو یہ ما موصولہ ''الذي'' کے معنی میں ہے، یعنی ''جن معبودوں کی تم پوجا کرتے ہو میں اُن کی عبادت نہیں کروں گا''، تو یہاں معبودوں سے عبادت کی نفی ہے۔

اور جو اگلا جملہ ہے: ﴿وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ﴾ اِس میں ما موصولہ نہیں بلکہ مصدریہ ہے۔ جس کا مطلب یہ نکلے گا کہ ''تمہارے عبادت کے جو طریقے ہیں، میں اُن کے مطابق عبادت نہیں کروں گا''۔ (تفسیر ابن کثیر ۸/ ۵۰۷ دار طیبہ للنشر والتوزیع ریاض)

پس خلاصہ یہ نکلا کہ جب مشرکین کے معبود بھی الگ ہیں، اور اُن کی عبادت کے طریقے بھی اسلام سے جداگانہ ہیں، تو اُن کے ساتھ ہمارا کوئی مذہبی جوڑ نہیں ہے؛ لہٰذا اِس بارے میں مصالحت کا کوئی سوال نہیں۔ تو اِس تفسیر کے اعتبار سے بھی دونوں جملوں میں تکرار نہیں رہا، اور ہر جملے کے اپنے مستقل معنی ہوگئے۔

﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ کا مطلب

اور آخر میں فرمایا گیا: ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ (یعنی تمہیں اپنا مذہب اچھا لگتا ہو تو

لگا کرے میرے لئے تو میرا دین ہی (سب سے بڑا سرمایہ) ہے)

اِس جملے کے مفسرین نے دو مطلب بیان فرمائے ہیں:

(۱) بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں ''دین'' جزا کے معنی میں ہے، یعنی تم اپنے انجام کو بھگتو گے اور ہم اپنے انجام کو پہنچیں گے؛ گویا کہ ہر ایک کو اپنے اپنے اَعمال کا بدلہ ملنے والا ہے، تو یہ بات تو بالکل بے غبار ہے، اور قرآنِ کریم میں جا بجا اِس کی وضاحت کی گئی ہے کہ آدمی کو اپنے اچھے یا برے عمل کا بدلہ ملے گا۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنے ترجمہ میں اسی مطلب کو اختیار فرمایا ہے۔ (بیان القرآن ۲/۷۷۹)

(۲) اور اِس آیت کا دوسرا مطلب جو بکثرت لوگوں کی زبان پر رہتا ہے کہ؛ وہ یہ ہے کہ ''تمہیں تمہارا دین مبارک اور ہمیں اپنا دین پسند ہے''۔ یعنی تم اپنے دین پر چلتے رہو ہم اپنے دین اور شریعت پر چلیں گے۔

ایک شبہ کا اِزالہ

مگر یہ واضح رہے کہ یہ بات مطلق نہیں کہی جا رہی؛ بلکہ مشرکین کی طرف سے دین کے بارے میں صلح اور نرمی کے جواب میں ''بطور برأت'' کہی گئی ہے کہ ہمارا تمہارا کوئی جوڑ نہیں ہے، تم اگر ہماری بات نہیں مانتے تو اپنا کام کرو، ہم سے کوئی اُمید نہ رکھو۔

یہی بات قرآنِ کریم میں دوسری جگہ اِس طرح اِرشاد فرمائی گئی:

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْئُوْنَ مِمَّا اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ. (یونس: ٤١)

پس اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو آپ اِرشاد فرمادیجئے کہ میرے لئے میرا کام، اور تمہارے لئے تمہارا کام۔ میرے کاموں کے تم ذمہ دار نہیں، اور میں (بھی) تمہارے کاموں سے بری ہوں۔

نیز اِرشادِ خداوندی ہے:

قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلاً. (الإسراء: ٨٤)

آپ فرما دیجئے کہ ہر شخص اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے، سو تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ سیدھے راستے پر ہے۔

اِن آیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آیت: ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ سے مراد دیگر مذہب والوں کو اپنے طریقے پر عبادت کرنے کی شرعی اِجازت دینا نہیں ہے؛ بلکہ یہ دراصل ایک تنبیہی جملہ ہے، یعنی دنیا میں جو چاہو کرلو، آخرت میں اپنی بدعقیدگی اور بدعملی کا انجام بھگتنا پڑے گا؛ جیسا کہ سورۂ کہف میں فرمایا گیا:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ، اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا، وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ، بِئْسَ الشَّرَابُ، وَسَآئَتْ مُرْتَفَقًا. (الكهف: ٢٩)

اور آپ فرما دیجئے کہ سچی بات تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر پر رہے، ہم نے گنہگاروں کے لئے ایسی آگ تیار کررکھی ہے، جس کی قناتیں اُن (کفار) کو گھیر رہی ہیں، اور اگر وہ فریاد کریں گے، تو اُنہیں پیپ جیسا پانی دیا جائے گا، جو چہروں کو جھلسا دے گا، کیا ہی برا پینا ہے، اور وہ بہت بری آرام کی جگہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ آیت: ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ کا یہ مطلب نہیں لیا جائے گا کہ اِسلام نعوذ باللہ عبادت کے ہر طریقے کو اختیار کرنے پر راضی ہے، اور کسی طریقے پر اِسلام کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ (جیسا کہ ’’وحدتِ اَدیان‘‘ کا عقیدہ رکھنے والوں کا دعویٰ ہے)

کیوں کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ حق اور باطل دونوں کے ساتھ اللہ کی رضا شامل ہوجائے؛ اِس لئے کہ حق؛ حق ہے اور باطل؛ باطل ہے۔ لہٰذا اِس آیت مبارکہ سے دیگر اَدیان کے حق ہونے پر دلیل قائم نہیں کی جاسکتی؛ بلکہ دین کے تحفظ کے لئے حق وباطل کے درمیان امتیاز لازم ہے۔

اور مذکورہ تفسیر کے اعتبار سے یہ آیت اپنی جگہ پر محکم ہے، اِس کو ’’آیتِ جہاد‘‘ سے منسوخ ماننے کا نظریہ صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ توحید وشرک میں اِشتراک کا اِسلام میں کبھی تصور نہیں رہا ہے۔

(تفسیر عزیزی ص:۶۶۸ کتب خانہ فیض ابرار اِنکلیشور گجرات)

بہر حال اِس سورت کے بنیادی مضامین کو ہمیں پیش نظر رکھتے ہوئے ہر طرح کے شرک اور اُس کے اثرات وجراثیم سے اپنے اور اپنے معاشرے کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو کامل ایمان یقین عطا فرمائیں، ایمان پر استقامت عطا فرمائیں، ہر طرح کے شکوک وشبہات، شرک اور اُس کے جراثیم کے اثرات سے ہماری اور پوری امت کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۳۳)

فتح ونصرت پر شکرگذاری کا حکم

(تفسیر ''سورۂ نصر'')

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مولوی) محمد شعیب بجنوری (دیوبند)

ناشر

المرکز العلمی للنشر والتحقیق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ. [الذّٰريٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۳۳)

- موضوعِ خطاب : فتح ونصرت پر شکر گذاری کا حکم (تفسیر ''سورۂ نصر'')
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : مرادآباد
- تاریخ : ۱۴۴۲/۱/۱۰ھ مطابق ۲۰۲۰/۸/۳۰ء بروز اتوار
- دورانیہ : ۲۷/منٹ
- جمع وضبط : (مولوی) محمد شعیب بجنوری (دیوبند)

الحمد للّٰه رب العالمين، أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريک له، وأشهد أن سيدنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارک وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارک وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ○﴾ صدق اللّٰه مولانا العلي العظيم

(ترجمہ:- جب اللہ کی مدد آ چکی اور (مکہ کی) فتح ہوگئی ○ اور آپ نے لوگوں کو فوج درفوج اللہ کے دین میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا ○ تو اَب آپ اپنے رب کی تسبیح وتحمید میں مشغول رہیے اور اُس سے بخشش طلب کیجیے، بے شک وہ بہت معاف کرنے والا ہے ○)

حضراتِ گرامی! اِس سورت کا نام ''سورۂ نصر'' ہے، جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، اور صرف تین آیتوں پر مشتمل ہے۔

اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ قرآنِ پاک کی سورتوں میں سب سے آخر میں اِسی سورت کا

نزول ہوا، یعنی اِس کے بعد چند آیات تو نازل ہوئیں؛ لیکن سب سے آخر میں نازل ہونے والی مکمل سورت ''سورۂ نصر'' ہے۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ص: ۱۴۶۸)

پیغمبر علیہ السلام کی وفات کا اِشارہ

روایت ہے کہ جب ''سورۂ نصر'' نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی خاتونِ جنت حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور اُن سے فرمایا کہ ''میری وفات کی خبر آ چکی ہے''۔

یہ بات سن کر سیدتنا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت رونے لگیں، تو پیغمبر علیہ السلام نے اُن سے کچھ اِرشاد فرمایا، جس سے آپ مسکرانے لگیں۔

بعد میں پوچھنے پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اَولاً اپنی وفات کی خبر دی تھی، جسے سن کر میں رونے لگی تھی۔

اُس کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا کہ ''میرے گھر والوں میں تم ہی سب سے پہلے مجھ سے آ کر ملوگی''، تو یہ سن کر مجھے قدرے اطمینان ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ص: ۱۴۶۷)

چناں چہ سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے چھ مہینے کے بعد اہل بیت میں سب سے پہلے سیدتنا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

اِس سورت کے نازل ہونے کے ۷۰/دن کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کا سانحہ پیش آیا۔ (تفسیر کبیر للرازی ۱۵۶/۱۶ دار الفکر بیروت)

بعض روایات میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ بے اختیار رو پڑے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا اور فرمایا: ''مَا يُبْكِيكَ يَا عَمِّ؟'' (چچا جان آپ کیوں رو رہے ہیں؟) تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''اِس سورت میں (فتح ونصرت کے ساتھ ساتھ) آپ کی وفات کی بھی خبر دی گئی ہے''۔ چناں چہ پیغمبر علیہ السلام نے

اُن کی بات کی تائید فرمائی۔ (تفسیر قرطبی ۲۰۶/۱۰)

اور ایک روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دورِ خلافت میں سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو- جن کا شمار اُس وقت کم عمر صحابہ میں تھا - اپنی مجلس میں قریب بٹھایا کرتے تھے، تو بعض بڑی عمر والے لوگوں کو کچھ اشکال ہوا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے محسوس کرلیا؛ چناں چہ ایک مرتبہ آپ نے مجلس میں بطور امتحان لوگوں سے یہ سوال پوچھا کہ ''سورۂ نصر'' سے کیا مفہوم نکلتا ہے؟ تو حاضرین مجلس نے مختلف جوابات دیئے، کسی نے کہا کہ اِس میں اللہ کی نصرت اور فتح مکہ کا تذکرہ ہے، اور کسی نے کہا کہ اِس میں اُمت کو تسبیح وتحمید کی تعلیم دی گئی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

جب سب لوگ اپنی بات کہہ چکے تو سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف توجہ فرما کر پوچھا کہ ''صاحبزادے! اِس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جواب دیا کہ ''اِس سورت میں دراصل حضور اکرم علیہ السلام کی وفات کی خبر دی جارہی ہے''۔

یہ جواب سن کر سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شاباشی دی، اور فرمایا کہ ''بلا شبہ اِس بارے میں میرا بھی وہی خیال ہے جو تم نے کہا ہے''۔ (مستفاد: تفسیر ابن کثیر مکمل ص: ۱۴۶۷)

الغرض یہ سورت قرآنِ کریم کی آخری سورتوں میں سے ہے، جس میں خاص طور پر نصرت اور فتح کی بات کہی گئی ہے۔

فتح ونصرت کے مناظر

اِس مبارک سورت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے مظاہر آپ کے سامنے آچکے ہیں، جس کا خاص پہلو یہ ہے کہ مکہ معظّمہ (جو مشرکین کا مرکز تھا وہ) بھی فتح ہوچکا ہے۔

یہ وہی مکہ ہے جہاں سے آپ کو مجبوراً ہجرت کرنی پڑی تھی، اور یہاں کے لوگ آپ کے جانی دشمن بن گئے تھے، قدم قدم پر رکاوٹیں، اَذیتیں اور تکلیفیں آپ کو اُٹھانی پڑی تھیں۔

اور بظاہر جس وقت آپ نے ہجرت فرمائی اِس بات کا کوئی تصور نہ تھا کہ قریبی زمانے میں مکہ معظّمہ کو اِسلام کے ماتحت لایا جاسکتا ہے، اُس وقت وہاں بڑے کٹر قسم کے کفار کا غلبہ تھا۔

مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد اور نصرت قدم قدم پر آپ علیہ السلام کے ساتھ رہی۔ اور صرف آٹھ سال کی مدت میں دنیا نے یہ منظر دیکھا کہ جس مکہ معظّمہ سے بے سروسامانی کے عالم میں بادلِ ناخواستہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تھی، وہیں پر آپ پورے جاہ وجلال اور شان وشوکت کے ساتھ فاتحانہ داخل ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم الشان فتح نصیب فرمائی۔

اور اِسلام کا پھریرا یہاں لہرانے لگا۔

اور جو جگہ شرک کا مرکز تھی وہ پھر توحید کا سرچشمہ بن گئی۔

کلمہ طیبہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی خوش کن آوازیں گھر گھر سے آنے لگیں۔

اور ہر چہار جانب سے قافلے در قافلے اِسلام کے آغوش میں آتے چلے گئے۔

حتیٰ کہ وہ لوگ جو اِسلام کے کٹر دشمن تھے، جن کے سامنے اِسلام کا نام لینا بھی مشکل تھا وہ خود ہی اِسلام کے فدائی اور جانثار بن گئے، اور دین حق کا غلغلہ ہر چہار جانب بلند ہونے لگا۔

گویا کہ بعثتِ محمدی کے جو مقاصد تھے وہ پورے ہوگئے، اور جو مشن آپ علیہ السلام لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے وہ کامل اور مکمل ہوگیا، اور دین کے تمام شعبے منظّم اور مربوط ہوگئے۔

نصرت اور فتح کا آپسی ربط

مفسر کبیر، مسند الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تفسیر عزیزی'' میں لکھا ہے کہ ''نصر وفتح'' کی یہ ترتیب فطری اور واقعی ہے؛ کیوں کہ پہلے نصرت ہوئی اُس کے بعد مکہ معظّمہ کی فتح نصیب ہوئی۔

اِس کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ دنیا کے اندر آدمی کو راہِ حق پر چلنے میں چار چیزیں سب سے بڑی رکاوٹ بنتی ہیں:

(۱) نفس (۲) شیطان (۳) کفار (۴) منافقین۔

نفسِ انسانی آدمی کو شہوات اور لذات کی طرف متوجہ کرتا ہے۔
اور شیطان تو ہے ہی انسان کا دشمن، وہ جتنی بھی برائی کرا دے وہ کم ہی کم ہے۔
اِسی طرح کفار کو غلبہ حاصل ہو تو وہ بھی اکثر دین کے راستے میں حارج ہوتے ہیں۔
اور منافقین جو بظاہر اپنے کو مسلمان کہتے ہیں؛ لیکن کام سارا کافروں کی حمایت کا کرتے ہیں۔
یہ چار عناصر راہِ حق میں رکاوٹ بننے میں سب سے زیادہ سامنے آتے ہیں۔
تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے اِن چاروں عناصر کو ختم کرنے میں نصرت شامل رہی، وہ اِس طرح کہ:

الف:- ذکرِ خداوندی سے نفس پر فتح حاصل ہوئی۔
ب:- ورع وتقویٰ کی توفیق سے شیطان پر فتح حاصل ہوئی۔
ج:- جہاد کے ذریعہ سے کفار پر فتح حاصل ہوئی۔
د:- اور قوتِ دلیل کے ذریعہ سے منافقین اور ملحدین پر غلبہ ملا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ نصرتِ خداوندی پہلے ہے اور فتوحات کا وقوع بعد میں ہے۔ (تلخیص: تفسیر عزیزی ۶۶۹)

تسبیح وتحمید کا حکم

تو درج بالا کامیابیوں کے بعد یہ اِشارہ فرمایا گیا کہ اَب چوں کہ آپ علیہ السلام کے دنیا سے پردہ فرمانے کا وقت قریب آچکا ہے، اِس لئے آپ کو چاہئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثناء اور استغفار میں بکثرت مشغول رہیں۔

چناں چہ اِس سورت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید میں لگے رہتے تھے، اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ہر حالت میں ’’سبحان اللہ وبحمدہٖ‘‘ اور ’’استغفر اللہ‘‘ کے کلمات آپ کی زبانِ مبارک پر جاری رہتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ص: ۱۴۶۸)

اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ’’سورۂ نصر کے نزول

کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر نماز میں یہ کلمات ضرور پڑھا کرتے تھے: "**سُبحَانَکَ رَبَّنَا وَبِحَمدِکَ اَللّٰهُمَّ اغفِرلِي**". (صحيح البخاري، كتاب التفسير / سورة: اذا جاء نصر الله رقم: ٤٩٦٧) (اے ہمارے رب! آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے، اور ہم آپ کی حمد کرتے ہیں، اے اللہ! میری مغفرت فرمائیے)

ایک سوال اور اُس کا جواب

اَب یہاں ایک مشہور سوال یہ ہے کہ جب پیغمبر علیہ السلام غلطیوں سے معصوم ہیں، تو آپ کو استغفار کا حکم کیوں دیا گیا؟ تو اِس کی توجیہ کرتے ہوئے حضرت اِمام رازیؒ نے چند نکات پیش فرمائے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) آپ علیہ السلام کا استغفار فرمانا دراصل ذکر اور تسبیح کے معنی میں ہے؛ کیوں کہ اِس میں اللہ تعالیٰ کی صفت "غفار" کا ذکر کیا جارہا ہے۔

(۲) آپ کا استغفار ایک مستقل عبادت کے طور پر ہے، اور اِس بات کا اظہار ہے کہ مخلوق میں کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کا کامل حق اَدا نہیں کرسکتا۔ نیز اِس میں اُمت کے لئے عبرت اور نصیحت بھی ہے کہ جب پیغمبر علیہ السلام عبادات میں نہایت محنت اور مشقت کے باوجود استغفار سے مستغنی نہیں، تو دوسرے لوگ کیسے مستغنی ہوسکتے ہیں؟

(۳) یہ استغفار گناہوں پر نہیں؛ بلکہ خلافِ اولیٰ باتوں پر ہے، جن کا صدور حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان کے منافی نہیں ہے۔

(۴) یہ استغفار اِس بنیاد پر ہے کہ جب بھی بندے کے اعمالِ حسنہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے احسانات جلیلہ کے مقابلہ میں رکھا جائے گا، تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ یہ اعمال نعمتوں کے مقابلے میں کافی نہیں ہیں، اِس لئے اظہار عاجزی کے طور پر استغفار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۵) اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے درجات لامتناہی ہیں، جب بھی سالک ایک مقام پر پہنچ کر آگے بڑھتا ہے، تو اُسے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے قصور کا احساس ہوتا

ہے، جس کی بنا پر اُس کی زبان پر استغفار کے کلمات جاری ہو جاتے ہیں۔

نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استغفار فرمانا صرف اپنے ہی لئے نہ تھا؛ بلکہ پوری اُمت کے اہل ایمان کے لئے بھی تھا، جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا گیا: ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ تو جب اُمت کی کثرت ہوئی اور لوگ فوج درفوج دین میں داخل ہونے لگے تو اِس اعتبار سے استغفار کی کثرت کی بھی ضرورت پیش آئی۔

(مستفاد: تفسیر کبیر للامام الرازیؒ ج:۱۶ جزء:۳۲/۱۶۳ دار الفکر بیروت)

اپنی محنت پر بھروسہ نہ کریں

اِس سے یہ بھی پیغام ملا کہ کسی کو اپنی محنت پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے؛ بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ ہر کام کو صحیح انجام تک پہنچانے کے لئے نصرتِ خداوندی لازم ہے، اِس کے بغیر کچھ ہونے والا نہیں ہے۔

اِس لئے فرمایا جارہا ہے: ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ (یعنی جب اللہ کی مدد آچکی اور مکہ فتح ہو چکا)

﴿وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ (یعنی آپ لوگوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ فوج درفوج دین میں داخل ہو رہے ہیں)

وجہ یہ تھی کہ قریش کا دبدبہ اہل عرب پر بہت تھا، اِسی لئے فتح مکہ سے قبل بہت سے قبیلے والے اِسلام کو حق جاننے کے باوجود اُس کا اظہار کرتے ہوئے گھبراتے تھے، اور قریش کی طرف سے اَذیت رسانی کا خطرہ محسوس کرتے تھے؛ لیکن جب مکہ فتح ہوگیا تو لوگوں کی ہچکچاہٹ ختم ہوگئی، اور بڑی تعداد میں ہر طرف کے لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے، اور ہر جانب سے حق کے متلاشی قبائل کے وفود آنے شروع ہوگئے؛ گویا کہ بعثت محمدی کا مشن اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ص:۱۴۶۸ دار السلام ریاض)

اِسی لئے آگے حکم دیا گیا:

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾ (یعنی اَب آپ اپنے رب کی

خوبیاں اور پاکیاں خوب بیان کیجئے! اور اُس سے استغفار کیجئے، بے شک وہ بہت معاف کرنے والا ہے) یعنی اپنے ساتھ ساتھ اُمت کے لئے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ سے مغفرت طلب فرمایئے۔

خاص نصیحت

اِس سے خصوصی طور پر یہ نصیحت ملی کہ جب آدمی کی عمر زیادہ ہو جائے، اور قرائن سے ایسا نظر آنے لگے کہ اَب دنیا سے جانے کا وقت بہت قریب آچکا ہے، تو اَب اُسے اپنی زبان اور دل ودماغ کو پوری طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثناء اور توبہ واستغفار میں مشغول کردینا چاہئے۔

گویا کہ جو حکم یہاں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب بنا کر دیا گیا ہے، وہ آپ کے واسطے سے پوری اُمت کے ہر فرد کو دیا جارہا ہے۔

اِس لئے کہ حسن خاتمہ سب سے بڑی چیز ہے۔

ہر شخص کو یہ فکر ہونی چاہئے کہ اُس کی موت بہر حال دینی اعتبار سے اچھی حالت میں ہی آئے۔

بریں بنا اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثناء کے ساتھ ساتھ اپنی کوتاہیوں پر شرمندگی اور استغفار کا بہت اہتمام کرنا چاہئے۔ مثلاً:

"سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ" کی کم از کم ایک تسبیح ہر روز پڑھ لی جائے۔

اِسی طرح "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ" کا معنی کا استحضار کرتے ہوئے ورد رکھا جائے۔

یہ ہم سب کے لئے خیر وبرکت کی بات ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو خاتمہ بالخیر کی دولت سے سرفراز فرمائیں، اور ہر قسم کے شرور وفتن سے ہماری اور پوری اُمت کی حفاظت فرمائیں، اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت فرمائی اور فتح سے نوازا، ہمیں بھی اپنی خاص نصرت اور فتوحات سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اشاعت: (۳۴)

گستاخِ رسالت کا بدترین انجام

(تفسیر ''سورۂ لہب'')

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث و نائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مولوی) محمد شعیب بجنوری (دیوبند)

ناشر

المرکز العلمی للنشر والتحقیق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ. [الذٰريٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہیے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اشاعت: (۳۴)

○ موضوعِ خطاب	:	گستاخِ رسالت کا بدترین انجام (تفسیر ''سورۂ لہب'')
○ خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
○ مقام	:	مرادآباد
○ تاریخ	:	۱۷/۱/۱۴۴۲ھ مطابق ۶/۹/۲۰۲۰ء بروز اتوار
○ دورانیہ	:	۲۶/منٹ
○ جمع وضبط	:	(مولوی) محمد شعیب بجنوری (دیوبند)

الحمد للّٰہ رب العالمین، أشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، وأشھد أن سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تبارک وتعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ وذریاتہٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا، أما بعد. فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ○ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ ﴿تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ○ مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ○ سَیَصۡلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ وَّامۡرَاَتُهٗ○ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ○ فِیۡ جِیۡدِهَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ﴾ صدق اللّٰہ مولانا العلي العظیم

(ترجمہ:- ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود بھی ٹوٹ گیا○ اُس کو کچھ بھی کام نہ آیا اس کا مال اور کمایا ہوا سامان ○ عنقریب وہ لپٹیں مارتی آگ میں پڑے گا۔ اور اُس کی بیوی (بھی اُس کے ساتھ جائے گی)○ جو ایندھن سر پر اُٹھانے والی ہے ○ اُس کی گردن میں مونجھ کی بٹی ہوئی رسی ہے ○)

حضراتِ گرامی! یہ ''سورۂ لہب'' ہے، جو مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی، اور پانچ آیتوں پر مشتمل ہے۔

اِس سورت میں ایک انتہائی ضدی اور معاند دشمنِ اسلام ''ابولہب'' اور اُس کی انتہائی

نامعقول فتنہ پرور بیوی کے برے انجام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اِس ضمن میں بہت سی عبرت کی باتیں سامنے آتی ہیں۔

ابولہب کی بدترین گستاخی

جس کا پسِ منظر یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو دین کی دعوت پیش کریں اور اُنہیں آخرت کے عذاب سے ڈرائیں۔

چناں چہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ﴾ [الشعراء: ٢١٤] (اور آپ ڈرسنایئے اپنے قریبی رشتہ داروں کو)

چناں چہ آپ نے اُس کا یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ آپ کعبۂ مشرفہ کے قریب صفا پہاڑی پر تشریف لے گئے، اور وہاں جاکر آپ نے نام بنام قبیلے والوں کو بلانا شروع کیا۔ اُس زمانے میں کسی اہم بات کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے یہی صورت اپنائی جاتی تھی۔

بہرحال آپ کی بات سن کر لوگ پہاڑی کے نیچے اکھٹے ہونے لگے، جب سب لوگ جمع ہوگئے، تو آپ نے اُن سے پوچھا کہ: ''اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ اِس پہاڑی کے پیچھے ایک دشمن ہے جو تم پر حملہ کرنے کے لئے پر تول رہا ہے، اور صبح شام میں تم پر حملہ کردے گا، تو تم میری بات پر یقین کروگے یا نہیں؟''

تو سب لوگوں نے بیک آواز یہ جواب دیا کہ: ''مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا'' (یعنی ہم نے آپ سے سچ کے علاوہ کسی بات کا تجربہ نہیں کیا)

گویا آپ نے ہمیشہ سچی بات ہی کہی ہے، اِس لئے ہم آپ کی بات پر ضرور یقین کرلیں گے۔ جب سب نے آپ کی صداقت کا اِقرار کرلیا تو آپ نے اپنا مدعا پیش فرمایا کہ ''میں تمہیں اللہ کے شدید عذاب سے ڈراتا ہوں''۔

تو اُس مجمع کے اندر آپ کا سگا چچا ''ابولہب'' بھی تھا (جس کا اصل نام ''عبدالعزیٰ'' تھا)

اُس نے آپ کی بات سن کر بڑی جھنجلاہٹ کے ساتھ دونوں ہاتھوں کو جھٹک کر یہ کہا: ’’**تَبًّا لَکَ سَائِرَ الْیَوْمِ، أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا**‘‘ (دن بھر تمہارا ناس ہو، کیا تم نے ہمیں اِسی مقصد سے یہاں جمع کیا تھا؟) تو اِسی موقع پر ’’سورۂ لہب‘‘ نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری/کتاب التفسیر حدیث: ۴۷۷۰)

مشہور ہے کہ ’’ابولہب‘‘ بڑا گورا چٹا تھا۔ عربی زبان میں ’’لہب‘‘ کے معنی ’’چمک دار شعلے‘‘ کے آتے ہیں، اِسی مناسبت سے اُس کی کنیت ’’ابولہب‘‘ رکھ دی گئی تھی۔

لیکن قرآن پاک نے بھی اُس کے اِسی لقب کو یہاں ذکر فرمایا، اِس سے دوسرے معنی کی طرف اِشارہ کرنا مقصود ہے؛ کیوں کہ ’’لہب‘‘ کے معنی ’’دہکتی ہوئی آگ‘‘ کے بھی آتے ہیں، تو اِس اعتبار سے یہ لقب اُس کے جہنمی ہونے کی طرف مشیر ہے۔ (مستفاد: بیان القرآن ۲/۷۸۲)

خلاصہ یہ کہ اس موقع پر ابولہب نے مروت اور اَخلاق کی تمام حدوں کو پار کر دیا۔

بعض روایتوں میں یہاں تک منقول ہے کہ اُس وقت اُس نے حضور کو مارنے کے لئے ہاتھ میں پتھر تک اُٹھالیا تھا۔ (تفسیر قرطبی ۱۰/۲۱۰)

تو یہ اُس کی طرف سے انتہائی آخری درجہ کی کمینگی کی بات تھی کہ حق بات کو سمجھنے کے بجائے اُس نے برملا اُس کے خلاف رویہ اپنایا اور تحقیر آمیز انداز اختیار کیا۔

بعض حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ اپنی مجلسوں میں کہتا تھا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہیں اُمیدیں دلاتے ہیں کہ مرنے کے بعد فلاں فلاں نعمتیں ملیں گی، اور پھر بطور استہزاء کے نجومیوں اور علم رمل و جفر رکھنے والوں کی طرح لوگوں کے سامنے اپنے ہاتھ دکھا کر کہتا تھا کہ اِس میں تو مجھے کچھ نظر نہیں آرہا ہے؛ گویا وہ اِس طرح حضور کا مذاق اُڑاتا تھا۔ (روح المعانی ۲۳/۱۶۸ بحوالہ: معارف القرآن جدید ۸/۱۱۲۰ ربیب بک ڈپو)

اور یہ بھی روایت ہے کہ یہ ملعون پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے پیچھے جا کر پتھر مارتا تھا، جس سے پیغمبر علیہ السلام لہولہان ہو جاتے تھے۔ (نعوذ باللہ من ذلک) (تفسیر قرطبی ۱۰/۲۱۱)

ابولہب کے گستاخ بیٹے کا عبرت ناک انجام

ابولہب کے پاس مال و دولت بھی خوب تھا اور کئی اَولادیں بھی تھیں، حد تو یہ ہے کہ اُس کے دو بیٹوں ''عتبہ'' اور ''عتیبہ'' سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو صاحبزادیوں کا رشتہ بھی پکا ہو چکا تھا؛ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسلام کی دعوت پیش فرمائی، تو اِس ملعون نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ یہ رشتہ تمہیں ختم کرنا پڑے گا ورنہ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔

تو روایت میں ہے کہ ''عتبہ'' تو خاموش رہا؛ مگر ''عتیبہ'' نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جا کر بڑی بدتمیزی کی؛ حتیٰ کہ اس ملعون نے آپ کا پیراہن مبارک چاک کر دیا، جس سے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شدید صدمہ ہوا، اور اُس کی اِس رذیل حرکت پر آپ نے اُس کے لئے یہ بددعا فرمائی کہ: ''الٰہ العالمین! اُس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط فرما دے''۔

چناں چہ یہ بددعا اِس طرح پوری ہوئی کہ مکہ مکرمہ کے لوگ تجارتی سفر پر جایا کرتے تھے، ایک قافلے میں ''عتیبہ'' بھی شامل تھا، راستے میں ایک جگہ رات میں پڑاؤ کیا گیا، تو وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ یہ شیروں کا علاقہ ہے، اِس لئے احتیاط سے رہنا، تو ''عتیبہ'' کو یاد آیا کہ ''حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کے لئے بددعا کر رکھی ہے''۔ تو لوگوں نے اُس کا بستر اور پڑاؤ سارے قافلے کے درمیان میں رکھا؛ تاکہ اگر شیر آ بھی جائے تو اُس تک نہ پہنچ سکے۔

لیکن اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ رات میں شیر آیا اور وہ لوگوں کو سونگھتا رہا اور کسی کو کچھ نہیں کہا؛ مگر ''عتیبہ'' کے پاس جا کر اُس کو پھاڑ ڈالا، جس سے وہ وہیں جہنم رسید ہو گیا۔ (مستفاد: دلائل النبوۃ ۳۳۹/۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ابولہب کی عبرت ناک موت

اور ابولہب کو اپنے مال اور اَولاد پر بڑا غرور تھا؛ لیکن اُس کا بدترین انجام دنیا ہی میں لوگوں نے دیکھ لیا کہ ''غزوۂ بدر'' کے ایک ہفتہ کے بعد اُس کے بدن میں کوئی زہریلا دانہ نکلا۔ بعض لوگ لکھتے ہیں کہ وہ طاعون کی گلٹی تھی، جو نہایت تکلیف دہ تھی، اور گھر والوں نے اِس خطرے سے کہ

کہیں یہ مرض اوروں کو نہ لگ جائے، اُسے بالکل الگ تھلگ کر دیا؛ حتیٰ کہ کوئی اُس سے ملتا جلتا ہی نہیں تھا، اسی حالت میں چند روز میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا، مرنے کے بعد کوئی اُس کی لاش بھی اُٹھانے کو تیار نہیں تھا، اِسی میں تین دن گذر گئے، اور بد بو اُٹھ پڑی، تو مجبوراً غلاموں کے ذریعہ اُٹھوا کر گڑھے میں ڈلوایا گیا، اور پتھروں سے اُسے ڈھک دیا گیا، **لَعنَۃُ اللّٰہِ عَلَیہِ**۔ (مستفاد: تفسیر کبیر للرازی ۱۷۲/۳۱، بیان القرآن ۷۸۱/۲-۷۸۲)

تو یہ شخص جو سردار بنا پھرتا تھا اور کبر وغرور سے حق کے سامنے ہاتھوں کو جھٹکتا اور زہریلے تبصرے کرتا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی اُس کو انتہائی ذلت کی موت سے دوچار کیا، اور آخرت میں جو عذاب ہوگا، اُس کا تو دنیا میں تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اُس کا مال اور اَولاد نہ دنیا میں اُس کے کام آئے اور نہ آخرت میں کام آسکیں گے۔

ابولہب کی ملعونہ بیوی

''ابولہب'' کی بیوی ''اُم جمیلہ بنت حرب'' بھی انتہائی خبیثہ اور ملعونہ تھی، بعض روایتوں میں ہے کہ وہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راستے میں کانٹے بچھایا کرتی تھی۔ (بیان القرآن ۷۸۱/۲)

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ بڑی چغل خور اور کینہ پرور عورت تھی۔

اور اپنے ضدی شوہر کا برائی میں ساتھ دینے والی اور اُس کی فتنہ انگیزیوں کے اندر معاون تھی۔ اِسی اعتبار سے اُسے ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ (بوجھ کو اٹھانے والی اور دشمنی کی آگ بھڑکانے والی) کہا گیا ہے۔

جب کہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ بڑی بخیل اور کنجوس بھی تھی، جس کی بنا پر ملازموں سے خدمت لینے کے بجائے خود ہی جنگل سے ایندھن کا بوجھ اُٹھا کر لایا کرتی تھی۔ اور جیسا کہ بوجھ اُٹھانے والی عورتوں کا طریقہ ہے کہ گٹھر کو پیچھے کمر پر لاد کر اُس کی رسی پیشانی پر باندھ لیتی ہیں؛ تاکہ سہولت سے بوجھ اُٹھایا جا سکے۔

تو یہ ملعونہ ایک دن ایسے ہی بوجھ لاد کر آرہی تھی کہ وہ پیشانی والی رسی کھسک کر اُس کی گردن

میں جا پھنسی، جس کی بنا پر اُس کا دم گھٹ گیا اور اسی حالت میں موت آ گئی، تو یہ اُس ملعونہ کا دنیا میں انجام ہوا، جو اپنے بدترین شوہر کی شرارتوں میں معاون بنی ہوئی تھی۔ (مستفاد: تفسیر قرطبی ۱۰/۲۱۴-۲۱۵)

محض نسب کارآمد نہیں

اِس تفصیل سے ایک اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں محض قرابت اور نسب کام آنے والا نہیں ہے؛ جیسا کہ سگا چچا ہونے کے باوجود ابولہب اللہ کی رحمت سے محروم رہا۔

لہٰذا کوئی یہ خیال نہ کرے کہ قریبی رشتہ داریاں اِیمان وعمل کے بغیر نجات کا سبب بن جائیں گی، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ آخرت میں تو نجات اُسی کو ملے گی جو اِیمان لائے اور اچھے اعمال کرے، بھلے سے وہ رشتہ دار ہو یا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف اِیمان اور عمل کی قدر ہے۔

اِسی لئے سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام اعزاء اور قریبی لوگوں کو خصوصی خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ”أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ؛ فَإِنِّي لَا أُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا“ (یعنی تم خود اِیمان لاکر اپنے کو جہنم سے بچانے کا انتظام کرو؛ کیوں کہ (اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو) میں تمہیں اللہ کے دربار میں کچھ فائدہ نہیں پہنچا پاؤں گا)

حدیث میں ہے: ”فَعَمَّ وَخَصَّ“ یعنی آپ نے پہلے پورے قبیلے والوں کو عمومی خطاب کیا، اُس کے بعد باقاعدہ نام لے کر خصوصی خطابات فرمائے؛ حتیٰ کہ اپنی چہیتی صاحبزادی خاتونِ جنت حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: ”يَا فَاطِمَةُ! أَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ؛ فَإِنِّيْ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا“ (یعنی پیاری بیٹی فاطمہ! تم خود اپنے کو جہنم سے بچانے کی فکر کرو؛ کیوں کہ میں محض نسب کی بنیاد پر اللہ کے دربار میں تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچا پاؤں گا) (صحیح مسلم/کتاب الایمان حدیث: ۲۰۴)

گویا کہ یہ مت سمجھنا کہ ہمارے اَبا جان پیغمبر ہیں، تو ہم ایمان وعمل کے بغیر نجات پا جائیں گے؛ بلکہ نجات جب ہی ملے گی جب کہ اِیمان اور حسنِ عمل کی دولت سے آدمی مالا مال ہو، اِس کے بغیر نسب سے کوئی نفع نہیں ہوگا۔

اور ایک حدیث میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا: ''مَنْ بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ'' (یعنی جس کا عمل اسے پھسڈی بنا دے اُس کا نسب اُسے آگے نہیں لے جاسکتا) (صحیح مسلم/کتاب الذکر والدعاء حدیث:۲۶۹۹)

اِسی طرح اِس سورت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی آدمی اپنے مال ودولت یا نرینہ اَولاد پر بھروسہ نہ کرے؛ کیوں کہ اللہ کے دربار میں یہ چیزیں آدمی کو عذاب سے نہیں بچا پائیں گی؛ جب تک کہ اِیمان وعمل کی دولت ساتھ نہ ہو۔

اور تیسری بات خاص طور پر یہ معلوم ہوئی کہ جو شخص چغل خور ہو، یا زبانی وعملی طور پر کسی ظالم کا معاون ہو، وہ بھی قابل صد مذمت اور ملعون ہے؛ جیسا کہ یہ ابولہب کی بیوی جو اپنے ظالم شوہر کی دست راست بنی ہوئی تھی، اور معاشرے کی چغلیاں کھاتی تھی، تو وہ بھی بالآخر بدترین انجام سے دوچار ہوئی۔ نعوذ باللہ من ذلک

چناں چہ فرمایا جارہا ہے:

﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ (یعنی ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود بھی ٹوٹ گیا) اِس سے پہلے وہ غرور وتکبر کے مارے انکار کرتے ہوئے ہاتھوں کو جھٹک رہا تھا، اور اپنے کر وفر کا اظہار کر رہا تھا؛ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے یہ ساری چیزیں دھری کی دھری رہ گئیں اور اُس کا بیڑہ غرق ہوگیا۔

پھر فرمایا: ﴿مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ﴾ (یعنی اُس کو اُس کا مال اور کمایا ہوا سامان کچھ بھی کام نہ آیا) حتیٰ کہ دنیاوی وجاہت وعزت بھی ہاتھ سے جاتی رہی۔

آگے فرمایا: ﴿سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ﴾ (یعنی عنقریب وہ ایسی آگ میں جا پڑے گا جو لپٹیں مارنے والی ہے) گویا کہ بڑی خطرناک آگ ہے، جس میں اُسے موت کے بعد ڈالا جائے گا۔

پھر فرمایا: ﴿وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ (یعنی جہنم میں اُس کے ساتھ اُس کی بیوی بھی

جائے گی، جو ایندھن (برائیوں کا بوجھ) سر پر اُٹھانے والی ہے) اور بڑی فتنہ پرور ہے۔

اخیر میں فرمایا: ﴿فِیُ جِیۡدِهَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ﴾ (یعنی اُس عورت کی گردن میں مونجھ کی اچھی طرح بٹی ہوئی رسی ہے) اِس سے دنیاوی رسی بھی مراد ہوسکتی ہے؛ جیسا کہ اوپر گذرا۔

اور بہت سے مفسرین نے اِس سے جہنم کے اندر اُس کے ساتھ پیش آمدہ عذاب مراد لیا ہے کہ اُس کے گلے میں زنجیریں اور طوق ڈال دئے جائیں گے، جس کی بنا پر عذاب کی شدت میں بے انتہاء اِضافہ ہوگا، اللّٰہم احفظنا منہ۔ (مستفاد: تفسیر ابن کثیر مکمل ص: ۱۴۶۹ دار السلام ریاض)

علامہ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اِس سورت کی تفسیر کرتے ہوئے اخیر میں فرماتے ہیں کہ اِس سورت کا مضمون بجائے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی کھلی دلیل ہے؛ کیوں کہ اِس میں یہ خبر سنائی گئی ہے کہ ''ابولہب'' اور اُس کی بیوی جہنم رسید ہوئی، جو دراَصل اِس بات کی پیشین گوئی ہے کہ یہ دونوں مرتے دم تک اِیمان سے محروم رہیں گے، اور ظاہراً یا باطناً کسی طرح اِیمان نہیں لائیں گے؛ چناں چہ واقعہ بھی اِسی طرح پیش آیا، اور یہ پیشین گوئی حرف بحرف صادق ہوکر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی کی واضح حجت بن گئی، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ص: ۱۴۷۰ دار السلام ریاض)

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو ہر طرح کی غلطیوں سے محفوظ فرمائے، اپنی رضا اور خوشنودی سے مالا مال فرمائیں، ہر قسم کے شرور وفتن سے محفوظ فرمائیں، اور دین پر استقامت نصیب فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اشاعت: (۳۵)

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت

(تفسیر ''سورۂ اخلاص'')

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دارالتوحید بنگلور

ناشر

المرکز العلمی للنشر والتحقیق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذٰریت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہیے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۳۵)

موضوعِ خطاب	:	اللہ تعالیٰ کی وحدانیت (تفسیر ''سورۂ اخلاص'')
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	مرادآباد
تاریخ	:	۱۴۴۲/۲/۹ھ مطابق ۲۰۲۰/۹/۲۷ء بروز اتوار
دورانیہ	:	۲۸/منٹ
جمع وضبط	:	(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی مدرسہ دارالتوحید بنگلور

○

الحمد للّٰہ رب العالمین، أشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، وأشھد أن سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تبارک وتعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ وذریاتہٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ ﴿قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ○ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ○ لَمْ یَلِدْ، وَلَمْ یُوْلَدْ ○ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ﴾ صدق اللّٰہ مولانا العلي العظیم

(ترجمہ:- اے پیغمبر! آپ فرما دیجئے کہ وہ اللہ ہے جو ایک ہے ○ اللہ بے نیاز ہے ○ جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا○ اور اُس کے جوڑ کا کوئی نہیں ہے ○)

حضراتِ گرامی! اِس سورت کا نام ''سورۂ اخلاص'' ہے، جو مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی اور صرف چار آیتوں پر مشتمل ہے۔

یہ قرآنِ پاک کی بہت ہی مختصر سورتوں میں شامل ہے، جو اکثر مسلمانوں کو یاد رہتی ہے؛ بلکہ ہم نے دیکھا ہے کہ بعض ایسے لوگ ہیں جن کو قرآنِ پاک میں سورۂ فاتحہ کے بعد صرف ''سورۂ اِخلاص'' ہی یاد ہے، اُسی کو وہ ہر نماز میں دوہراتے رہتے ہیں۔

تاہم یہ سورت اپنے معنی کے اعتبار سے بہت ہی عظیم الشان ہے، اِسی لئے اِس کا نام ''سورۂ اِخلاص'' رکھا گیا ہے۔

جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورت مسلمانوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لئے خالص کردیتی ہے، اور اُس کی تلاوت سے صفاتِ خداوندی کا استحضار، اِیمان میں تازگی، گیرائی، پختگی اور رسوخ حاصل ہوتا ہے۔

شانِ نزول

اس کے شانِ نزول کا ذکر کرتے ہوئے بعض روایات میں مذکور ہے کہ بعض اہلِ مکہ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ سوال کیا تھا کہ ''یہ بتایئے کہ آپ جس رب کی عبادت کرتے ہیں اُس کا نام ونسب کیا ہے؟'' تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُس کے جواب میں یہ سورت نازل فرمائی۔

(ترمذی شریف، کتاب التفسیر/سورۃ الاخلاص حدیث: ۳۳۶۵)

اِس سورت میں رب العالمین کی اعلیٰ صفات بالکل واضح اور دوٹوک انداز میں بیان کردی گئی ہیں۔

لہٰذا جو شخص معنی کے استحضار کے ساتھ اِس سورت کو پڑھتا رہے گا، اُس کے دل ودماغ سے شرک کے تمام جراثیم نکل جائیں گے اور اِیمان کا نور اور توحید کی چاشنی اُس کے رَگ وریشہ میں پیوست ہوجائے گی، اِس لئے اِس سورت کی بکثرت تلاوت کا اہتمام کرنا چاہئے۔

تہائی قرآن کا ثواب

بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے صاحب کو پوری رات ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ دوہراتے ہوئے سنا؛ چناں چہ صبح کو اُنہوں نے اِس بات کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، اور وہ سمجھ رہے تھے کہ صرف ''سورۂ اِخلاص'' کو باربار دوہرانا کوئی بڑا عمل نہیں ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی بات سن کر

اِرشادفرمایا: ”وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ“. (صحيح البخاري، كتاب فضائل القرآن / باب فضل قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ حديث: ۵۰۱۳) (اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ سورت (سورۂ اِخلاص) تہائی قرآن کے برابر ثواب رکھتی ہے)

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ: ”کیا تم میں سے کوئی شخص ایک رات میں تہائی قرآن پڑھنے کی سکت نہیں رکھتا؟“ صحابہؓ نے اِسے بہت بھاری محسوس کرتے ہوئے عرض کیا کہ ”اے اللہ کے رسول! اِس کی کون طاقت رکھ سکتا ہے“؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ”اَللّٰهُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ ثُلُثُ الْقُرْآنِ“. (صحيح البخاري حديث: ۵۰۱۵) (یعنی سورۂ اِخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے)

نیز روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ: ”کیا میں تمہیں تہائی قرآن پڑھ کر نہ سناؤں؟“

صحابہؓ نے فرمایا کہ ”حضرت ضرور سنایئے!“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھی، اور پڑھ کر کمرے میں تشریف لے گئے۔

صحابہ کرامؓ سمجھے کہ کوئی ضرورت پیش آ گئی ہے، ابھی واپس آ کر بقیہ قرآن سنائیں گے، اِس لئے سب وہیں بیٹھے رہے۔

تھوڑی دیر میں جب آپ تشریف لائے، تو دیکھا کہ سب بیٹھے ہوئے ہیں۔

پوچھا کیا بات ہے، سب یہیں جمع ہو؟

صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ حضرت آپ نے فرمایا تھا کہ تہائی قرآن پڑھیں گے، ابھی تو صرف سورۂ اِخلاص پڑھی ہے؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”یہی تو تہائی قرآن ہے“۔ (سنن الترمذی ۱۱۷/۲-۱۱۸ مکتبہ اَشرفیہ دیوبند)

واضح ہو کہ ''سورۂ اِخلاص'' کو جو تہائی قرآن قرار دیا گیا ہے، وہ یا تو معانی کے اعتبار سے ہے؛ بایں طور کہ جب پورے قرآن کا جائزہ لیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ وہ تین قسم کے مضامین پر مشتمل ہے: (۱) احکام (۲) سابقہ اُمتوں کے اَحوال (۳) توحید۔ اور ''سورۂ اِخلاص'' میں چوں کہ توحید کا مضمون بہت جامعیت کے ساتھ بیان ہوا ہے، اِس لئے اُسے تہائی قرآن کہہ دیا گیا ہے۔

(مستفاد: فتح الباری ۹/۶۷، تفسیر قرطبی ۲۰/۲۲۱ دار الفکر بیروت)

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اِس سے اِضافی ثواب مراد ہے؛ گویا کہ جتنا ثواب حقیقی طور پر ۱۰/ پاروں کی قرأت پر ملتا ہے، اُتنا اِضافی ثواب صرف ''سورۂ اِخلاص'' پڑھنے پر نصیب ہوتا ہے۔ (شرح النووی علی مسلم/ باب فضل قراءۃ قل ہو اللہ احد تحت رقم: ۸۱۱)

(اور ۱۰/ پارے کا اِضافی ثواب بہرحال ''سورۂ اِخلاص'' سے زائد ہے۔ واللہ اعلم)

بعض صحابہ کا ''سورۂ اِخلاص'' سے عشق

روایت میں ہے کہ ایک انصاری صحابی مسجد قبا کے اِمام تھے، اور وہ جب بھی نماز پڑھاتے تو قرأت کی ابتداء ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ سے کرتے، اُس کے بعد دوسری سورت ملاتے تھے، اور ہر رکعت میں اُن کا یہی عمل تھا، تو نمازیوں نے اُن سے کہا کہ:

''آپ ''سورۂ اِخلاص'' پڑھتے ہیں؟ پھر آپ اُسے کافی نہیں سمجھتے اور بعد میں دوسری سورت ملاتے ہیں؟ یا تو آپ صرف ''سورۂ اِخلاص'' پڑھا کریں، یا اِسے چھوڑ کر دوسری سورت پڑھا کریں''۔

تو اُن صحابی نے جواب دیا کہ ''میں تو سورۂ اِخلاص'' چھوڑنے والا نہیں ہوں، اگر تمہیں میری اِمامت اِسی طرح منظور ہے تو فبہا، اور اگر پسند نہ ہو تو میں اِمامت چھوڑنے کو تیار ہوں''۔

لیکن لوگ اُنہیں اپنے میں سب سے اَفضل سمجھتے تھے، اور اُن کے بجائے دوسرے کو اِمام بنانا پسند نہ کرتے تھے (اِس لئے نماز پڑھتے رہے)

پھر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی دن قبا تشریف لائے تو لوگوں نے اُن اِمام صاحب

کی پوری بات آپ ﷺ کو بتادی۔

تو آپ ﷺ نے اِمام صاحب سے بلا کر پوچھا کہ: ''آخر کیا بات ہے؟ تم اپنے مقتدیوں کی بات نہیں مانتے، اور تمہیں ہر رکعت میں اِس سورت کو پڑھنے پر کس چیز نے آمادہ کرر کھا ہے؟''

تو اُنہوں نے عرض کیا کہ: ''مجھے یہ سورت بہت پسند ہے''۔

تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کو بشارت سنائی کہ: ''**حُبُّکَ إِیَّاھَا أَدْخَلَکَ الْجَنَّۃَ**'' ۔یعنی تمہارا سورۂ اِخلاص سے محبت رکھنا تمہیں جنت تک پہنچائے گا۔(بخاری شریف/ باب الجمع بین السورتین فی الرکعۃ حدیث:۷۷۴)

تو یہ اُن صحابی کا ایک جذباتی عمل تھا کہ ہر رکعت کے اندر وہ سورۂ اخلاص پڑھنا چاہتے تھے، اور اُس پر اِس قدر اصرار تھا کہ اِمامت چھوڑنی منظور تھی؛ مگر سورۂ اخلاص چھوڑنا منظور نہ تھا، اللہ تعالیٰ کو اُن کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ زبانِ نبوت سے اُن کو بشارت ملی کہ سورۂ اخلاص کی محبت کی بدولت اُنہیں جنت نصیب ہوگی۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک صاحب کو اَمیر بنا کر بھیجا، اُن کا یہ معمول تھا کہ جب نماز پڑھاتے تو جب بھی کوئی سورت پڑھتے، تو اَخیر میں ﴿**قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ**﴾ ضرور پڑھتے تھے۔

مثلاً: ﴿**وَالضُّحٰی**﴾ یا کوئی اور سورت پڑھی، پھر اخیر میں ﴿**قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ**﴾ پڑھی، اِس طرح اُن کی کوئی رکعت ﴿**قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ**﴾ سے خالی نہیں ہوتی تھی۔

جب یہ لوگ مدینہ منورہ واپس ہوئے تو پیغمبر علیہ السلام کے دربار میں تذکرہ ہوا کہ اَمیر صاحب نے ایسا ایسا کیا ہے؟

تو حضور اکرم علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''اُن سے پوچھو کہ اُنہوں نے کس وجہ سے ایسا کیا؟'' چناں چہ لوگوں نے اُن سے پوچھا، تو اُنہوں نے جواب دیا کہ: ''چوں کہ اِس سورت میں رحمٰن کی صفات بیان ہوئی ہیں، اِس لئے مجھے اُس سورت سے بہت محبت ہے؟''

تو نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''اُنہیں بشارت سنادو کہ اللہ تعالیٰ بھی اُن سے محبت

رکھتے ہیں‘‘۔ (بخاری شریف/ کتاب التوحید حدیث: ۷۳۷۵، مسلم شریف/ کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ حدیث: ۸۱۳، سنن النسائی/ کتاب الافتتاح حدیث: ۹۹۳)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ نبی اکرم علیہ السلام کے ساتھ چل رہا تھا، تو آپ کا گذر ایک صاحب پر ہوا، جو ’’سورۂ اِخلاص‘‘ پڑھ رہے تھے، تو اُن کے بارے میں آپ نے فرمایا: ’’وَجَبَتْ‘‘ (واجب ہوگئی) میں نے عرض کیا کہ ’’کیا چیز واجب ہوگئی؟‘‘ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ’’جنت واجب ہوگئی‘‘۔ (سنن الترمذی/ باب ماجاء فی سورۃ الاخلاص رقم: ۲۸۹۷)

اور ایک ضعیف روایت میں ہے کہ جو آدمی ہر نماز کے بعد ۱۰ر مرتبہ سورۂ اِخلاص پڑھ لے تو جنت کے جس دروازہ سے چاہے داخل ہوگا، اور جس حور سے چاہے اُس کا نکاح کیا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۱۴۷۲ دار السلام ریاض)

اور ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا کہ: ’’جو شخص سوتے وقت دائیں کروٹ پر لیٹے اور پھر سونے سے پہلے ۱۰۰ر مرتبہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھے، تو قیامت کے دن اُس سے فرمائیں گے کہ اے میرے بندے! تو اپنی دائیں جانب سے جنت میں داخل ہوجا‘‘۔ (ترمذی شریف/ باب ماجاء فی سورۃ الاخلاص حدیث: ۲۸۹۸)

’’سورۂ اِخلاص‘‘ کے ذریعہ گناہوں کی معافی

سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ ’’جو شخص ہر دن دوسو مرتبہ ’’سورۂ اِخلاص‘‘ پڑھنے کا معمول بنائے، تو اُس کے ۵۰ر سال کے گناہ مٹادئے جائیں گے، اِلا یہ کہ اُس پر قرض ہو‘‘۔ (ترمذی شریف/ باب ماجاء فی سورۃ الاخلاص حدیث: ۲۸۹۸)

اِس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یا تو قرض کے علاوہ سب گناہ مٹ جائیں گے، یا یہ کہ قرض کے اثر سے اِس سورت کے پڑھنے کے باوجود دیگر کسی گناہ کی بھی معافی نہ ہوگی۔ (تحفۃ الاحوذی علی شرح سنن الترمذی تحت رقم: ۲۸۹۸)

گویا کہ اِس جملے سے قرض کی اَہمیت جتلانا مقصود ہے، کہ ہر شخص اپنے قرضوں کو جلد اَز جلد اَدا کرنے کی فکر کرے؛ تاکہ اُس کی مغفرت میں کوئی مانع نہ ہو۔

''سورۂ اِخلاص'' روزی میں برکت کا سبب

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک ضعیف روایت میں یہ مضمون وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''جو شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھنے کا معمول بنائے، تو اُس گھر والوں سے اور اُس کے پڑوسیوں سے فقر وفاقہ دور ہو جائے گا''۔ (تفسیر قرطبی ۲۰/۲۲۳ دار الفکر بیروت، کنز العمال حدیث: ۲۷۳۹)

اور حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فقر وفاقہ اور تنگی کی شکایت کی، تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا کہ: ''جب تم گھر میں جاؤ اور وہاں کوئی شخص موجود ہو، تو تم اُسے سلام کرو۔ اور اگر کوئی شخص موجود نہ ہو، تو مجھ پر درود پڑھو، اور ایک مرتبہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھنے کا معمول بناؤ''۔ چناں چہ اُس شخص نے اِس پر عمل کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اُس پر روزی کی بہتات فرمادی؛ حتیٰ کہ اُس نے اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں پر بھی خرچ کرنا شروع کر دیا۔ (القول البدیع للسخاوی بسند ضعیف حدیث: ۱۹۰، تفسیر قرطبی/تفسیر سورۃ الاخلاص ۲۰/۲۲۴ دار الفکر بیروت)

بہر حال یہ بہت ہی اہم اور نفع بخش سورت ہے، جو چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، بالخصوص نمازوں کے بعد اور سونے سے پہلے اور رات میں جب کبھی آنکھ کھل جائے ہماری زبان پر جاری رہنی چاہیے؛ تاکہ اِس کی غیر معمولی برکات سے ہم فیض یاب ہوتے رہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق سے نوازیں، آمین۔

اللہ تعالیٰ یکتا ہے

اِس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی چند اہم صفات بیان فرمائی ہیں:

پہلی بات تو یہ فرمائی کہ: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (یعنی اللہ تعالیٰ تنِ تنہا ہے) یہ مشرکین کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے نام ونسب کے متعلق سوال کا دوٹوک جواب ہے کہ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ اِن کو بتلا دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو اکیلا، تنِ تنہا اور یکتا ہے۔

گویا کہ لفظ ''اللہ'' اپنے اندر تمام صفاتِ جلالیہ، جمالیہ اور کمالیہ رکھتا ہے، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔

اِسی عقیدۂ توحید پر اِسلام کا دار و مدار ہے، اور قرآنِ پاک میں جابجا نہایت مؤثر انداز میں وحدانیت کے بارے میں دلائل پیش کئے گئے ہیں، اور ہر طرح کے شرک کی بھرپور تردید کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ صمدیت

اُس کے بعد فرمایا کہ: ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ (یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ بے نیاز ہے)

''الصمد'' کے معنی کی تعبیر مختلف الفاظ میں کی گئی ہے، مثلاً:

(۱) وہ ذات جس کی طرف تمام حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے۔

(۲) وہ ذات کہ سب اُس کے محتاج ہیں مگر وہ کسی کی محتاج نہیں ہے۔

(۳) جس کی بزرگی اور فوقیت اور تمام کمالات اور خوبیاں انتہا تک پہنچی ہوئی ہیں۔

(۴) وہ کھانے پینے اور ہر طرح کی خواہشات سے بالکل پاک ہے۔

(۵) وہ ذات جو مخلوق کے فنا ہونے کے بعد باقی رہنے والی ہے۔

(۶) وہ سب کچھ کر گذرنے پر قادر ہے۔ (مستفاد: تفسیر قرطبی ۲۰/۲۱۸-۲۱۹ دار الفکر بیروت)

لفظِ ''الصمد'' کی تفسیر وتشریح میں یہ سب تعبیرات علماء سے منقول ہیں، اور اِن میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ تمام باتیں اللہ تبارک وتعالیٰ پر پوری طرح صادق اور منطبق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی اِسی شانِ عالیشان کو ''سورۂ فاطر'' میں اِس طرح بیان کیا گیا: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ﴾ [الفاطر: ۱۵] (اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو، جب کہ اللہ تعالیٰ پوری طرح بے نیاز اور ہر قسم کی تعریفوں والا ہے)

ظاہر ہے کہ یہ شانِ عظمت کائنات میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی میں نہیں پائی جاتی۔

اللہ تعالیٰ والد یا مولود نہیں

اُس کے بعد فرمایا کہ: ﴿لَمْ يَلِدْ، وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ (یعنی نہ تو اُس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے)

گویا کہ وہ والد یا مولود ہونے کی صفت سے بالکل پاک ہے؛ کیوں کہ یہ صفت مخلوقات پر منطبق ہوتی ہے، خالق حقیقی پر اُس کا انطباق نہیں کیا جاسکتا؛ اِس لئے کہ وہ بجائے خود واجب الوجود ہے، جس پر کبھی عدم طاری نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔

قرآنِ کریم میں عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کو باطل قرار دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا گیا: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلَاثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحَانَهٗ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ [النساء: ۱۷۱] (اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں، اِس نظریہ سے باز آجاؤ، یہی تمہارے لئے بہتر ہوگا، بلاشبہ اللہ تو صرف ایک ہے۔اُس کی ذات اِس سے پاک ہے کہ اُس کی کوئی اَولاد ہو، آسمان وزمین میں جو کچھ ہے وہ سب اُسی کی ملک ہے، اور اللہ تعالیٰ کافی ہے کارساز)

یقین جانئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اَولاد ماننا اتنا بڑا جھوٹ اور فریب ہے کہ اگر اُس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑے اور زمین شق ہوجائے تو بجا ہے۔

چناں چہ ''سورۂ مریم'' میں نہایت قوت کے ساتھ اِس لچر عقیدے کی تردید کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا گیا: ﴿وَقَالُوْا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا. لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا. تَكَادُ السَّمٰوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا. اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا. وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا. اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾ [مریم: ۸۸-۹۳] (اور لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن اَولاد رکھتا ہے، یقیناً تم بہت بھاری چیز لائے ہو، قریب ہے کہ اس کی وجہ سے سب آسمان پھٹ پڑیں اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے اور پہاڑ

ریت ہوکر گر پڑیں، اس پر کہ رحمٰن کے نام پر اولاد پکارتے ہیں، اور رحمٰن کو اولاد رکھنا زیب نہیں دیتا، جو کچھ بھی آسمان وزمین میں ہے وہ رحمٰن کے سامنے بندہ ہی ہوکر آئے گا)

دیکھئے کتنے مؤثر انداز میں مشرکین کے نامعقول عقیدے کی تردید کی گئی ہے، جو ذہن ودماغ کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر نہیں

اور اخیر میں فرمایا: ﴿وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ (یعنی اُس کا کوئی جوڑ نہیں ہے)

اور کوئی بھی ذات وصفات میں اللہ تعالیٰ سے برابری کا حقیقۃً تصور بھی نہیں کرسکتا۔

یہ مضمون بھی قرآنِ پاک میں جابجا بکھرا ہوا ہے؛ چناں چہ ''سورۂ مؤمنون'' میں فرمایا گیا: ﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنۡ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنۡ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ، سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ﴾ [المؤمنون: ۹۱] (اللہ نے کوئی بیٹا نہیں بنایا، اور نہ اُس کے ساتھ کسی کا حکم چلے، یوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم والا اپنی بنائی چیز کو، اور چڑھائی کرتا ایک پر ایک، اللہ نرالا ہے اُن کی بتلائی باتوں سے)

اور ''سورۂ شوریٰ'' میں اِرشاد ہوا: ﴿لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ﴾ [الشوریٰ: ۱۱] (یعنی مخلوقات میں کوئی بھی چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات کے مشابہ نہیں ہے)

خلاصہ یہ کہ اِس سورت میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان ہوئی ہیں، اُنہیں ہر وقت پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ اِس سے اِیمان میں بے مثال تازگی نصیب ہوتی ہے۔

حضرت حکیم الامت رحؒ کی تشریح وتفسیر

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ جن کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر علمِ تفسیر میں بڑا کمال عطا فرمایا تھا، آپ نے اِس سورت کے فوائد میں لکھا ہے کہ:

وحدانیت کے منکرین مختلف قسم کے ہیں:

(۱) کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود ہی کے منکر ہیں۔

(۲) کچھ اللہ تعالیٰ کو واجب الوجود نہیں مانتے۔

(۳) کچھ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ کے منکر ہیں۔

(۴) کچھ عبادت میں غیر اللہ کو شریک مانتے ہیں۔

تو اِس طرح کے سب منکرین کی تردید پہلی آیت: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ سے ہوگئی (یعنی اللہ تعالیٰ واجب الوجود بھی ہے اور تن تنہا اور یکتا بھی ہے)

(۵) بعض مشرکین وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ سے بھی مدد مانگتے ہیں؛ گویا کہ ''شرک فی الاستعانۃ'' میں مبتلا ہیں۔

تو اُن کی تردید دوسری آیت: ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ سے ہوگئی (کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح بے نیاز اور کامل الصفات ہے، اُس کے رہتے ہوئے دوسرے سے مدد کا سوال نہیں)

(۶) اور کچھ مشرکین نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں ثابت کرتے ہیں۔

تو اُن کی تردید ﴿لَمْ يَلِدْ﴾ سے ہوگئی (کہ جب اُس سے کوئی جنا ہی نہیں گیا تو اُس کے بیٹے یا بیٹیاں ہونے کا کیا سوال ہے؟)

(۷) اور بہت سے مشرکین غیر اللہ کو معبود مانتے ہیں۔

تو اُن کی تردید ﴿لَمْ يُوْلَدْ﴾ سے ہوگئی (بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ مولود نہیں اور جن کو تم معبود مانتے ہو وہ سب مولود ہیں، اور عدم سے وجود میں آئے ہیں، پس وہ ہرگز معبود بنائے جانے کے لائق نہیں ہیں)

(۸) اور بعض کفار جیسے مجوسی دیگر معبودانِ باطلہ (مثلاً یزداں اور اہرمن) کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر مانتے ہیں۔

تو آخری آیت: ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ سے اِس عقیدے کو باطل قرار دے دیا

گیا (کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ والا صفات کا کہیں سے کہیں تک کوئی ہم سر اور شریک نہیں ہے)(مستفاد: بیان القرآن مکمل ۷۸۳)

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اِن عظیم صفات کو ہمیں ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے، اور اسی کی اِطاعت وعبادت میں زندگی گذارنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمانِ کامل عطا فرمائیں، اِیمان کی چاشنی اور اَعمالِ خیر کی حلاوت نصیب فرمائیں، اِسی پر زندگی اور اِسی پر موت سے نوازیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اشاعت: (۳۶)

شرور سے پناہ

(تفسیر ''سورۂ فلق'')

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دارالتوحید بنگلور

ناشر

المرکز العلمی للنشر والتحقیق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ. [الذٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہئے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۳۶)

موضوعِ خطاب	:	شرور سے پناہ (تفسیر ''سورۂ فلق'')
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	مرادآباد
تاریخ	:	۱۴۴۲/۲/۳۰ھ مطابق ۲۰۲۰/۱۰/۱۸ء بروز اتوار
دورانیہ	:	۳۲/منٹ
جمع وضبط	:	(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی مدرسہ دارالتوحید بنگلور

الحمد للّٰه رب العالمين، أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريک له، وأشهد أن سيدنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارک وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارک وسلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ○ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ○ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ○ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ○ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾ صدق اللّٰه مولانا العلي العظيم

(ترجمہ:- اے پیغمبر! آپ فرمائیے میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں ○ ہر چیز کے شر سے جو اُس نے بنائی ○ اور اندھیری کے شر سے جب وہ چھا جائے ○ اور اُن عورتوں کے شر سے جو گرہوں میں پھونک مارنے والی ہیں ○ اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے ○)

حضراتِ گرامی! اِس سورت کا نام ''سورۂ فلق'' ہے، جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور صرف ۵/ آیتوں پر مشتمل ہے۔

صحیح روایات میں وارد ہے کہ یہ دونوں سورتیں (سورۂ فلق اور سورۂ ناس)-جن کو ''معوذتین'' کہا جاتا ہے- ایک ساتھ نازل ہوئیں۔

شانِ نزول

اور اُن کا شانِ نزول یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جادو کرایا گیا تھا، جس کی بنا پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبعیت میں بشاشت نہیں رہتی تھی، اور بعض خانگی باتوں کے سلسلے میں ایک بے چینی کی کیفیت رہا کرتی تھی۔ یہ کیفیت تقریباً ۶ر مہینے تک رہی، اور اُس کی اصل وجہ سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

تو ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپؐ کے پاس دو شخص آئے ہیں، ایک سراہنے بیٹھ گیا اور دوسرا پائینتی بیٹھا، پھر ایک نے آپ علیہ السلام کی جانب اِشارہ کرکے دوسرے سے سوال کیا کہ ''اِن کو کیا تکلیف ہے؟''

تو دوسرے نے جواب دیا کہ ''اِن پر جادو کیا گیا ہے''۔

اُس نے پوچھا کہ ''کس نے جادو کیا ہے؟''

تو جواب ملا کہ ''لبید بن الاعصم نے''۔ (جو ایک منافق یہودی تھا)

پھر اُس نے پوچھا کہ ''کہاں پر اور کس چیز پر جادو کیا گیا ہے؟''

تو اُس نے بتایا کہ کنگھی کے دندانوں پر سوئی لگا کر بالوں کی گرہ باندھی گئی ہے، اور اُسے کھجور کے گابھے (غلاف) میں رکھ کر ایک کنویں کے اندر پتھر کے نیچے ان چیزوں کو دبایا گیا ہے، اور اُس کنویں کا نام ''بئر ذروان'' ہے۔

اِس خواب کو دیکھنے کے بعد آپ چند صحابہؓ کے ساتھ بذاتِ خود اُسی کنویں پر تشریف لے گئے اور وہاں سے وہ چیزیں نکلوائیں، اُن میں موم کا ایک مجسمہ بنا کر سوئیاں چبھوئی گئی تھیں، جس پر گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ اِسی موقع پر ۱۱ر آیتوں پر مشتمل یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں، آپ علیہ السلام ایک ایک آیت پڑھتے رہے اور گرہ کھولتے رہے۔

جب سب گرہیں کھل گئیں، تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے بندش کو کھول دیا ہے اور جو بے اطمینانی اور بے چینی کی کیفیت تھی، اللہ تعالیٰ نے اُس کو دُور فرمادیا۔ (مستفاد: فتح الباری مع صحیح البخاری ۲۸۲/۳ حدیث: ۵۷۶۳، روح المعانی ۵۰۴/۳۰-۵۰۵ زکریا)

روایت میں ہے کہ جب نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ تفصیل اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بیان فرمائی تو آپ نے عرض کیا کہ ''حضرت! پھر آپ نے جادوگر کے خلاف جوابی اِقدام (مثلاً: قتل، یا جادو کا دفاع وغیرہ) کیوں نہیں کیا؟''

تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا: ''أَمَا وَاللّٰهِ فَقَدْ شَفَانِي وَأَكْرَهُ أَنْ أُثِيرَ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ شَرًّا'' (صحيح البخاري / كتاب الطب حديث: ٥٧٦٥) (یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا عطا فرمادی، تو اَب میں لوگوں کے اندر کسی مزید شر کو اُبھارنا نہیں چاہتا)

اور بعض روایات میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے ''لبید بن الاعصم'' کو بلوا کر تحقیق کی، تو اُس نے اپنے جرم کا اعتراف کرلیا، جس پر آپ نے اُسے معاف فرمادیا، اور پھر کبھی بھی اُس کے سامنے کسی ناگواری کا اظہار نہیں کیا۔ (فتح الباری ۱۰/۲۸۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

نفع بخش سورتیں

بہر حال یہ دونوں سورتیں بڑی بابرکت اور نفع بخش ہیں۔

نبی اکرم علیہ السلام نے ایک صحابی (ابن عائشؓ) سے اِرشاد فرمایا کہ ''کیا تمہیں وہ افضل چیز نہ بتاؤں جس کے ذریعہ پناہ چاہنے والے پناہ مانگتے ہیں؟'' اُن صحابی نے عرض کیا کہ حضرت! ضرور اِرشاد فرمائیں۔ تو آپ علیہ السلام نے اِنہی دونوں سورتوں (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) کی طرف اِشارہ فرمایا۔ (نسائی شریف/کتاب الاستعاذۃ حدیث:۵۴۳۲)

سیدنا حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ''جحفہ'' اور ''ابواء'' کے درمیان سفر میں تھا، اَچانک سخت ترین اندھیری اور آندھی نے ہمیں گھیر لیا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ''سورۂ فلق'' اور ''سورۂ ناس'' کی تلاوت فرمانے لگے، پھر آپ نے اِرشاد فرمایا: ''يَا عُقْبَةُ! تَعَوَّذْ بِهِمَا، فَمَا تَعَوَّذَ مُتَعَوِّذٌ بِمِثْلِهِمَا'' (اے عقبہ! اِن دونوں سورتوں کے ذریعہ اللہ سے پناہ چاہا کرو؛ کیوں کہ کسی بھی پناہ چاہنے والے نے اِن دونوں سورتوں جیسی کے ذریعہ پناہ نہیں چاہی)

سیدنا حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اِس کے بعد میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں بھی ان دونوں سورتوں کو پڑھتے ہوئے دیکھا۔ (سنن ابی داوٗد، کتاب الصلوٰۃ / باب فی المعوذتین حدیث:۱۴۶۳)

اور سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ ''اے جابر! کچھ پڑھو'' میں نے عرض کیا کہ ''میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں کیا پڑھوں؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھا کرو؛ کیوں کہ اِن جیسی سورتیں تمہیں (اور کہیں) پڑھنے کو نہیں ملیں گی''۔ (نسائی شریف/ کتاب الاستعاذۃ حدیث:۵۴۴۱، الترغیب والترہیب مکمل حدیث:۲۳۰۶ بیت الافکار الدولیۃ)

اور آپ علیہ السلام کا معمولِ مبارک تھا کہ فرض نمازوں کے بعد اور رات میں آرام فرمانے سے پہلے اِن سورتوں کی تلاوت کا اہتمام فرماتے تھے، اور دستِ مبارک پر دم کر کے بدن پر پھیرا بھی کرتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ص:۱۴۷۴-۱۴ دارالسلام ریاض)

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جتنی بھی شر کی صورتیں ہوسکتی ہیں، اُن سب سے پناہ کی تعلیم اِن دونوں سورتوں میں دے دی گئی ہے۔

''سورۂ فلق'' میں تمام دنیوی شرور سے پناہ مانگی گئی ہے، جب کہ ''سورۂ ناس'' میں شیطان سے پناہ کی بات کہی گئی ہے، جو انسان کا سب سے بڑا دشمن اور آخرت کے اعتبار سے سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والا ہے۔

بریں بنا اِن سورتوں کا ہمیں کثرت سے وِرد رکھنا چاہیے۔

آج کل لوگ بہت پریشان رہتے ہیں اور یہ وہم دل میں بٹھا لیتے ہیں کہ کسی نے کچھ کرا دیا ہے، تو اِس طرح کی صورتِ حال میں کامل یقین کے ساتھ اور معانی کا استحضار کرتے ہوئے ''معوذتین'' کا وِرد رکھیں، تو اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے اور عافیت نصیب ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

''فلق'' کے معنی

چناں چہ فرمایا جا رہا ہے: ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ (اے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام)! آپؐ یہ فرمایئے کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آیا ہوں)

''فلق'' کے معنی ''صبح کی سفیدی'' کے آتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی اِس سفیدی کا اصل مالک ہے، وہ اگر چاہے گا جبھی صبح کا اُجالا نمودار ہوسکتا ہے، اور اگر اُس کا امر نہ ہوتو ممکن نہیں ہے کہ رات کی اندھیری صبح کی روشنی میں تبدیل ہوجائے۔

رات کو لمبا کرنے والی یا اُسے مختصر کرنے والی، اِسی طرح دن کے اندر وسعت دینے والی یا اُس کو مختصر کرنے والی ذات صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے۔

کسی بھی مخلوق کو اِنفرادی یا اجتماعی طور پر اِس معاملے میں دخل دینے کا کہیں سے کہیں تک کوئی اختیار نہیں ہے۔

بلکہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ یہ فیصلہ فرمالیں کہ اَب ہمیشہ رات ہی رہے گی، کبھی دن نہیں نکلے گا، توکسی میں دن نکال کر دکھانے کی مجال نہیں ہے۔ (القصص:۷۱)

اِسی طرح اگر اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ کرلیں کہ اَب ہمیشہ دن ہی رہے گا رات نہ آئے گی، تو کسی کی مجال نہیں ہے کہ دن کو رات سے بدل دے۔ (القصص:۷۲)

اِس لئے بلاشبہ وہی ''رب الفلق'' ہے۔

اِس کو اِس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جب انسان عدم سے وجود کی طرف آتا ہے تو گویا اندھیریوں سے روشنی کی طرف آتا ہے۔

مثلاً: جب ماں کے پیٹ میں تھا تو وہاں تاریکی تھی، پھر جب دنیا میں آنکھیں کھولیں تو اب روشنی دکھائی دی۔ تو ظاہر ہے کہ اِس روشنی سے نوازنے والی ذات بھی صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے۔

علاوہ اَزیں صبح طلوع ہونے کی تعبیر مصیبتوں سے نجات کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے۔ تو جس طرح رات کی اندھیری میں اِنسان صبح کی روشنی کا انتظار کرتا ہے، اِسی طرح شرور سے پناہ چاہنے میں بھی روشنی کے مالک اللہ عزوجل سے اِستعاذہ کرنا چاہئے۔ (مستفاد: تفسیر رازی/ سورۂ فلق ۱۶/۱۹۱ المکتبۃ التجاریۃ مکہ معظّمہ)

اِسی حسن مناسبت سے یہاں ''رَبُّ الفلق'' کا عنوان اختیار کیا گیا ہے، جو بہت ہی بصیرت اَفروز ہے۔

ہر طرح کے شر سے پناہ

اَب سوال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے کس چیز کی پناہ چاہنی چاہیے؟ تو اُس کے جواب میں اَولاً اجمالاً وضاحت کی گئی، پھر قدرے تفصیل سے رہنمائی فرمائی گئی۔

چناں چہ اِرشاد ہوا: ﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ (اُن تمام چیزوں کے شر سے جو اُس نے پیدا کی ہیں)

یہ اگر چہ ایک چھوٹا سا جملہ ہے؛ لیکن اتنا جامع ہے کہ اُس سے زیادہ اِس مضمون کی جامعیت کسی جملے میں نہیں ہوسکتی۔

مخلوقات میں شر کے پہلو

اِس کی قدرے وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کائنات میں جتنی بھی چیزیں ہیں وہ سب مخلوق ہیں، اور اللہ تعالیٰ اُن کا خالق ہے، اَب اُن تمام مخلوقات کے شر سے پناہ چاہی جارہی ہے۔

حضرت اَقدس شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ مخلوقات تین طرح کی ہیں:

(۱) بعض وہ ہیں جن کے اندر خیر غالب ہے؛ بلکہ وہ سراپا خیر ہیں، جیسے انبیاء علیہم السلام، فرشتے، اور اللہ کے مقرب بندے۔

(۲) اور بعض ایسی مخلوقات ہیں جن میں شر غالب ہے، جیسے شیاطین یا بدعمل اور بدکردار لوگ۔

(۳) اور تیسرے نمبر پر وہ مخلوقات ہیں جن کے اندر خیر وشر دونوں پہلو موجود ہیں، یعنی اگر غور کیا جائے تو اُن میں کسی اعتبار سے شر پایا جاتا ہے، اور دوسرے اعتبار سے خیر کا پہلو نکلتا ہے۔

مثلاً: مال ودولت اور اَولاد، اِن میں مختلف اعتبارات سے شر کا پہلو بھی پایا جاتا ہے، جیسے: حرام ذرائع سے مال ودولت کمائی جائے، یا حرام جگہوں پر خرچ کی جائے، یا مال فی نفسہٖ حلال ہو؛ لیکن اُس کی زکوٰۃ اَدا نہ کی جائے، تو یہ سب مال کے برے پہلو ہیں۔

اِسی طرح مال ودولت کا شر یہ بھی ہے کہ وہ کسی وجہ سے تباہ وبرباد یا چوری ہو جائے، وغیرہ، اِس سے بھی پناہ مانگنی چاہیے۔

لیکن دوسری طرف مال و دولت اور اَولاد میں بہت سے خیر کے پہلو بھی پائے جاتے ہیں، مثلاً: حلال ذرائع سے مال کما کر جائز جگہوں پر خرچ کیا جائے، تو یہ مال سراپا خیر ہی خیر ہوگا۔

اِسی طرح اَولاد کا معاملہ ہے، اگر وہ نیک، فرماں بردار اور اِطاعت گذار ہے تو وہ سراپا خیر ہے، اور اگر وہ بے اِیمان، بدعمل اور نافرمان ہے تو بلاشبہ وہ شر ہی شر ہے۔

اَب سوال یہ پیدا ہوا کہ جن مخلوقات میں شر کا پہلو پایا جاتا ہے، تو اُن سے پناہ مانگنا تو بالکل مناسب اور صحیح ہے؛ لیکن جو مخلوقات سراپا خیر ہی خیر ہیں، اُن سے پناہ مانگنے کا کیا مطلب؟

تو اِس کا جواب اِس طرح دیا گیا کہ یہاں انبیاء وملائکہ علیہم السلام وغیرہم کی ذات کے شر سے پناہ نہیں مانگی جارہی ہے؛ بلکہ اُن اَسباب سے پناہ مانگی جارہی ہے جو اَصحابِ خیر کی نسبت سے آدمی کے لئے محرومی کا سبب بن سکتے ہیں۔ مثلاً آدمی خدانخواستہ نبی کی رسالت پر اِیمان نہ لائے، وغیرہ۔ تو ظاہر ہے کہ یہ ایسا شر ہوگا جس سے ضرور پناہ مانگنی چاہئے۔ (مستفاد: تفسیر عزیزی ۶۸۸ فیض ابرار گجرات)

تو گویا کہ انبیاء اور اہلِ خیر کے شر سے پناہ مانگنا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ اُن کی نافرمانی کے شر سے پناہ مانگنا پیشِ نظر ہے، جس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

الغرض ﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ گوکہ ایک چھوٹا سا جملہ ہے؛ لیکن بہت جامع ہے، اِس سے اِجمالی طور پر تمام شرور سے پناہ مانگنے کا مضمون اُجاگر ہوتا ہے۔

لیکن اِس اِجمال کے بعد کچھ مزید تفصیل فرماتے ہوئے آگے تین باتوں کو خصوصاً ذکر فرمایا گیا؛ تاکہ مضمون اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے۔

رات کی اندھیری کے شر سے پناہ

(۱) چناں چہ آگے فرمایا گیا: ﴿وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ﴾ (اور میں اللہ کی پناہ میں آیا رات کی اندھیری سے جب وہ چھا جائے)

اِس بات کو الگ سے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر شیاطین جنات وانسان پر برا اثر ڈالنے کے لئے رات کے وقت کو استعمال کرتے ہیں۔

اِسی لئے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورج غروب ہونے کے وقت بچوں کو گھر سے

باہر جانے سے منع فرمایا ہے؛ کیوں کہ اِس وقت جنات وشیاطین عموماً پھیل جاتے ہیں۔ (بخاری شریف، کتاب الاشربۃ/ باب تغطیۃ الاناء حدیث:۵۶۲۳)

علاوہ اَزیں رات کی اندھیری میں سانپ، بچھو اور دیگر حشرات الارض اپنے اپنے بِلوں سے نکل کر راستوں پر آجاتے ہیں، اور اندھیرے کی وجہ سے اُن کا پتہ نہیں چلتا، جس کی بنا پر نقصان اور اذیت کا اندیشہ ہوتا ہے۔ (مستفاد: تفسیر قرطبی ۲۰/۲۳۰ دار الفکر بیروت)

نیز زیادہ تر جادو ٹونے کا عمل بھی رات ہی میں کیا جاتا ہے، تو جب دن کی روشنی ختم ہوجائے اور رات کی تاریکی چھا جائے، تو اُس رات میں جتنے بھی شرور ہوسکتے ہیں اُن سب سے علی الاطلاق پناہ چاہی جارہی ہے۔

جادوگروں کے شر سے پناہ

(۲) اُس کے بعد فرمایا: ﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ﴾ (اور میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں اُن عورتوں کے شر سے جو گرہوں پر (جادو کے جنتر منتر پڑھ کر) دم کرتی ہیں) جس کی وجہ سے آدمی پر جادو کا اثر ہوجاتا ہے، اُس کے شر سے بچنے کے لیے میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں پر خاص طور پر ﴿النَّفّٰثٰتِ﴾ (یعنی دم کرنے والی عورتوں کا تذکرہ کرنے کی دو وجہ ہوسکتی ہیں:

ایک وجہ تو یہ ہے کہ ''لبید ابن اَعصم'' نے اِس غلیظ حرکت میں اپنی بیٹیوں کو شامل کیا تھا، جنھوں نے جادو کی گرہیں لگا کر اُن پر دم کیا تھا۔ اِسی مناسبت سے اُن کے شر سے پناہ مانگی گئی۔ (تفسیر قرطبی ۲۰/۲۳۱ دار الفکر بیروت)

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ زیادت تر جادوگرنیاں اور ڈائنیں جادو کا عمل کرتی ہیں؛ حتیٰ کہ مرد جادوگر بھی جادوگرنیوں سے یہ عمل کراتے ہیں، اِس لئے خصوصاً اُن کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے، ورنہ تو جادوگر خواہ مرد ہوں یا عورتیں، اُن سب سے پناہ مطلوب ہے۔

جادو؛ ایک حقیقت

اور یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جادو کی اپنی ایک مخفی حقیقت ہے، جس کے اثرات اچھے

اور بُرے ہر طرح کے لوگوں پر پڑتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ نیک، متقی، پرہیز گار اور کامل ایمان والا اور کون ہوسکتا ہے؛ مگر آپؐ پر بھی جادو کا اثر ہوا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ جادو ایک طرح کا دنیاوی سبب ہے، تو جس طرح آدمی ٹھنڈک اور گرمی سے متاثر ہوتا ہے، اِسی طرح جادو سے بھی متاثر ہوسکتا ہے، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

البتہ جادو کا اثر نبی کی عقل پر نہیں ہوسکتا؛ اِس لئے کہ اُس کی حفاظت وعصمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے، مگر ظاہری بدن اور اعضاء وجوارح پر کوئی اثر ہونا یہ نبوت کی شان کے منافی نہیں ہے۔ (روح المعانی ۵۰۶/۳۰ زکریا)

اور جادو سے بچنے کی مؤثر تدبیر یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی عظیم الشان طاقت سے مدد لی جائے، اور اُسی سے پناہ چاہی جائے؛ اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طاقت کے سامنے کسی بھی جادوگر کا کوئی اثر ہرگز چلنے والا نہیں۔

پس جو شخص اللہ کی پناہ میں آجائے گا تو وہ ہر طرح کے جادو وغیرہ کے شر سے محفوظ رہے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

حاسدین کے شر سے پناہ

(۳) اور اخیر میں بدخواہوں کے شرور سے حفاظت کے لئے یہ آیت لائی گئی کہ ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾ (یعنی میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے)

حسد کا مطلب یہ ہے کہ ''آدمی یہ تمنا کرے کہ سامنے والے شخص کے پاس جو نعمت ہے وہ اُس سے چھن جائے، چاہے وہ مجھے ملے یا نہ ملے''، یہ بدترین قسم کا معاشرتی گناہ ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ یہ گناہ سب سے پہلے آسمانوں پر ابلیس لعین نے کیا تھا کہ اُس نے سیدنا حضرتِ آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے حسد کیا۔ اور دنیا میں بھی سب سے پہلے جو گناہ صادر ہوا

وہ بھی حسد ہی کا تھا کہ قابیل نے ہابیل سے حسد کیا؛ تا آں کہ اُس کو محض حسد کی بنا پر قتل کر ڈالا۔ (تفسیر قرطبی ۲۰/۲۳۲ دار الفکر بیروت، تفسیر عزیزی ۶۹۰)

اِس گناہ کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: حسد کرنے کی صفت ''اَلْحَالِقَةُ'' ہے، یعنی یہ دین کو مونڈنے والی صفت ہے۔ (مستفاد: الترغیب والترہیب مکمل ص: ۶۰۷ حدیث: ۴۳۸۳ بیت الافکار الدولیۃ)

اور ایک حدیث میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ، فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ''. (رواه أبو داؤد حديث: ۴۹۰۳، الترغيب والترهيب مكمل حديث: ۴۳۷۸) (یعنی تم لوگ حسد سے بچتے رہو؛ کیوں کہ حسد نیکیوں کو اِس طرح کھا جاتا ہے جیسے کہ آگ سوکھے ہوئے ایندھن کو بھسم کر دیتی ہے)

گویا کہ حسد کرنے والے کے دل سے دین داری، ایمان کی حلاوت اور چاشنی نکل جاتی ہے، اور وہ بشاشت اور قلبی اطمینان سے محروم ہو کر ظلمت اور تاریکی میں ڈوب جاتا ہے۔

یہاں ﴿اِذَا حَسَدَ﴾ کی قید لگانے سے اس طرف اِشارہ کرنا مقصود ہے کہ عموماً حسد کی بنا پر محسود کو تکلیف اُسی وقت پہنچتی ہے جب حاسد کی طرف سے قولاً یا عملاً حسد کا اظہار ہو، نعوذ باللہ من ذلک۔

ورنہ محض دل دل میں حسد رکھنے سے محسود کا کوئی نقصان نہیں ہوتا؛ بلکہ حاسد خود ہی اپنے حسد کی آگ میں جلتا بھنتا رہتا ہے۔

بہر حال مذکورہ آیات سے یہ نصیحت ملی کہ ہم سب کو ہوشیار رہنا چاہئے، اور ہر ایسے عمل سے بچنا چاہئے جو دنیا اور آخرت میں تکلیف اور بے اطمینانی کا سبب ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کی ہر طرح کے شرور سے حفاظت فرمائیں، دارین کی عافیت عطا فرمائیں، اپنی رضا اور خوشنودی سے مالامال فرمائیں، دین ہی پر زندگی اور دین ہی پر موت نصیب فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اشاعت: (۳۷)

شیطانی وساوس سے پناہ!

(تفسیر ''سورۂ ناس'')

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دارالتوحید بنگلور

ناشر

المرکز العلمی للنشر والتحقیق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہیے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۳۷)

موضوعِ خطاب	:	شیطانی وساوس سے پناہ! (تفسیر ''سورۂ ناس'')
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	مرادآباد
تاریخ	:	۱۴۴۲/۳/۲۸ھ مطابق ۲۰۲۰/۱۱/۱۵ء بروز اتوار
دورانیہ	:	۲۸/منٹ
جمع وضبط	:	(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی مدرسہ دارالتوحید بنگلور

○

الحمد للّٰہ رب العالمین، أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شریک له، وأشهد أن سیدنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلی اللّٰه تبارک وتعالیٰ علیه وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ وذریاتہٖ أجمعین، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ مَلِكِ النَّاسِ ○ اِلٰهِ النَّاسِ ○ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ○ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ○ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ صدق اللّٰه مولانا العلي العظیم

(ترجمہ:- آپ فرمایئے کہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب ○ لوگوں کے بادشاہ ○ اور لوگوں کے معبود کی ○ اُس کے شر سے جو پھسلا کر چھپ جائے ○ جو لوگوں کے دلوں میں خیالات ڈالتا ہے ○ (یہ وسوسے ڈالنے والے) جنات میں سے اور آدمیوں میں سے ○)

حضراتِ گرامی! یہ قرآنِ کریم کی سب سے آخری سورت ''سورۂ ناس'' ہے، جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور صرف ۶/ آیتوں پر مشتمل ہے۔

واضح ہو کہ یہ آخری دونوں سورتیں (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) ایک ساتھ نازل ہوئی تھیں، جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سے جادو کا اثر زائل فرمادیا تھا۔

اور واقعہ یہ ہے کہ اِن سورتوں میں دنیا وآخرت کے تمام شرور سے حفاظت کے معنوی اَسباب سب جمع کردئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تین صفات لانے کی حکمت

''سورۂ فلق'' کے اندر ظاہری طور پر مخلوقات بالخصوص اِنسانوں کی طرف سے پیش آمدہ شرور سے پناہ مانگی گئی ہے، اور اُن سب کے لئے اللہ تعالیٰ کی صرف ایک صفت یعنی ''ربُ الفلق'' ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔

لیکن ''سورۂ ناس'' میں جب شیطانِ لعین کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی گئی، تو اللہ تعالیٰ کی لگاتار تین صفات ذکر فرمائی گئی ہیں۔ یعنی: (۱) رَبِّ النَّاسِ (لوگوں کا رب) (۲) مَلِكِ النَّاسِ (لوگوں کا بادشاہ) (۳) اِلٰهِ النَّاسِ (لوگوں کا معبود) اور اِن صفات کو ذکر کرکے شیطانِ لعین کے شر سے پناہ چاہی گئی ہے۔

تو اِس کی حکمت بیان کرتے ہوئے حضرت اَقدس مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدثِ دہلوی رحمہ اللہ علیہ نے اِرشاد فرمایا کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِنسان کے اندر جو صفات رکھی ہیں اُن میں تین باتیں بہت اہمیت رکھتی ہیں، جن کے ذریعہ سے شیطان اِنسان کو گمراہ کرتا ہے اور راہِ حق سے ہٹا دیتا ہے۔

(۱) اُن میں سے پہلی صفت ''شہوت ولذت'' ہے۔ پس شیطان اِنسان کے اندر شہوانی خیالات کو اُبھارتا ہے، جس سے متاثر ہوکر آدمی حلال کو چھوڑ کر حرام کی طرف چل پڑتا ہے۔

(۲) دوسری صفت ''غضب'' ہے، یعنی بے جا غصہ کی کیفیت۔ چناں چہ شیطان اِنسان کو خوب غصہ دلاتا ہے، جس کی بنا پر وہ ظلم وتعدی پر اُتر جاتا ہے، اور عالم میں فتنہ وفساد رونما ہوجاتا ہے۔

(۳) اور تیسری صفت اتباعِ ہویٰ (نفسانی خواہشات کی پیروی) ہے۔ جس کی بنا پر بدفکری اور کج روی کی صورتیں نمودار ہوتی ہیں۔

پس غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مذکورہ بالا تینوں صفات کو استعمال کرکے شیطان اِنسان کو

راہِ حق سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔

لہٰذا اِن تینوں کی مناسبت سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی تین صفات ذکر کی گئیں۔

الف:- شہوت کی صفت کے مقابلے میں **"رَبِّ النَّاسِ"** لایا گیا، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پوری کائنات کا رب اور مالک ہے؛ لہٰذا جب انسان اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت پر نظر کرے گا تو شہوت کے اندر کبھی بے لگام نہیں رہے گا؛ بلکہ اپنے مربی اور محسن حقیقی کی تعلیمات پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرے گا۔

ب:- اور اگر کسی اِنسان پر صفتِ غضب حاوی ہونے لگے، تو اُسے **"مَلِکِ النَّاسِ"** کا خیال دل میں لانا چاہئے، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی سلطنت، بادشاہت، شان وشوکت اور بدلہ لینے کی قدرت پر جب نظر پڑے گی تو آدمی دوسروں پر ظلم کرنے سے بہرحال ڈرے گا، اور اپنی بڑائی ساری دل سے نکل جائے گی۔

ج:- اِسی طرح نفسانی خواہشات اور باطل نظریات کا جب غلبہ ہو، تو **"اِلٰهِ النَّاسِ"** کا تصور دل میں بٹھایا جائے، کہ جب وہ معبودِ حقیقی ہے تو اُس کی خوشنودی کو نظر انداز کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہی "واجب الطاعۃ" اور "عالم الغیب والشہادۃ" ہے۔

(مستفاد: تفسیر عزیزی جدید ۶۹۳ فیض ابرار انکلیشور گجرات)

تو اِسی مناسبت سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی تین صفات یہاں پر لائی گئیں اور اُن سے استعاذہ کیا گیا ہے؛ کیوں کہ شیطان کے حملے سے بچنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد اور اُس کی عظمت کے استحضار کے علاوہ کوئی چیز ہمارے لئے کارآمد نہیں ہوسکتی۔

اِنسان کا سب سے بڑا دشمن

یہ بات ہمیں اپنے دل کی گہرائی میں جاگزیں کرلینی چاہئے کہ شیطان ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے۔ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا: ﴿**اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا، اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَکُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ**﴾ [الفاطر: ٦] (یعنی شیطان تمہارا دشمن ہے؛ لہٰذا

تم اُس کے ساتھ دشمن جیسا معاملہ کرو، وہ اپنی جماعت کو (برائی کی) دعوت دیتا ہے؛ تاکہ وہ سب (اُس کی طرح) جہنمی ہو جائیں)

دنیا میں اِنسان کو بہت سے دشمنوں سے سابقہ پڑتا ہے، کبھی اپنی ہی جنس کا دوسرا اِنسان دشمن بن جاتا ہے، جس کی وجہ سے بہت سے جانی اور مالی نقصانات اُٹھانے پڑتے ہیں۔ اسی طرح کچھ جانور مثلاً سانپ، بچھو، شیر، اور درندے وغیرہ کی انسان سے پیدائشی دشمنی ہے۔ اگر کبھی انسان ان دشمنوں کے نرغے میں پھنس جاتا ہے تو جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ گھروں کی عمارت ایسی بنائی جاتی ہے کہ دشمن وہاں راہ نہ پاسکیں۔ پہرے داری کے لئے ملازم رکھے جاتے ہیں کہ دشمن ناگاہ غفلت میں حملہ نہ کردیں۔ اگر کسی راستہ میں دشمنوں کے غلبہ کی خبر ملتی ہے تو وہ راستہ ہی بدل دیا جاتا ہے تاکہ سفر امن وعافیت سے طے ہو جائے۔ وغیرہ۔

مگر یہ جتنے بھی دشمن ہیں خواہ اِنسان کے قبیل سے ہوں یا کسی اور جانور کی قبیل سے، اِن سب کی دشمنیوں کا اثر نہایت محدود ہے؛ اِس لئے کہ اگر دشمن مالی نقصان پہنچائے تو اس کی بھی تلافی آسان ہے، اور جسم کو نقصان پہنچائے تو کچھ دنوں میں اس کی صحت کا بھی امکان ہے۔ اور بالفرض اگر یہ دنیوی دشمن انسان کی جان کے خاتمہ کا سبب بن جائے تو بھی یہ نقصان صرف دنیوی زندگی تک ہی محدود رہے گا۔ مرنے کے بعد کی زندگی میں اس دشمنی سے کسی کو نقصان کی امید نہیں ہے بلکہ ممکن ہے کہ شہادت کی موت انسان کے درجات کو بلند سے بلند کردے۔

لیکن ہمارے سب سے بڑے دشمن ''شیطان'' کی بدترین دشمنی نہ صرف یہ کہ دنیا کے اندر بھیانک شکل میں ظاہر ہوتی ہے؛ بلکہ مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی اس کی دشمنی کے بدترین نتائج سامنے آئیں گے۔

سوچنے کی بات ہے کہ اس مشینی دور میں جب کہ ہر دشمن سے بچاؤ کے لئے بہترین سے بہترین تدبیریں ایجاد کرلی گئی ہیں، وہاں اس بدترین ''دشمن اعظم'' سے بچاؤ میں انسان کامیاب کیوں نہیں ہے؟

اِس کی وجہ واضح ہے کہ انسان اس دشمن کو دشمن سمجھتا ہی نہیں ہے؛ بلکہ برابر اس سے دوستی کی

پینگیں بڑھاتا جارہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب دشمن کی دشمنی کا احساس ہی معدوم ہو تو اس سے بچنے کا جذبہ کیسے بیدار ہوسکتا ہے؟

اِسی حقیقت کو سامنے رکھ کر قرآنِ کریم نے مذکورہ آیت میں ہمیں متنبہ کیا ہے کہ شیطان سے دشمن جیسا معاملہ کرو، جب ہی تم اُس کے نقصان دہ اثرات سے محفوظ رہ سکتے ہو۔ یہ قرآنِ کریم کی نہایت اہم ہدایت ہے۔

اِنسان پر شیطان کی اَثر اَندازی

شیطان اِنسان پر کیسے اَثر ڈالتا ہے؟ اِس کی بہت سی شکلیں ہوسکتی ہیں۔

مثلاً: عقیدے اور نظریہ کے اعتبار سے فاسد خیالات ذہن میں پیدا کرتا ہے، جس سے اِنسان راہِ حق سے بھٹک جاتا ہے۔

شیطان بڑا ہوشیار ہے، وہ موقع محل اور شخصیت کے اعتبار سے ایسی ملمع سازی کرتا ہے کہ آدمی کو اُس کے دھوکے کا اندازہ بھی نہیں ہوتا؛ حتیٰ کہ کبھی بظاہر خیر کے کام پر آمادہ کرتا ہے؛ لیکن اُس کے ساتھ کوئی ایسا کام کرادیتا ہے، جس سے اَجر وثواب غارت ہوجاتا ہے۔

مثلاً: صدقہ وخیرات کی طرف بلاتا ہے؛ لیکن فقیر کی حقارت دل میں پیدا کردیتا ہے، یا اُس پر احسان جتلاتا ہے، تو صدقہ وخیرات کا سارا ثواب اَکارت ہوجاتا ہے۔

اِسی طرح نماز کی طرف بلاتا ہے؛ لیکن دل میں ریا اور دکھاوے کا جذبہ پیدا کردیتا ہے، جس کی وجہ سے نماز کا سارا ثواب غارت ہوجاتا ہے۔

علاوہ اَزیں جن لوگوں کے اندر کچھ ذہانت ہوتی ہے، تو اُن کو اُنہی کے مزاج کے مطابق گمراہی کے راستے سجھاتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں بےنتیجہ رائے زنی یا احکامِ شریعت کے اسرار ورموز کے متعلق بےبنیاد قیاس آرائیوں میں ذہن کو مشغول کردیتا ہے، یا جو واقعات صدیوں پہلے دورِ اول میں پیش آچکے، اُن کے بارے میں اِس بحث میں لگادیتا ہے کہ کیا حق تھا اور کیا ناحق؟ کون صحیح تھا اور کون غلط؟ وغیرہ۔ (مستفاد: تفسیر عزیزی جدید ۶۹۸ فیض اَبرار انکلیشور گجرات)

حالاں کہ یہ ایسی بحثیں ہوتی ہیں جن کا دنیا یا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہے، اور اُن کے متعلق آخرت میں ہم سے کوئی سوال ہونے والا نہیں ہے؛ لیکن شیطان محض ہماری دشمنی کی بنیاد پر ہم میں سے بہت سے واقف کار اور سمجھ دار لوگوں کو ایسی لغو بحثوں میں اُلجھا کر ضائع کر دیتا ہے۔

جیسا کہ ماضی قریب میں متعدد معروف لوگوں پر یہ خبط سوار ہوا کہ وہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان پیدا شدہ اختلافات وتنازعات میں بزعم خود فیصل بن گئے، اور اِس جوش جنون میں اِس قدر آگے بڑھے کہ اپنی تحریر وتقریر میں آداب ومروت کی ساری حدوں کو پار کرڈالا، اور جمہور اہل حق کے موقف کو پیروں تلے روند ڈالا۔ بلاشبہ یہ سب شیطانی اثر ورسوخ کی کاری گری ہے، اور ہم سب کے لئے موجب عبرت ہے، نعوذ باللہ من ذلک۔

شیطان کی ضرر رسانی کے درجات

علامہ بدرالدین شبلی اپنی مشہور کتاب ''آکام المرجان فی احکام الجان'' میں نقل کرتے ہیں کہ شیطان لعین کے انسان کو نقصان پہنچانے کے ۶ ؍درجات ہیں۔

(۱) پہلے مرحلہ میں وہ انسان کو کفر وشرک میں ملوث کرنے پر محنت کرتا ہے۔ اگر اس میں اسے کامیابی مل جائے تو پھر اس آدمی پر اسے مزید کسی محنت کی ضرورت باقی نہیں رہتی؛ کیوں کہ کفر وشرک سے بڑھ کر کوئی نقصان کی بات نہیں ہے۔

(۲) اگر آدمی (بفضل خداوندی) کفر وشرک پر راضی نہ ہو تو دوسرے مرحلہ میں ''شیطان لعین'' اسے بدعات میں مبتلا کر دیتا ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ شیطان کو فسق وفجور اور معصیت کے مقابلہ میں بدعت زیادہ پسند ہے؛ اس لئے کہ دیگر گناہوں سے تو آدمی کو توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے۔ مگر بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی (اس لئے کہ وہ بدعت کو ثواب سمجھ کر انجام دیتا ہے تو اُسے توبہ کا خیال بھی نہیں آتا)

(۳) اگر آدمی بدعت سے بھی محفوظ رہے تو شیطان تیسرے مرحلہ میں اسے فسق وفجور اور بڑے بڑے گناہوں میں ملوث کرنے کی کوشش کرتا ہے (مثلاً بدکاری، قتل، جھوٹ یا تکبر، حسد وغیرہ)

(۴) اگر آدمی بڑے گناہوں سے بھی بچ جائے تو شیطان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ کم از کم آدمی کو صغیرہ گناہوں کا ہی عادی بنا دے؛ کیوں کہ یہ چھوٹے چھوٹے گناہ کبھی اتنی مقدار میں جمع ہوجاتے ہیں کہ وہ انہی کی وجہ سے مستحق عذاب بن جاتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ ''تم لوگ حقیر سمجھے جانے والے گناہوں سے بچتے رہو؛ اِس لئے کہ اُن کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ کسی جنگل میں پڑاؤ ڈالیں اور ہر آدمی ایک ایک لکڑی ایندھن لائے؛ تا آنکہ ان کے ذریعہ بڑا الاؤ جلا کر روٹی پکائی جائے''۔ (مسند احمد حدیث: ۲۲۸۰۸) (تو یہی حال چھوٹے گناہوں کا ہے کہ وہ جمع ہوتے ہوتے بڑی تباہی کا سبب بن جاتے ہیں)

(۵) اور جب شیطان کا مذکورہ کاموں میں سے کسی مرحلہ میں بھی بس نہیں چلتا تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ انسان کو ایسے مباح کاموں میں لگا دے جن میں کسی ثواب کی امید نہیں ہوتی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس وقت میں انسان نیکیاں کر کے عظیم ثواب کا مستحق بن سکتا ہے، وہ وقت بلا کسی نفع کے گذر کر ضائع ہوجاتا ہے۔

(۶) اگر آدمی مذکورہ بالا ہر مرحلہ پر شیطان کے دام فریب میں آنے سے بچ جائے تو آخری مرحلہ میں شیطان انسان کو افضل اور زیادہ نفع بخش کام سے ہٹا کر معمولی اور کم نفع بخش کام میں لگانے کی کوشش کرتا ہے؛ تاکہ جہاں تک ہوسکے اِنسان کو فضیلت کے ثواب سے محروم کرسکے۔

(آکام المرجان ۱۲۶-۱۲۷)

(اِس سلسلے میں مزید تفصیل علامہ ابن القیم الجوزیؒ کی شہرۂ آفاق کتاب ''تلبیس ابلیس'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، جو خصوصاً علماء کے لئے انتہائی چشم کشا اور مفید کتاب ہے)

معلوم ہوا کہ شیطان انسان کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع بھی ضائع کرنا نہیں چاہتا، افسوس ہے کہ ایسے بدترین دشمن سے آج ہم غافل ہی نہیں؛ بلکہ بالفاظ دیگر اُس کے پکے دوست بنے ہوئے ہیں۔ معاشرہ میں شیطانی اَعمال عام ہیں اور حد یہ ہے کہ ہمیں اُن کی خرابی کا احساس تک نہیں ہے۔

شیطان کی دغا بازی

شیطانِ لعین جب عالم بالا میں سیدنا حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ

سے راندۂ درگاہ کیا گیا، تو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اُن کی پوری ذریت سے عناد اور دشمنی اُس کے دل میں بیٹھ گئی، اور اُس نے نہایت متکبرانہ انداز میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بنوآدم کو حتی الامکان راہِ حق سے ہٹانے کا عہد کیا۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اُس کی طرف سے یہ جملہ نقل کیا گیا ہے:

﴿قَالَ اَرَاَیْتَکَ هٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَهٗ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ [بنی اسرائیل: ٦٢] (کہنے لگا بھلا دیکھو تو! یہ شخص (آدم علیہ السلام) جس کو آپ نے مجھ پر عزت بخشی ہے، اگر آپ مجھے قیامت تک ڈھیل دیں تو میں اُس کی اولاد کو چند کو چھوڑ کر قابو میں کرلوں گا)

چناں چہ اِسی عہد اور عزم کے موافق شیطان اور اُس کی پوری پلٹن اِنسانوں کو گمراہ کرنے اور غلط راستے پر چلانے میں لگی ہوئی ہے۔ اُس کی طرف سے اِنسان کو سبز باغ دکھائے جاتے ہیں، اور جھوٹے وعدے کرائے جاتے ہیں، پس جو اُس کے جال میں پھنس جائے گا وہ برباد ہوجائے گا؛ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابلیس کے جواب میں فرمایا ہے: ﴿قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُکُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا. وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِکَ وَاَجْلِبْ عَلَیْهِمْ بِخَیْلِکَ وَرَجِلِکَ وَشَارِکْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطَانُ اِلَّا غُرُوْرًا. اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا﴾ [بنی اسرائیل: ٦٣-٦٥] (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جا! جو اُن میں سے تیری پیروی کرے گا تو تم سب کی بھرپور سزا جہنم ہے۔ اور تو اپنی طاقت بھر چیخ وپکار سے اُن کو جتنا چاہے گھبرالے، اور اُن پر اپنے سوار اور پیدل (لشکر) چڑھادے۔ اور اُن کے مال اور اَولاد میں اپنا ساجھا کرلے، اور اُن سے وعدے کرلے؛ حالاں کہ شیطان کے وعدے صرف دھوکہ ہی دھوکہ ہیں۔ بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا، اور تیرا رب کافی ہے کارساز)

اور ایک اور جگہ قرآنِ کریم میں صاف طور پر فرمایا گیا: ﴿وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ٢٩] (یعنی شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے)

غزوۂ بدر میں اِبلیس کی غداری

اِسلام کا سب سے پہلا معرکہ ہجرت کے بعد ''بدر'' کے میدان میں پیش آیا، ایک طرف نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ۳۱۳ رصحابہ کے لشکر کے ساتھ تھے (جن کے پاس پورے ہتھیار بھی نہ تھے) دوسری طرف اہل مکہ کا لشکر تھا، جو بڑے بڑے نامور سرداروں پر مشتمل اور آلاتِ حرب سے پوری طرح لیس تھا۔ اِس موقع پر شیطانِ لعین بھی اِسلام کے مقابلے میں بڑے جوش میں تھا، اور وہ ''بنوکنانہ'' کے بڑے سردار ''سراقہ بن مالک'' کی صورت میں مشرکین کے لشکر میں جا کر اُن کا حوصلہ بڑھا رہا تھا، اور یہ کہہ رہا تھا کہ آج تمہیں کوئی نہیں ہرا سکتا، میں اپنی پوری فوج کے ساتھ تمہارا پشت پناہ اور حمایتی ہوں؛ لیکن ہوا یہ کہ جب جنگ شروع ہوئی اور دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں اور اِبلیس نے دیکھا کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حمایت کے لئے خدائی فوج یعنی فرشتے آئے ہوئے ہیں، تو وہ عین جنگ کے دوران اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا، اور جب مشرکین نے اُسے روکنا چاہا اور عار دلائی، تو وہ کہنے لگا کہ ''جو منظر میں دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ پارہے ہو، اگر میں ٹھہرا رہا تو اللہ کے عذاب سے بچ نہیں پاؤں گا''۔

اِسی منظر کو قرآنِ پاک کی اِس آیت میں بیان کیا گیا ہے: ﴿وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ، فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ [الأنفال: ٤٨] (اور جس وقت شیطان نے اُن کے اَعمال کو اُن کے لئے خوش نما کر دیا اور بولا کہ آج تم پر لوگوں میں سے کوئی غالب نہ ہوگا، اور میں تمہارا پشت پناہ ہوں، پھر جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں، تو وہ ایڑیوں کے بل بھاگ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں تم سے بری ہوں، اور میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، اور مجھے اللہ کا ڈر ہے اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والے ہیں۔

اِس موقع پر شیطان نے سراقہ بن مالک کی جو صورت اپنائی تھی، وہ بھی سراسر فریب تھی، اِسی لئے بعد میں جب ''بنو کنانہ'' کے اصلی سردار ''سراقہ بن مالک'' سے اِس واقعہ کے بارے میں پوچھا گیا تو اُنھوں نے اِس بات سے صاف لاعلمی ظاہر کی۔ (معارف القرآن ۴/۲۵۷ ربانی بک ڈپو دہلی)

اِس سے اِبلیس لعین کی دغابازی کی جبلت کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، نعوذ باللہ منہ۔

آخرت میں برأت

حد تو یہ ہے کہ شیطان لعین آخرت میں اپنے متبعین سے بھی برملا برأت کا اِظہار کردے گا، اور اُس کے فریب خوردہ پیروکار منہ دیکھتے رہ جائیں گے؛ گویا کہ شیطان کا مکروہ کردار یہ ہے کہ وہ دنیا میں لوگوں کو برائی اور کفر وشرک پر ورغلاتا ہے؛ لیکن جب آخرت میں رب العالمین کے دربار میں حاضری ہوگی، تو وہ صاف طور پر کفار ومشرکین سے الغرض ہوجائے گا۔ اور بالآخر انجام یہی ہوگا کہ نہ تو شیطان عذابِ خداوندی سے بچ پائے گا اور نہ اُس کے متبعین بچیں گے؛ چناں چہ قرآنِ پاک میں فرمایا گیا: ﴿كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِیْنَ. فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِی النَّارِ خَالِدَیْنِ فِیْهَا وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ.﴾ [الحشر: ١٦-١٧] (جیسے شیطان کی مثال جب وہ انسان سے کہتا ہے کہ تو منکر ہوجا، پھر جب وہ منکر ہوگیا (اور آخرت میں پہنچ گیا) تو شیطان کہے گا کہ میں تجھ سے بری ہوں، اور میں خود اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ پھر اِن دونوں (شیطان اور اُس کے پیروکاروں) کا انجام یہی ہے کہ وہ دونوں جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہی گنہگاروں کی سزا ہے)

اور سورۂ ابراہیم میں اِس بات کی منظرکشی اِس طرح کی گئی ہے: ﴿وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطَانٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ، مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ، اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ، اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ [ابراهیم: ٢٢] (اور جب (قیامت میں) فیصلہ ہوچکے گا تو شیطان کہے گا کہ

اللہ تعالیٰ نے تم سے سچے وعدے کئے تھے، اور میں نے جو تم سے وعدے کئے تھے، اُن میں وعدہ خلافی کی، اور میرا تم پر کوئی زور نہ چلتا تھا سوائے اِس کے کہ میں نے تم کو (کسی بات کی طرف) بلایا تھا، پھر تم نے میری بات مان لی؛ لہٰذا (صرف) مجھے ہی ملامت نہ کرو؛ بلکہ اپنے آپ کو بھی ملامت کرو (اپنا منہ پیٹ لو) نہ میں تمہارا مددگار ہوں اور نہ تم میرے مددگار، میں تمہارے اِس فعل سے بیزار ہوں کہ تم نے مجھے اِس سے پہلے شریک بنایا تھا، یقیناً ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے)

اِس آیت کی تفسیر میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''حساب وکتاب کے بعد جب جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے کا فیصلہ ہو چکے گا، اُس وقت کفار دوزخ میں جاکر یا داخل ہونے سے پہلے اِبلیس لعین کو اِلزام دیں گے کہ مردود تو نے دنیا میں ہماری راہ ماری، اور اِس مصیبت میں گرفتار کرایا، اَب کوئی تدبیر مثلاً سفارش وغیرہ کا انتظام کر؛ تاکہ عذابِ الٰہی سے رہائی ملے، تو اِبلیس اُن کے سامنے لیکچر دے گا، جس کا حاصل یہ ہے کہ بے شک حق تعالیٰ نے صادق القول پیغمبروں کے توسط سے ثواب وعقاب اور دوزخ وجنت کے متعلق سچے وعدے کئے تھے، جن کی سچائی دنیا میں دلائل وبراہین سے ثابت تھی، اور آج مشاہدہ سے ظاہر ہے، میں نے اُس کے بالمقابل جھوٹی باتیں کہیں اور جھوٹے وعدے کئے، جن کا جھوٹ ہونا وہاں بھی اَدنیٰ فکر وتأمل سے واضح ہوسکتا تھا، اور یہاں تو آنکھ کے سامنے ہے، میرے پاس نہ حجت وبرہان کی قوت تھی، نہ ایسی طاقت رکھتا تھا کہ زبردستی تم کو ایک جھوٹی بات کے ماننے پر مجبور کر دیتا، بلاشبہ میں نے بدی کی تحریک کی، اور تم کو اپنے مشن کی طرف بلایا، تم جھپٹ کر خوشی سے آئے، اور میں نے جدھر شہ دی اُدھر ہی اپنی رضا ورغبت سے چل پڑے، اگر میں نے اغوا کیا تھا تو تم ایسے اندھے کیوں بن گئے کہ نہ دلیل سنی اور نہ دعوے کو پرکھا اور آنکھیں بند کر کے پیچھے ہولئے؟ انصاف یہ ہے کہ مجھ سے زیادہ تم اپنے نفسوں پر ملامت کرو، میرا جرم اِغوا بجائے خود رہا؛ لیکن مجھے مجرم گردان کر تم کیسے بری ہوسکتے ہو؟ آج تم کو مدد دینا تو درکنار؛ خود تم سے مدد لینا بھی ممکن نہیں، ہم اور تم دونوں اپنے اپنے جرم کے موافق سزا میں پکڑے ہوئے ہیں، کوئی ایک

دوسرے کی فریاد کو نہیں پہنچ سکتا، تم نے اپنی حماقت سے دنیا میں مجھ کو شریک ٹھہرایا (یعنی بعض تو براہِ راست شیطان کی عبادت کرنے لگے، اور بہتوں نے اُس کی باتوں کو ایسی طرح مانا اور اُس کے احکام کے سامنے اِس طرح سر تسلیم وانقیاد خم کیا، جو خدائی احکام کے آگے کرنا چاہئے تھا) بہرحال اپنے جہل وغباوت سے جو شرک تم نے کیا تھا، اِس وقت میں اُس سے منکر اور بے زار ہوں۔ (حاشیہ عثمانی بر ترجمہ شیخ الہند ۳۴۲ مجمع الملک فہد المدینۃ المنورۃ)

بہرحال دنیا اور آخرت میں شیطان لعین سے بڑا دھوکہ باز اور دغا باز کوئی اور نہیں ہوسکتا، یہی ہمارا سب سے بڑا دشمن اور سراسر فریبی ہے، ہر شخص کو اُس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اور اُس کے لئے سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ آدمی بکثرت زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رکھے، اور دل میں اُس کی یاد بٹھائے رہے، اور حتی الامکان شیطانی ونفسانی تقاضے پر عمل کرنے سے بچے، اور زیادہ وقت اچھے ماحول میں گذارے، تو اِن شاء اللہ ہر طرح کی شیطانی سازشوں سے محفوظ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

بے حیائی کو فروغ

شیطان کا ایک انتہائی اہم مشن یہ ہے کہ وہ پوری اِنسانیت کو عریانیت اور بے حیائی میں مبتلا کردینا چاہتا ہے؛ گویا کہ فواحش کی اِشاعت شیطان کا بڑا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ اِس پر متنبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا: ﴿الشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَّاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ [البقرة: ٢٦٨] (یعنی شیطان تمہیں تنگ دستی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی طرف سے بخشش اور فضل کا وعدہ دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بہت وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے)

اور دوسری جگہ اِرشاد ہے: ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا، اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ، اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ. وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا

وَجَدْنَا عَلَيْهَا اٰبَآئَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا، قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ، اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [الأعراف: ٢٧-٢٨] (اے آدم کی اَولاد! تم کوشیطان نہ بہکائے، جیسا کہ اُس نے تمہارے ماں باپ (حضرت آدم وحوا علیہما السلام) کو جنت سے نکلوایا، اور اُن سے اُن کے کپڑے اُتروادئے؛ تا کہ اُن کو اُن کی شرم گاہیں دکھلائے، وہ شیطان اور اُس کی قوم کے لوگ تمہیں وہاں بھی دیکھتے ہیں جہاں سے تم اُن کونہیں دیکھتے، اور ہم نے شیاطین کو اِیمان نہ لانے والے لوگوں کا رفیق بنادیا ہے۔ اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اِسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے، اور اللہ نے ہم کو اِسی کا حکم دیا ہے، تو آپ فرمادیجئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بے حیائی کی بات کا حکم نہیں دیتا، تم اللہ پر ایسی باتیں کیوں لگاتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے)

اِس کی تفسیر کرتے ہوئے حضراتِ مفسرین لکھتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں قریش کے علاوہ دیگر قبائل کے لوگ جب حج یا عمرے کے لئے مکہ معظّمہ آتے اور اُنہیں نئے کپڑے یا قریش کی طرف سے دئے ہوئے عاریت کے کپڑے دستیاب نہ ہوتے، تو وہ سب مرد وعورت مادرزاد ننگے ہوکر بیت اللہ شریف کا طواف کیا کرتے تھے، اور شیطان نے اُن کو یہ پٹی پڑھا رکھی تھی کہ جن کپڑوں میں سال بھر گناہ کرتے ہو، اُنہیں پہن کر بیت اللہ کا طواف کیسے کیا جاسکتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل/ الاعراف ص:۵۱۹ دارالسلام ریاض)

اور جیسے جیسے قیامت کا وقت قریب آرہا ہے، دنیا میں عریانیت عام ہوتی جارہی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اب بے حیائی کو عیب نہیں؛ بلکہ فیشن سمجھ لیا گیا ہے، اور بے پردگی کو ترقی کا خوب صورت عنوان دے کر سندِ جواز عطا کردی گئی ہے۔ آج حالت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص شرم وحیا اور عورت کے پردے کی بات کرتا ہے، تو معاشرہ کا ایک بڑا طبقہ ہاتھ دھوکر اُس کے پیچھے پڑجاتا ہے، اور اُسے ترقی کا دشمن قرار دیتا ہے؛ گویا کہ ان شیطان کے کارندوں کے نزدیک بے ہودگی اور بے لباسی ہی سب سے بڑی ترقی اور اُن کی مزعومہ انسانیت کی علامت ہے۔

پہلے دور میں متعدد وجوہ سے بے حیائی کے مناظر اور مجلسیں نسبۃً کم نظر آتی تھیں؛ لیکن اب نت نئے آلات اور انٹرنیٹ کی عام اور سستی سہولت میسر آنے کی وجہ سے فواحش کا سیل رواں ہر ہر آدمی کے ہاتھ تک پہنچ چکا ہے، جس کی وجہ سے نوجوان نسل اخلاقی اعتبار سے تباہی کے دہانے تک پہنچ گئی ہے، مسلسل بدنظری کی وجہ سے عبادات کی لذت معدوم ہوتی جارہی ہے، اور اعمالِ صالحہ ضائع ہورہے ہیں، اور اس ماحول سے شیطان اور اُس کی ذریت بہت مطمئن اور مسرور ہے؛ اِس لئے کہ آدمی میں اگر حیا ہی نہ رہے تو پھر اُس میں اور جانور میں کوئی فرق نہیں رہتا، اور جو چاہتا ہے کرتا ہے، اُسے کسی بات میں بھی عار محسوس نہیں ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ''إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِيْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ''. (صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء صلوات الله عليهم / باب رقم: ٣٤٨٤) (یعنی جب تجھ میں حیا ہی نہ رہے تو جو چاہے کر)

اور ایک ضعیف حدیث میں یہ مضمون وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے: ''اَلنَّظْرُ سَهْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ إِبْلِيْسَ، مَنْ تَرَكَهَا مِنْ مَخَافَتِيْ أَبْدَلْتُهُ إِيْمَانًا يَجِدُ حَلَاوَتَهُ فِيْ قَلْبِهِ''. (مجمع الزوائد ٦٦/٨، المعجم الكبير للطبراني ٢١٤/١٠) (یعنی بدنظری ابلیس کے زہر سے بجھے ہوئے تیروں میں سے ایک تیر ہے، پس جو بندہ اُس کو میرے ڈر سے چھوڑ دے تو میں اُس کے بدلے میں اُسے ایسا اِیمان عطا کرتا ہوں جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں محسوس کرتا ہے)

اِس کے برخلاف جو شخص بدنظری کا عادی ہوجائے، اُس کے دل سے اِیمانی حلاوت جاتی رہتی ہے، اور عبادات کی لذت ختم ہوجاتی ہے، اور ذہن ودماغ ظلمتوں سے بھر جاتا ہے، نعوذ باللہ من ذلک۔

اَب ظاہر ہے کہ اس صورتِ حال میں اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق کے بغیر شیطانی مکائد سے بچنا محال ہے، اِس لئے ہر وقت خصوصاً اِس سلسلے میں شیطانی وساوس اور گندے خیالات سے پناہ مانگنا ضروری اور لازم ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

بغض وعناد؛ شیطان کا محبوب مشغلہ

دنیا میں اَمن وسکون کے لئے آپس میں اتحاد واتفاق اور دلوں میں ایک دوسرے کے لئے ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات کا ہونا لازم اور ضروری ہے، اِس کے بغیر پرسکون زندگی کا تصور محال ہے؛ لیکن شیطانِ لعین کو یہ اَمن واَمان ہرگز گوارا نہیں، اِس لئے اُس کی پوری کوشش یہی رہتی ہے کہ ذاتی معاملات میں آپس میں لڑائی کی آگ بھڑکائے، قتل وخوں ریزی اور تہمت وبہتان طرازی کا بازار گرم کرے، یہی اِس ملعون کا سب سے محبوب مشغلہ ہے۔ اِس کے لئے وہ ہر ایسا سبب اختیار کرتا ہے جس سے دلوں میں نفرتیں پیدا ہوں، اور ماحول زہریلا ہوجائے۔ قرآنِ پاک میں اِرشاد فرمایا گیا:

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ. (المائدة: ۹۱)

شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تم میں دشمنی اور نفرت ڈال دے، اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔

شراب پی کر جب آدمی کی عقل جاتی رہتی ہے، تو وہ عموماً بلاوجہ بھی لڑ پڑتا ہے، اسی طرح جواری اور سٹاری لوگوں میں ہار جیت پر سخت جھگڑے اور فساد برپا ہوتے ہیں، جس سے شیطان کو بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے، پھر ان حرکتوں کی وجہ سے ذکر اور نماز سے دوری بھی مشاہدہ میں آتی ہے، یہ سب باتیں شیطان کے مشن میں داخل ہیں۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا:

إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَئِسَ أَنْ يَّعْبُدَهُ الْمُصَلُّوْنَ فِي جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ، وَلٰكِنْ فِي التَّحْرِيْشِ بَيْنَهُمْ.

(صحیح مسلم ۳۷۶/۲ رقم: ۲۸۱۲)

شیطان اس بات سے تو قطعاً مایوس ہے کہ جزیرۃ العرب میں لوگ اس کی عبادت کریں؛ لیکن وہ ان کے درمیان نفرت اور بغض وعداوت پیدا کرنے میں لگا ہوا ہے۔

اِس حدیث کی صداقت ہم کھلے آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ حقیر مفادات کی خاطر خود

مسلمانوں کے درمیان مختلف ممالک میں قتل عام اور خوں ریزیاں جاری ہیں، اور ہر فریق دوسرے بھائی کو بے دریغ قتل کرنے پر تلا ہوا ہے۔

اِسلامی تعلیم

اِس کے برخلاف اِسلامی تعلیم یہ ہے کہ سب لوگ آپس میں میل محبت کے ساتھ رہیں، اور کوئی کسی کی حق تلفی اور بے عزتی نہ کرے۔ نبی اکرم علیہ السلام نے ایک حدیث میں اُمت کو متنبہ کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ، وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَافَسُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا كَمَا أَمَرَكُمُ اللّٰهُ، اَلْمُسْلِمُ أَخُوْ الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يُحَقِّرُهُ، اَلتَّقْوىٰ هٰهُنَا، اَلتَّقْوىٰ هٰهُنَا، اَلتَّقْوىٰ هٰهُنَا، وَيُشِيْرُ إِلٰى صَدْرِهِ، بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يُحَقِّرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَعِرْضُهُ وَمَالُهُ. (صحيح البخاري ٢/٨٩٦ رقم: ٥٨٢٩، صحيح مسلم: ٢/٣١٦ رقم: ٢٥٦٣-٢٥٦٤)

تم بدگمانی سے بچتے رہو؛ اس لئے کہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، اور کسی کی ٹوہ میں نہ رہو، اور کسی کی جاسوسی نہ کرو، اور آپس میں منافست نہ کرو، اور ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، اور ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو، اور ایک دوسرے سے پیٹھ نہ موڑو، اور تم سب اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ، جیسا کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے رسوا کرتا ہے، نہ اس کی تحقیر کرتا ہے، اور سینہ کی طرف اشارہ کر کے تین مرتبہ فرمایا کہ تقویٰ کا اصل مقام تو یہ ہے، آدمی کے شر کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے، ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان، عزت اور آبرو سب حرام ہے۔

بلاشبہ یہ حدیث شریف اِنسانوں بالخصوص مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے لئے ایک اہم منشور کی حیثیت رکھتی ہے، اِن ہدایات پر اگر لوگ عمل کرنے لگیں تو پورا معاشرہ سکون کے اعتبار سے جنت نظیر بن جائے۔

لیکن اَفسوس ہے کہ آج اِن روشن تعلیمات کو سرے سے بھلا دیا گیا ہے، ذرا ذرا سی بات پر دلوں میں ایسی خلیجیں حائل ہوجاتی ہیں کہ جن کا پاٹنا نہایت مشکل ہوتا ہے، اور اِس صورتِ حال سے شیطان کو دلی مسرت نصیب ہوتی ہے۔

بغض وعناد کے منفی اَثرات

بغض وعناد کی بنا پر شیطان کو جو مسرت ہوتی ہے، اُس کی وجہ یہ ہے کہ یہی ایک گناہ بہت سے خطرناک گناہوں کے اِرتکاب کا سبب بن جاتا ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بغض وعداوت کی وجہ سے اکثر درج ذیل ۸؍خرابیاں سامنے آتی ہیں:

(۱) حسد:- یعنی تمنا ہوتی ہے کہ دوسرے کے پاس سے نعمت جاتی رہے اوراس کو نعمت ملنے پر دل میں کڑھتا ہےاوراس کی مصیبت پر خوش ہوتا ہے، یہ منافقین کی خصلت ہے اور دین کا ستیاناس کرنے والی صفت ہے۔

(۲) شماتت:- یعنی دوسرے کی مصیبت پر دل ہی دل میں خوب خوشی محسوس کرتا ہے۔

(۳) ترکِ تعلقات:- دلی کینہ کی وجہ سے بول چال، آنا جانا سب بند کر دیتا ہے۔

(۴) دوسرے کو حقیر سمجھنا:- عموماً کینہ کی وجہ سے دوسرے کو ذلیل وحقیر سمجھتا ہے۔

(۵) زبان درازی:- جب کسی سے بغض ہوتا ہےتو اس کے بارے میں غیبت، چغلی، بہتان طرازی الغرض کسی بھی برائی سے احتراز نہیں کیا جاسکتا۔

(۶) مذاق اڑانا:- یعنی کینہ کی وجہ سے دوسرے کا مذاق اڑاتا ہےاور بے عزتی کرتا ہے۔

(۷) مار پیٹ:- یعنی کبھی کبھی کینہ کی وجہ سے آدمی مار پیٹ پر بھی اتر آتا ہے۔

(۸) سابقہ تعلقات میں کمی:- یعنی اگر کچھ اور نہ بھی ہو تو بغض کا ایک ادنیٰ اثر یہ تو ہوتا

ہی ہے کہ اس شخص سے پہلے جو تعلقات اور بشاشت رہی ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔ (مذاق العارفین شرح اُردو احیاء علوم الدین ۳/ ۱۹۹)

یہ سبھی مفاسد خطرناک ہیں؛ بلکہ اگر ان میں سے ایک مفسدہ بھی پایا جائے وہ بھی سخت نقصان کا سبب ہے، ان باتوں سے ہر مسلمان کو دور رہنے کی ضرورت ہے۔

زوجین میں اختلاف پیدا کرنے کی شیطانی کوشش

شیطان کی مکروہ کوششوں میں سے ایک اہم کوشش یہ ہے کہ وہ میاں بیوی میں نزاع پیدا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا۔ اُس کے چیلے چپاٹے مستقل اسی محنت پر لگے رہتے ہیں کہ ہنسی خوشی کے ساتھ زندگی گذارنے والے زوجین کے درمیان بدگمانیاں اور نفرت پیدا کر کے گھروں کو اُجاڑا جائے، اور نسلوں کو تباہ کیا جائے، اور خاندانوں کو آپس میں دست وگریباں کیا جائے، اِس سے شیطان کو سب سے زیادہ مسرت حاصل ہوتی ہے۔ سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

إِنَّ إِبْلِيسَ يَضَعُ عَرْشَهُ عَلَى الْمَاءِ، ثُمَّ يَبْعَثُ سَرَايَاهُ يُفْتِنُوْا النَّاسَ، فَأَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَنْزِلَةً أَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً، يَجِيْءُ أَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ: فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا، فَيَقُوْلُ: مَا صَنَعْتَ شَيْئًا. قَالَ ثُمَّ يَجِيْءُ أَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ: مَا تَرَكْتُهُ حَتّٰى فَرَّقْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ، فَيُدْنِيْهِ مِنْهُ وَيَقُوْلُ: نِعْمَ أَنْتَ. قَالَ الْأَعْمَشُ: أُرَاهُ، قَالَ: فَيَلْتَزِمُهُ.

ابلیس پانی پر اپنا تخت بچھا کر لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے کے لئے اپنے لشکر روانہ کرتا ہے، پس اُن میں سے جو زیادہ بڑا فتنہ کا کام کر کے آتے ہیں، وہ ابلیس سے اتنا ہی قریب ہوتے ہیں، تو اُن میں سے کوئی آکر یہ کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کام کیا، تو اِبلیس (اُس کے معمولی کام کو دیکھ کر) کہتا ہے کہ تو نے کوئی (بڑا) کام نہیں کیا۔ پھر ایک آکر کہتا ہے کہ میں فلاں آدمی کے پیچھے پڑا رہا؛ یہاں تک کہ اُس کے اور اُس کی بیوی کے درمیان جدائی کرا کے چھوڑی، تو پیغمبر علیہ السلام

(صحیح مسلم / باب تحریش الشیطان ۲۸۱۳، مشکاۃ المصابیح ۱۸) نے فرمایا کہ ''اِبلیس اُس چیلے کو اپنے قریب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ''تو ہی قابل تعریف ہے''۔ اِمام اَعمش فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بھی خیال ہے کہ راوی نے یہ فرمایا کہ ''اِبلیس اُسے گلے لگالیتا ہے''۔

اصل بات یہ ہے کہ زوجین کا اختلاف صرف اُنہیں کی ذات تک محدود نہیں رہتا؛ بلکہ اُس کے اثرات بہت دور تک پہنچتے ہیں؛ بالخصوص ماں باپ کے درمیان لڑائی کی وجہ سے بچوں اور بچیوں کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے، اور پھر فریقین کی طرف سے لعن طعن، غیبتیں، بہتان طرازیاں اور بسا اَوقات مار پیٹ اور مقدمہ بازی تک کی نوبت آجاتی ہے۔

یہ سب چیزیں معاشرے کے سکون کو غارت کردیتی ہیں، جو شیطان کے لئے نہایت دلی خوشی اور مسرت کا باعث ہوتی ہیں، نعوذ باللہ من ذلک۔

لڑائی کا حسرت ناک انجام

شیطان کی پوری کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ فریقین کو غصہ دلاکر بدزبانی کے ذریعہ باہم برسر پیکار کرادیتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ آپس میں جو بھی اختلافات پیدا ہوتے ہیں، اُن کی ابتدا کسی معمولی سی بات سے ہوتی ہے، جو آگے چل کر عظیم انتشار اور سخت نزاع کا سبب بن جاتی ہے۔

نفسانیت پر مبنی لڑائی شروع میں بہت اچھی معلوم ہوتی ہے؛ لیکن اس کا انجام ہمیشہ حسرت اور افسوس کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خلف ابن حوشبؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ پرانے لوگ فتنوں کے وقت بطور تمثیل درج ذیل اشعار خصوصیت سے پڑھا کرتے تھے: (تاکہ لوگ لڑائی سے باز آجائیں)

اَلْحَرْبُ أَوَّلُ مَا تَكُوْنُ فُتَيَّةً ❖ تَسْعىٰ بِزِيْنَتِهَا لِكُلِّ جَهُوْلٖ

حَتّٰى إِذَا اشْتَعَلَتْ وَشَبَّ ضِرَامُهَا ❖ وَلَّتْ عَجُوْزاً غَيْرَ ذَاتِ حَلِيْلٖ

شَمْطَاءُ یُنْکَرُ لَوْنُهَا وَتَغَیَّرَتْ ❖ مَکْرُوْهَةٌ لِلشَّمِّ وَالتَّقْبِیْلِ

(بخاری شریف ۱۰۵۱/۲)

ترجمہ:- ○ شروع شروع میں لڑائی ہر جاہل (ناعاقبت اندیش) کے سامنے ایک دل ربا دوشیزہ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، جو اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہو۔ ○ تا آں کہ جب لڑائی کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور اس کی لپٹیں تیز ہوجاتی ہیں تو وہ لڑائی ایک بے شوہر والی (رنڈوی) بڑھیا کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ ○ جس کے بال سفید ہوں اور بدلی ہوئی رنگت ناگوار ہو، جسے چومنے اور سونگھنے کو بالکل دل نہ چاہے۔

اِن اشعار میں جو حقیقت بیان کی گئی ہے وہ تجربہ سے بالکل سچی ثابت ہوئی ہے، کسی بھی بے فائدہ لڑائی کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ اور بعد میں سب فریق دل دل میں افسوس کرتے ہیں کہ کاش اگر ایسا نہ ہوتا تو بہتر تھا۔

اِس لئے بعد کی حسرت سے بچنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ ابتداء ہی میں اختلافِ رائے کے وقت غصہ سے ہر ممکن احتراز کیا جائے، اور انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے؛ کیوں کہ غصہ آتے ہی کام بگڑ جاتا ہے، پھر اگر فوری طور پر اس پر قابو پالیا جائے تو فبہا، ورنہ رفتہ رفتہ وہ بگاڑ اتنا بڑھتا ہے کہ پھر کسی کے قابو میں نہیں رہتا، اسی لئے شریعت میں غصہ سے اور بدگوئی اور سخت کلامی سے بچنے کی سخت ہدایت کی گئی ہے۔ اِرشادِ خداوندی ہے:

وَقُلْ لِعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ، اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا.

(بنی اسرائیل: ۵۳)

اور فرمایئے میرے بندوں سے کہ وہ بات ایسی کہیں جو بہتر ہو، بے شک شیطان ان میں جھڑپ کرادیتا ہے، یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

اِس آیت میں بیان کردہ ہدایت کسی واقعہ کے ساتھ خاص نہیں؛ بلکہ عام ہے؛ لہٰذا ہر موقع پر زبان کو قابو میں رکھنا چاہئے، اور سخت کلامی اور بدگوئی سے بچنا چاہئے؛ حتیٰ کہ فریق مخالف اگر سخت

کلامی کرے تو بھی عفو و درگذر سے کام لیا جائے۔ دلوں کو جیتنے اور دشمنوں کو دوست بنانے کا قرآنی نسخہ یہی ہے جو ہمیشہ تیر بہدف ثابت ہوا ہے، اور ہوتا رہے گا۔

اِس کے برخلاف سخت کلامی اور انتقامی جذبہ اور دوسرے کو زچ کرنے اور ذلیل کرنے کا خیال ہمیشہ انجام کار حسرت کا سبب بنا ہے اور بنتا رہے گا، ہمیں زندگی کے ہر موڑ پر اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہئے، انسانیت کا کمال یہی ہے۔ امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

سَلِيْمُ الْعِرْضِ مَنْ حَذَرَ الْجَوَابَا ❖ وَمَنْ دَارَى الرِّجَالَ فَقَدْ أَصَابَا

وَمَنْ هَابَ الرِّجَالَ تَهَيَّبُوْهُ ❖ وَمَنْ حَقَرَ الرِّجَالَ فَلَنْ يُّهَابَا

(شعب الإیمان ۳٤٤/٦)

ترجمہ:- ○ جو شخص جواب دینے میں احتیاط برتے اس کی عزت بچی رہتی ہے، اور جو شخص لوگوں سے اچھا برتاؤ کرے وہ سیدھی راہ پر ہے۔ ○ اور جو لوگوں کی عزت کرتا ہے تو لوگ اس کو عزت سے نوازتے ہیں اور جو شخص لوگوں کو حقیر سمجھتا ہے اس کو عزت نصیب نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو شیطانی اثرات سے محفوظ فرمائیں، اور اجتماعیت نصیب فرمائیں، آمین۔

’’الجماعۃ‘‘ کو لازم پکڑے رہیں!

شیطان کا ایک اہم مشن یہ ہے کہ اُمت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کردہ ’’صحابہ کی جماعت‘‘ کے طریقہ سے ہٹادے، وہ لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے خیالات پیدا کرکے اُنہیں ’’اِجتماعیت‘‘ سے ہٹاکر ’’اِنفرادیت‘‘ کی طرف لانے کی پوری کوشش کرتا ہے، پھر جو شخص بھی خدانخواستہ اس کے دام فریب میں پھنس جاتا ہے وہ جادۂ حق سے اتنا ہی دور جاپڑتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ملک شام کے شہر ’’جابیہ‘‘ میں ایک عظیم الشان خطبہ اِرشاد فرمایا، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے درج ذیل باتیں بیان فرمائیں:

أُوْصِيْكُمْ بِأَصْحَابِيْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ.	میں تمہیں صحابہ، پھر تابعین اور اُس کے بعد تبع تابعین سے وابستہ رہنے کی تاکید کرتا ہوں۔

ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِبُ حَتّٰى يَحْلِفَ الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ، وَيَشْهَدَ شَاهِدٌ وَلَا يُسْتَشْهَدُ.

اُن کے زمانہ کے بعد معاشرہ میں جھوٹ پھیل جائے گا، یہاں تک کہ آدمی قسم کے تقاضے کے بغیر بے دھڑک قسم کھائے گا، اور مطالبے کے بغیر بے تکلف جھوٹی گواہی دے گا۔

أَلَا لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ.

خبردار! کوئی اجنبی شخص جب بھی کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں رہتا ہے تو اُن میں کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ (جو اُنہیں برائی پر آمادہ کرتا ہے)

عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ، وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ؛ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ، وَهُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ أَبْعَدُ.

تم لوگ اجتماعیت سے جڑے رہو، اور تفرقہ بازی سے بچو! کیوں کہ شیطان اکیلے شخص کے ساتھ ہوتا ہے، اور وہ ایک کے مقابلے میں دو شخصوں سے زیادہ دور رہتا ہے۔

وَمَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ.

اور جو شخص جنت میں اعلیٰ مقام چاہتا ہو اُسے اجتماعیت کو لازم پکڑنا چاہئے۔

مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَائَتْهُ سَيِّئَتُهُ، فَذٰلِكُمُ الْمُؤْمِنُ. (سنن الترمذي / باب ما جاء في لزوم الجماعة رقم: ٢١٦٥)

اور جسے نیک کام کرنے سے خوشی اور برائی سے ناگواری ہو تو وہی کامل مؤمن ہے۔

اِس روایت میں دیگر ہدایات کے ساتھ ساتھ اِجتماعیت کی بہت تاکید وارد ہے، اور بے جا افتراق سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے، جسے ہر مسلمان کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔

اور ایک دوسری روایت میں خادمِ رسول سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

إِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الْإِنْسَانِ

بے شک شیطان بکری کے (پھاڑ کھانے والے)

كَذِئْبِ الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّاةَ الْقَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ فَإِيَّاكُمْ وَالشِّعَابُ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ وَالْمَسْجِدِ. (جمع الفوائد ۱۸۸/۱، مجمع الزوائد ۲۶/۲ عن معاذ بن جبلؓ)

بھیڑئے کی طرح اِنسان کا بھیڑیا ہے، جو الگ تھلگ رہنے والی بکری کو لقمہ بنالیتا ہے؛ لہٰذا تم لوگ الگ الگ راستوں سے بچو اور صحابہ کی جماعت اور عامۃ المسلمین اور مسجدوں سے وابستہ رہو۔

اِس حدیث شریف میں شیطان کی مثال بھیڑئے سے دی گئی ہے، جو خاص طور پر ریوڑ سے الگ ہونے والی بکری کو لقمہ بنالیتا ہے۔ اِسی طرح جو شخص عام اُمت کے طریقے سے الگ تھلگ ہوکر زندگی گذارتا ہے، وہ شیطانی حملوں کا زیادہ شکار ہوجاتا ہے۔

اِس لئے محسن اِنسانیت، فخر دو عالم سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطانی مکائد سے حفاظت کے لئے بطور خاص تین باتوں کی تاکید فرمائی ہے:

ملت کے اِجماعی موقف سے الگ نہ ہوں

(۱) **عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ:-** یعنی ''الجماعۃ'' سے جڑے رہو، جس کا اَولین مصداق وہ جماعت ہے جس کی تربیت بذاتِ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی (یعنی حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت)

اِسی بنا پر حضراتِ علماء کرام نے مجموعی حیثیت سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو ''معیارِ حق'' قرار دیا ہے؛ لہٰذا بلا کسی تفریق کے سبھی صحابہؓ کا احترام لازم ہے، اور عقائد واَعمال میں اُن کے اَقوال کے دائرہ میں رہنا بھی ضروری ہے؛ حتیٰ کہ اگر کسی معاملے میں اَقوال کا اختلاف ہو تو بعد والوں کے لئے ایسی صورت میں اَقوالِ صحابہؓ ہی میں سے کسی قول کو لینا چاہئے، اپنی جانب سے کوئی نیا قول اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ اِس بات کی صراحت علماء حق بالخصوص ائمہ متبوعین (حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ، اِمام مالکؒ، اِمام شافعیؒ اور اِمام احمد بن حنبلؒ) سے منقول ہے۔

اور اِس بارے میں فقیہ الامت سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مقولہ یاد رکھنے کے قابل ہے:

مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ، فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةَ، أُولٰئِكَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا اَفْضَلَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ، اَبَرَّهَا قُلُوْبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْماً وَ اَقَلَّهَا تَكَلُّفاً، اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلِاِقَامَةِ دِيْنِهٖ فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلٰى اٰثْرِهِمْ، وَتَمَسَّكُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ أَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدٰى الْمُسْتَقِيْمِ. (مشكاة المصابيح ۱/۳۲)

جسے اقتدا کرنی ہے تو وہ ان لوگوں کی اقتدا کرے جو دنیا سے جا چکے ہیں، اس لئے کہ زندہ آدمی فتنہ سے محفوظ نہیں اور وہ (قابل اقتداء شخصیات) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، جو اس امت کے افضل ترین لوگ تھے، وہ دلوں کے اعتبار سے سب سے نیک اور علم کے اعتبار سے سب سے گہرے اور تکلف میں سب سے کم تھے (سادہ زندگی والے تھے) اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے پیغمبر ﷺ کی صحبت اور اپنے دین کی خدمت کے لئے منتخب فرمالیا تھا، لہٰذا تم ان کی فضیلت کو پہچانو اور ان کے نقش قدم پر چلو، اور تم سے جس قدر ہو سکے ان کے اخلاق فاضلہ اور مبارک سیرت کو مضبوطی سے تھامے رکھو، اس لئے کہ وہ سیدھی راہ پر قائم تھے۔

اِسی بناپر معتبر کتابوں میں یہ جملہ منقول ہے: ''اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ'' یعنی سب صحابہ ثقہ اور عادل ہیں، اُن میں سے کسی پر بھی طعن وتشنیع اور تنقید روا نہیں ہے، بے شک اُن کے درمیان درجات اور مراتب کے اعتبار سے فرق ثابت ہے؛ لیکن صحابی ہونے کے اعتبار سے اُن میں کا ہر فرد تنقید سے بالاتر مانا گیا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ۷/۵۱۷)

اِسی لئے حضراتِ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ حدیث کی سند میں سبھی راویوں کی چھان بین اور

جانچ پڑتال کرتے ہیں؛ لیکن جب سند کا سلسلہ کسی صحابی تک پہنچتا ہے، تو اُن کے بارے میں کسی لب کشائی کی اِجازت نہیں ہوتی۔

چوں کہ صحابہؓ کی جماعت دین کے لئے ایک مضبوط ستون کی حیثیت رکھتی ہے، اِس لئے جب بھی اُمت میں گمراہیاں پھیلتی ہیں، تو سب سے پہلے گمراہ فرقے صحابہؓ کی جماعت ہی کو نشانہ بناتے ہیں؛ بلکہ کچھ فرقے تو ایسے ہیں جن کے پورے مذہب کا مدار ہی صحابہ کرامؓ کی عداوت پر ہے، اگر اُن کے عقائد سے بغض صحابہؓ نکال دیا جائے تو اُن کا مذہب ہی قائم نہ رہے، اَعاذنا اللہ منہ۔

اِسی بنا پر علماءِ حق نے دورِ صحابہؓ میں پیش آمدہ تنازعات ومشاجرات میں ''کفِ لسانی'' کی راہ اپنائی ہے، یعنی کسی فریق پر طعن وتشنیع کئے بغیر حق کی وضاحت کی جائے، اور دوسرے فریق کے عمل کو اجتہادی خطا پر محمول کیا جائے، یہی سلامتی کی راہ ہے، جسے اختیار کر کے آدمی ہر طرح کے دنیوی اور اُخروی فتنوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ۳۲/۱۰، شرح العقائد النسفیہ ۶۱-۶۲)

اِس کے برخلاف دورِ اَول سے آج تک جس شخص نے بھی اِس نازک اور حساس موضوع پر غیر محتاط گفتگو کی ہے، وہ فتنہ اور اِنتشار سے محفوظ نہیں رہ سکا ہے، اِس لئے عافیت کا راستہ صرف یہی ہے کہ ہم ملت کے اجماعی موقف پر ثابت قدم رہیں، اور بے فائدہ بحثوں سے اپنا دامن بچائے رکھیں۔ اِسی صورت میں ہم شیطان کے حملوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

عوام سے مربوط رہیں

(۲) وَالْعَامَّةِ:- شیطانی حملوں سے بچنے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری اہم ہدایت یہ دی کہ مسلم عوام سے رابطے برقرار رکھو۔ اِس ہدایت کا اطلاق دو معنی پر ہوسکتا ہے:

الف:- اِجتماعی کاموں میں سب آپس میں تعاون کریں: یعنی یہ نہ ہو کہ کچھ لوگ اپنے اغراض ومفادات کو دیکھتے ہوئے اِجتماعی ذمہ داریوں کی اَدائیگی سے پہلو تہی کرنے لگیں؛ بلکہ اُمت کے سبھی اَفراد کو چاہئے کہ مشترک دینی وملی اور سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں؛ جیسا کہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ

وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدۃ، جزء آیت: ۲] (یعنی نیکی اور تقویٰ والے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور گناہ اور ظلم پر معاون نہ بنو)

ب:- عوامی میل جول برقرار رکھیں! خاص طور پر جو اَرباب حل وعقد اور مقتدایانِ ملت ہیں، اُنہیں چاہئے کہ وہ عوام سے مربوط رہ کر زندگی گذاریں، اور غیر مسلم ''سنیاسیوں'' یا بعض جاہل صوفیوں کی طرح نہ رہیں، جنہوں نے الگ تھلگ رہنے ہی کو اپنی دانست میں دین داری اور بزرگی کا معیار بنا رکھا ہے؛ حالاں کہ ہمارا دین ''دین فطرت'' ہے، جس میں باہمی میل جول اور اِجتماعیت کو بہت اَہمیت دی گئی ہے، اور ''رہبانیت'' کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ تجربہ بھی یہی ہے کہ جو شخص لوگوں سے کٹ کر خلافِ سنت زندگی گذارتا ہے وہ فکری اور عملی طور پر شیطان کے جال میں بآسانی پھنس جاتا ہے، جس سے باہر نکلنا اُس کے لئے سخت مشکل ہوتا ہے۔ (مستفاد: شیاطین سے حفاظت ۹۳-۹۶، مرتبہ: مولانا محمد عاشق الٰہی بلندشہریؒ)

اِسلام کی تعلیم یہ ہے کہ آدمی معاشرہ کے ساتھ مل کر اور اُن کی خوشی اور غمی میں شریک ہوکر زندگی گذارے۔ اِسی بنا پر بیمار کی عیادت، اَموات کی تعزیت اور تقریبات کی دعوت قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اِس کو بھی موجب اَجر وثواب قرار دیا گیا ہے، جس کی تفصیلات کتب حدیث میں موجود ہیں؛ گویا کہ بالفاظ دیگر معاشرتی میل جول بھی دین ہی کا ایک جزء ہے، جس سے ایک مسلمان کے درجات بے حد بلند ہوتے ہیں؛ جیسا کہ ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ إِذَا کَانَ يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلیٰ أَذَاهُمْ خَيْرٌ مِنَ الْمُسْلِمِ الَّذِيْ لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلیٰ أَذَاهُمْ. (سنن الترمذي / أبواب صفة القيامة رقم: ۲۵۰۷)

وہ مسلمان جو لوگوں کے ساتھ میل جول رکھے، اور اُن کی طرف سے پیش آمدہ ناگواریوں پر صبر کرے، وہ اُس مسلمان سے بہت بہتر ہے، جو نہ تو لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور نہ اُن کی تکلیفوں کو برداشت کرتا ہے۔

اور ایک ضعیف حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

مَنْ لَمْ یَهْتَمَّ بِـأَمْرِ الْـمُسْلِمِیْنَ فَلَیْسَ مِنْهُمْ. (المعجم الأوسط للطبراني ۲۷۰/۷ عن حذیفة الیمانؓ)

جو شخص مسلمانوں کے اُمور کے بارے میں فکرمند نہ رہے، تو وہ (گویا) اُن میں شامل ہی نہیں ہے۔

مذکورہ اَحادیث سے صاف معلوم ہوا کہ اِسلام کی نظر میں دین داری کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی لوگوں سے دور ہوکر جنگل بیابان میں چلا جائے، یا گھر اور خانقاہ میں محصور ہوجائے، اور صرف اپنے کام سے کام رکھے، اور دوسروں سے کوئی مطلب نہ رکھے۔ (جیسا کہ بہت سے نادان لوگوں کا خیال ہے) بلکہ اِس بارے میں سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ مبارکہ ہی پوری اُمت کے لئے مشعل راہ ہے کہ آپ اعلیٰ درجہ کے متقی اور پرہیزگار اور عبادت گذار ہونے کے باوجود دعوتوں میں تشریف لے جاتے تھے، جنازے میں شرکت فرماتے تھے، مہمانوں سے ملاقاتیں فرماتے تھے؛ بلکہ آپ کا زیادہ تر وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہی گذرتا تھا، اِس لئے ہمیں بھی اِسی اُسوۂ مبارکہ کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

خاص طور پر جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے ملت کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے منتخب فرمایا ہے، یعنی اَئمہ اور علماء اُنہیں اپنی اِس ذمہ داری کا پورا احساس ہونا چاہئے۔ بے شک اِس راستے میں قدم قدم پر ناگواریوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ اِسی طرح طبعی تقاضے کے خلاف باتیں بھی پیش آتی ہیں؛ لیکن اُن کو موجب اَجر وثواب سمجھتے ہوئے انگیز کرنا چاہئے؛ تاکہ اُمت کا ہر طبقہ اپنے رہنماؤں سے بے تکلف مستفید ہوسکے۔

مسجدوں سے وابستگی

(۳) وَالْـمَسْجِدِ:— نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیسری ہدایت دیتے ہوئے یہ اِرشاد فرمایا کہ شیطان کے حملوں سے بچنے کے لئے ہر مسلمان کو مسجد سے وابستہ رہنا ضروری

ہے۔ یعنی مسجدوں میں نماز باجماعت کا اہتمام ہر شخص کو کرنا چاہئے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے:

مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ أَوْ رَاحَ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُ فِي الْجَنَّةِ نُزُلًا كُلَّمَا غَدَا أَوْ رَاحَ. (صحيح البخاري / كتاب الأذان ۱/ ۹۱ رقم: ٦٦٢)

جو شخص صبح یا شام کے وقت مسجد جائے تو اللہ تعالیٰ ہر مرتبہ مسجد آنے جانے کے بدلے میں اُس کے لئے جنت میں خصوصی مہمان نوازی کا انتظام فرمائیں گے۔

اور ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

مَنْ أَلِفَ الْمَسْجِدَ أَلِفَهُ اللّٰهُ. (رواه الطبراني في الأوسط رقم: ٦٣٧٩، الترغيب والترهيب رقم: ٥٠١)

جو شخص مسجد سے مانوس ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اُس سے اُنسیت رکھتے ہیں۔

اور ایک روایت میں اِرشادِ نبوی ہے:

اَلْمَسْجِدُ بَيْتُ كُلِّ تَقِيٍّ، وَتَكَفَّلَ اللّٰهُ لِمَنْ كَانَ الْمَسْجِدُ بَيْتَهُ بِالرَّوْحِ وَالرَّحْمَةِ وَالْجَوَازِ عَلَى الصِّرَاطِ إِلىٰ رِضْوَانِ اللّٰهِ إِلَى الْجَنَّةِ. (الترغيب والترهيب رقم: ٥٠٤)

مسجد ہر متقی کا ٹھکانا ہے، اور جو شخص مسجد کو اپنا ٹھکانا بنائے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے خصوصی رحمت اور پل صراط سے بسہولت گذر کر رضائے خداوندی اور جنت تک پہنچنے کی ضمانت لیتے ہیں۔

نیز اَحادیث شریفہ میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسجدوں کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ اور افضل مقام قرار دیا ہے، جب کہ بازاروں کو سب سے بدترین جگہ کہا گیا ہے۔ (مسلم شریف رقم:٦٧١)

اِسلام میں مساجد کی بڑی اہمیت ہے، اِسی لئے اُمت کو پنج وقتہ نماز باجماعت مسجدوں میں اَدا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور تجربہ بھی یہی ہے کہ جو گھرانہ مسجد سے وابستہ رہتا ہے اُس میں بڑی حد

تک دین داری نظر آتی ہے، جب کہ جولوگ مسجد سے اپنا رشتہ قائم نہیں رکھتے، وہ اُتنا ہی دین سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

بلاشبہ مساجد دین اسلام کی اِجتماعیت کا بہترین مرکز ہیں، پورے عالم میں نماز باجماعت کا ایسا نظام اُمت کو عطا ہوا ہے، جس کی نظیر کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ یہ ایک ایسا نیٹ ورک اور پلیٹ فارم ہے جس سے پوری اُمت ایک ڈور میں بندھی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ مسجد میں آمدورفت کی وجہ سے نمازی ایک دوسرے کے اَحوال سے واقف رہتے ہیں، اور اُنہیں خیر خواہی اور ہم دردی کے مواقع قدم قدم پر مہیا ہوتے ہیں۔

علاوہ اَزیں مسجد کا ذکر خداوندی سے معمور نورانی ماحول مسجد میں آنے والوں کے ذہن ودماغ پر نہایت خوش کن اَثرات ڈالتا ہے۔ جس کی بناپر شیاطین کے بڑے سے بڑے حملے بھی بے اثر ہوجاتے ہیں، اِس لئے ہر مسلمان کو حتی الامکان اپنے کو مسجد سے وابستہ رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

اور اگر کسی جگہ رہائش اختیار کرنی ہو تو مکان کی جگہ سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ وہاں سے مسجد کا فاصلہ کتنا ہے؟ اور ایسی جگہ رہائش اختیار نہیں کرنی چاہئے جو مسجد سے اتنی دور ہو کہ جماعت کی نماز سے محرومی ہوجائے۔

بہرحال مذکورہ بالا تینوں ہدایاتِ نبویہ بہت اہم ہیں، اور ہم سب کو اُن کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

شیطانی وساوس

شیطان؛ آدمی کے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا رہتا ہے؛ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسے مہمل سوالات ذہن میں پیدا کرتا ہے کہ مؤمن شخص کے لئے اُن کو زبان پر لانا بھی گوارا نہیں ہوتا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی، تو اُنہوں

نے بے چین ہوکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس کا تذکرہ کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں تسلی دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا: ”ذٰلِکَ صَرِیْحُ الإِیْمَانِ“. (صحیح مسلم مع فتح الملهم ۲۸۰/۱) (یعنی یہ تو عین ایمان ہے)

اِس جملے کی تشریح کرتے ہوئے حضراتِ محدثینؒ نے فرمایا ہے کہ:

الف:- یا تو اِس سے یہ مراد ہے کہ اِس طرح کے وساوس کو ناگوار سمجھنا یہ کمالِ ایمان کی دلیل ہے۔ بعض روایات کے الفاظ سے بھی اِس کی تائید ہوتی ہے۔

ب:- اور یا یہ کہا جائے کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ شیطان اُسی مؤمن شخص کے دل میں اِس طرح کے وسوسے ڈالتا ہے، جس کو بآسانی گمراہی میں مبتلا کرنے سے مایوس اور عاجز ہوجاتا ہے؛ گویا کہ وسوسے کا سبب محض ایمان ہی ہے۔ یعنی وسوسہ اِیمان کی ایک علامت ہے۔ (مستفاد: فتح الملہم شرح صحیح مسلم ۲۸۰/۱ وغیرہ)

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ”شیطان تم میں سے کسی کے پاس آکر یہ سوال کرتا ہے کہ آسمان کس نے بنایا؟ زمین کس نے بنائی؟ اور فلاں چیز کس نے بنائی؟ وغیرہ۔ تو سب کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے، تو وہ اخیر میں یہ سوال کرتا ہے کہ: ”مَنْ خَلَقَ اللّٰہَ“؟ (یعنی اللہ کو کس نے پیدا کیا؟) تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ جو اِس طرح کا خیال دل میں محسوس کرے، تو فوراً ”آمَنْتُ بِاللّٰہِ“ (میں اللہ پر (بلا کسی تفصیل کے) اِیمان لاتا ہوں) کہہ دیا کرے“۔ (مسلم شریف مع فتح الملہم ۲۸۰/۱)

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ”اگر ایسا خیال دل میں آئے تو فوراً ”اعوذ باللہ“ پڑھ کر دھیان دوسری طرف کرلے“۔ (مسلم شریف مع فتح الملہم ۲۸۱/۱)

اِس حدیث شریف میں یہ بتلایا گیا کہ ایسے بے ہودہ وساوس سے بچنے کی آسان تدبیر یہ ہے کہ اُس کی طرف بالکل توجہ ہی نہ دی جائے، اور اُنہیں پوری طرح نظر انداز کردیا جائے؛ لیکن یہ اُسی وقت ہے جب کہ اِس طرح کے وساوس دل کی گہرائی میں جاگزیں نہ ہوئے ہوں؛ البتہ اگر

خدانخواستہ یہ ’’وسوسہ‘‘ دل میں جاگزیں ہوکر ’’شبہ‘‘ میں بدل جائے تو پھر بغیر مضبوط دلیل کے دل کو مطمئن کرنا مشکل ہوتا ہے، پس ایسے شبہات کو جلد از جلد دور کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، اور اُنہیں محض نظرانداز کرکے ٹالا نہیں جاسکتا۔ جیسا کہ جب ایک دیہاتی نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِرشاد ’’لَا عَدْویٰ‘‘ (اِسلام میں بیماری لگنے کا تصور نہیں ہے) پر شبہ ظاہر کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ اگر یہ بات درست ہے، تو ایک خارشتی اُونٹ صحت منداُونٹوں سے مل کر پورے ریوڑ کو خارشتی کیسے بنادیتا ہے؟

تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُس کے شبہ کو اِس جملے کے ذریعہ دور فرمایا: ’’فَمَنْ أَعْدَی الْأَوَّلَ‘‘ (یعنی اگر تم بیماری لگنے کی بات مانتے ہو تو یہ بتاؤ کہ سب سے پہلے جو اُونٹ بیمار ہوا اُس کو بیماری کہاں سے لگی تھی؟) گویا کہ بالآخر یہ ماننا پڑے گا کہ بیماری لگنا اصل نہیں ہے؛ بلکہ حکم خداوندی اصل ہے۔ (مستفاد: اِکمال المعلم بفوائد مسلم لقاضی عیاض ۱/۴۲۹-۴۳۰ دارالوفاء مصر)

اِسی طرح فرقِ باطلہ کی طرف سے نصوص کے اندر جو فاسد شبہات پیدا کئے جاتے ہیں، اُن کا بھی مضبوط جواب دینے کی ضرورت پڑتی ہے؛ کیوں کہ اگر اُنہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے، تو وہ ذہنوں کو بدترین ضلالت وگمراہی میں مبتلا کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

اِسی بنا پر حضراتِ محدثین ومتکلمین عقائد کی بحثوں میں فرقِ باطلہ کے فاسد شبہات پیش کرکے اُن کا جواب دینے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور اِس سلسلے میں مختلف موضوعات پر مدلل مواد اَکابر واَسلاف کی کتابوں میں موجود ہے۔ بلاشبہ یہ اِسلام کی عظیم خدمت ہے، جس کی قدردانی لازم ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

وضو کا شیطان

شیطان کو یہ بات بھی گوارا نہیں ہے کہ اِنسان سکون کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالائے؛ لہٰذا وہ عبادات کو خراب کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے؛ حتیٰ کہ وضو اور طہارت کے سلسلے میں بھی وسوسے پیدا کرتا ہے؛ تاکہ آدمی کا سکون غارت ہوجائے، اور وہ وہم میں مبتلا ہوجائے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''إِنَّ لِلْوُضُوْءِ شَيْطَانًا يُقَالُ لَهُ الْوَلَهَانُ، فَاتَّقُوْا وَسْوَاسَ الْمَاءِ''. (سنن الترمذی / باب کراهية الاسراف فی الماء حدیث: ٥٧)

(یعنی وضو پر ایک شیطان مقرر ہے، جسے ''ولہان'' کہا جاتا ہے؛ لہٰذا پانی کے وسوسے سے بچو)

چناں چہ دیکھا جاتا ہے کہ آدمی اچھا خاصا وضو کرکے اُٹھ کر چل پڑا؛ مگر شیطان نے دل میں وسوسہ ڈال دیا کہ مثلاً تیری کہنی یا ایڑی خشک رہ گئی، یا تو نے مسح نہیں کیا، وغیرہ۔

اَب وہ اَز سرنو وضو کرنے میں لگ جاتا ہے، تو پھر کچھ نہ کچھ وسوسہ ڈال دیتا ہے؛ لہٰذا جو اُس کے وسوسے پر عمل کرتا رہے گا، اُسے کبھی دلی اطمینان نصیب نہیں ہوگا، وہ نماز بھی پڑھے گا تو بھی پریشان رہے گا کہ پتہ نہیں میرا وضو ہوا تھا یا نہیں؟ پس اِس کا علاج صرف یہ ہے کہ آدمی وسوسے پر ہرگز عمل نہ کرے؛ کیوں کہ جو شخص جتنا زیادہ وسوسے پر عمل کرتا رہے گا، اُتنا ہی شیطان کے جال میں پھنستا رہے گا، نعوذ باللہ من ذلک۔

نماز خراب کرنے کی کوشش

اِسی طرح شیطان ہماری نمازیں خراب کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا کہ: ''جب اَذان ہوتی ہے تو شیطان ۳۶ رمیل دُور بھاگ جاتا ہے؛ کیوں کہ وہ اَذان سننے کی تاب نہیں رکھتا، پھر جب اَذان ختم ہوتی ہے تو لوٹ آتا ہے، پھر اِقامت کے وقت بھاگ جاتا ہے، اور اِقامت ختم ہوتے ہی آدھمکتا ہے، اور نمازی کے پیچھے کی جانب سے دل کے اُوپر اپنی سونڈ رکھ کر وسوسہ اندازی کرتے ہوئے کہتا ہے: ''اُذْكُرْ كَذَا، اُذْكُرْ كَذَا لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرْ''. (صحيح البخاري / كتاب الأذان حديث: ٦٠٨) (یعنی فلانی بات یاد کر، فلانی بات یاد کر جو پہلے سے بالکل یاد نہیں تھی)

تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ بسا اَوقات نماز کے دوران ایسی باتیں یاد آنے لگتی ہیں کہ نماز شروع کرنے سے پہلے اُن کا کوئی خیال بھی نہیں ہوتا، اور جب آدمی اُن باتوں میں مشغول ہوتا

ہے، تو عموماً رکعتوں کی تعداد بھول جاتا ہے، جس سے بڑی بے چینی ہوتی ہے، اور نماز کا سارا خشوع وخضوع رخصت ہو جاتا ہے، اور نمازی کی یہ پریشانی اور حیرانگی دیکھ کر شیطانِ لعین کو بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے۔

سجدۂ سہو کی مشروعیت

اِسی لئے شریعت میں اِس طرح کے سہو کی تلافی کے لئے ''سجدۂ سہو'' کو تجویز کیا گیا ہے۔

چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''سجدۂ سہو'' کے متعلق اِرشاد فرمایا کہ: ''یہ دراصل شیطان کو ذلیل کرنے اور اُس کی ناک رگڑوانے کے لئے مشروع کیا گیا ہے''۔ (صحیح مسلم حدیث: ۵۷۱)

یعنی شیطان نے وسوسے پیدا کر کے اِنسان کی عبادت کو خراب کرنے کی کوشش کی، تو اُسے اَب دو سجدے مزید کرنے کا حکم دیا گیا؛ تا کہ شیطان کی ناک رگڑ دی جائے، اور اُسے حسرت میں مبتلا کر دیا جائے؛ کیوں کہ جس قدر اِنسان عبادت واِطاعت میں آگے بڑھ کر جنت کے اعلیٰ درجات کا مستحق ہوگا، اُسی اعتبار سے شیطان کو اَذیت اور تکلیف ہوگی۔

اللہ کی پناہ!

تو جب شیطان تمام خرابیوں کی جڑ اور بنیاد ہے، اور اُس سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ اور مدد کے علاوہ ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں ہے، اِس لئے اِس بارے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا ناگزیر ہے، اِس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

اِسی لئے جہاں جہاں بھی قرآنِ پاک میں شیطان کے شرور کا تذکرہ آیا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے کی تاکید کی گئی ہے؛ مثلاً فرمایا گیا: ﴿وَاِمَّا يَنۡزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ﴾ [فصلت: ٣٦] (یعنی اگر شیطان کچوکے لگائے تو اللہ کے ذریعہ سے پناہ چاہو) قرآنِ کریم میں متعدد جگہ یہ مضمون بیان کیا گیا ہے؛ اِس لئے بہر حال آدمی کو اللہ تعالیٰ سے پناہ کی

درخواست کرنی چاہئے۔ خاص طور پر ﴿أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ کا بکثرت وِرد رکھا جائے۔

قرآنِ کریم کی تلاوت سے پہلے تعوذ کا حکم

حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے والوں کو بھی شیطانِ لعین سے پناہ مانگنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اِرشادِ خداوندی ہے:

فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. اِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. اِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُوْنَ. [النحل: ۹۸-۱۰۰]

جب تم قرآنِ کریم پڑھنے لگو تو اللہ تبارک وتعالیٰ سے شیطان مردود سے پناہ چاہو۔ شیطان کا زور ایمان لانے والوں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھنے والوں پر نہیں چلتا، اُس کا زور تو اُنہی پر ہے جو اُس کو دوست بناتے ہیں اور جو اُسے (اللہ کا) شریک مانتے ہیں۔

اِس آیت میں خاص طور پر قرآنِ کریم پڑھنے سے پہلے ''اعوذ باللہ'' پڑھنے کا حکم دیا گیا، تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ بہت ممکن ہے کہ وہ قرآن پڑھنے والے کے دل میں کوئی ایسا برا خیال یا وسوسہ ڈال دے جو اُس کی نیکی کو ضائع کردے، اِس لئے بہتر یہی ہے کہ اِس عظیم الشان عملِ خیر کو انجام دینے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجائے؛ تاکہ اُس کی پوری طرح حفاظت ہوسکے۔

ذکرِ خداوندی مضبوط قلعہ ہے

نیز دیگر اَذکار بھی زبان پر جاری رہنے چاہئیں؛ کیوں کہ آدمی جتنا ذکر کرے گا اُتنا ہی شیطان کے حملے سے محفوظ رہے گا۔

اور جس کا دل جس قدر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے معمور ہوگا، اُتنا ہی وہ شیاطین کے اثرات سے محفوظ رہے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

ایک روایت میں پیغمبر علیہ السلام نے مثال دے کر اِرشاد فرمایا کہ: ''ایک شخص کے پیچھے دشمن لگا ہوا ہو اور وہ اُس سے بچنے کے لئے بھاگا چلا جار ہا ہو؛ لیکن بچنے کی کوئی تدبیر نظر نہ آرہی ہو؛ تا آں کہ اُس نے ایک مضبوط قلعہ میں داخل ہوکر اندر سے دروازہ بند کرلیا، تو وہ یقیناً دشمن سے محفوظ ہوجائے گا۔ اِسی طرح شیطان اِنسان کے پیچھے لگا ہوا ہے، اور وہ جس قلعہ میں جاکر دشمن سے محفوظ ہوسکتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا قلعہ ہے''۔ (مستفاد: مسند احمد حدیث: ۱۷۱۷۰)

اِس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے دل اور زبان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے معمور رکھے؛ تاکہ شیطان لعین کے اَثرات سے اپنے کو بچا سکے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

ایک دلچسپ واقعہ

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جمع شدہ صدقہ فطر کی حفاظت کے لئے مجھے مکلّف فرمایا، تو رات میں مجھے محسوس ہوا کہ کوئی شخص صدقہ کی کھجور وغیرہ کو سمیٹ رہا ہے، تو میں نے اُسے پکڑ کر کہا کہ ''میں تجھے نبی اکرم علیہ السلام کے سامنے پیش کروں گا''۔ تو وہ کہنے لگا کہ ''میں بہت زیادہ ضرورت مند ہوں اور میرے کئی بچے ہیں''؛ چنانچہ میں نے اُسے چھوڑ دیا، صبح کو جب میں پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے پوچھا کہ ''ابوہریرہ! تمہارے رات کے قیدی کا کیا ہوا؟'' تو میں نے عرض کیا کہ ''حضرت! وہ اپنی بہت زیادہ ضرورت اور عیال داری کا شکوہ کررہا تھا، تو مجھے ترس آگیا، اور میں نے اُسے چھوڑ دیا''۔ اِس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''وہ جھوٹا ہے اور وہ دوبارہ آئے گا''۔

تو مجھے حضور کے اِرشاد کی وجہ سے یقین ہوگیا کہ وہ پھر لوٹ کر آئے گا، اِس لئے میں اُس کی ٹوہ میں رہا؛ چناں چہ وہ رات میں آکر پھر سامان سمیٹنے لگا، تو میں نے اُسے پکڑ لیا، اور حضور اکرم علیہ السلام کے سامنے پیش کرنے کا اِرادہ کیا، تو وہ کہنے لگا کہ ''آپ مجھے چھوڑ دیجئے، میں بہت زیادہ ضرورت مند ہوں، اور اَب آئندہ نہیں آؤں گا''۔ اُس کی بات سن کر مجھے پھر ترس آگیا اور میں نے اُس کو چھوڑ دیا۔

صبح کو پھر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کے متعلق سوال فرمایا، اور میرے جواب دینے پر فرمایا کہ ''وہ جھوٹا ہے اور وہ پھر دوبارہ آئے گا''؛ چناں چہ تیسرے دن میں نے اُسے پکڑ کر سختی سے کہا کہ ''تو بار بار وعدہ کر کے خلاف ورزی کرتا ہے، اَب میں تجھے نہیں چھوڑوں گا، اور حضور اکرم علیہ السلام کی خدمت میں پیش کروں گا''۔ تو اُس نے بڑی لجاجت سے کہا کہ ''آپ مجھے چھوڑ دیں، میں آپ کو ایسے چند ایسے کلمات سکھلاؤں گا، جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ آپ کو نفع پہنچائیں گے''۔ میں نے کہا کہ ''وہ کلمات کیا ہیں؟'' تو وہ کہنے لگا کہ ''جب آپ سونے کے لئے بستر پر جائیں تو پوری ''آیۃ الکرسی'' ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ پڑھا کریں، جس کی وجہ سے صبح تک آپ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہیں گے، اور کوئی شیطان آپ کے قریب ہرگز نہیں آ سکے گا''۔ تو اُس کی یہ بات سن کر میں نے اُسے چھوڑ دیا (اِس لئے کہ حضراتِ صحابہؓ کی نظر میں نفع بخش کلمات کی اہمیت زیادہ تھی)

جب میں صبح کو نبی اکرم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر رات کے قیدی کے بارے میں دریافت فرمایا، تو میں نے سارا قصہ سنا دیا۔ تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: ''أَمَا إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوْبٌ'' (یعنی اُس نے تم سے سچ کہا؛ اگرچہ وہ مہا جھوٹا ہے)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ابوہریرہ! تم جس شخص کو تین راتوں سے قیدی بنا رہے تھے وہ شیطان تھا''۔ (صحیح البخاری/کتاب الوکالۃ حدیث:۲۳۱۱ ملخصاً)

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ شیطانی اَثرات سے محفوظ رہنے کے لئے آیت الکرسی کی تلاوت کا اہتمام بہت مفید اور مؤثر ہے، بالخصوص صبح وشام اور نمازوں کے بعد اِس کی تلاوت کا معمول بنانا چاہئے، تو غیر معمولی برکات حاصل ہوں گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

تو اِرشاد ہوتا ہے: ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ. مَلِكِ النَّاسِ. اِلٰهِ النَّاسِ﴾ (آپ فرمائیے کہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب، لوگوں کے بادشاہ اور لوگوں کے معبود کی)

آ گے فرمایا: ﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ﴾ (اُس کے شر سے جو پھسلائے اور چھپ جائے)

شیطان کی عادت ہے کہ وہ برے وسوسے ڈال کر چھپ جاتا ہے، اور پیچھے ہٹ جاتا ہے، اور بعد میں تماشا دیکھتا ہے؛ لیکن جہاں بھی ذکرِ خداوندی کی بھنک ملتی ہے وہاں سے فوراً کھسک لیتا ہے۔

﴿الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ﴾ (یعنی جو لوگوں کے دلوں میں (برے) خیالات ڈالتا ہے)

پھر اخیر میں فرمایا: ﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ (یعنی یہ وسوسے ڈالنے والے جنات میں سے بھی ہیں اور آدمیوں میں سے بھی)

یعنی جو لوگ شیطان کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں، وہ اپنے پاس بیٹھنے والوں کی ذہن سازی کرتے ہیں، اور عام طور پر غلط سوسائٹی میں اُٹھنے بیٹھنے والے شیطانی جال میں پھنس جاتے ہیں۔ اُن سے بچنے کے لئے غلط صحبت سے دُور ہونا ضروری ہے۔ نیز اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع اور اُس سے استعاذہ بھی لازم ہے۔

حسن اختتام

بہرحال یہ قرآنِ پاک کی آخری سورت ہے، قرآن کی ابتداء سورۂ فاتحہ سے ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے ساتھ ساتھ صراطِ مستقیم کی درخواست لگائی گئ۔

اور قرآن کا اختتام ''سورۂ ناس'' پر کیا گیا، جس میں شیاطین سے پناہ چاہنے کی تاکید کی گئی ہے، جو ایک کامیاب زندگی کے لئے ناگزیر ہے۔

تو اِس اعتبار سے ''سورۂ فاتحہ'' سے قرآنِ کریم ابتداء ''حسنِ آغاز'' ہے۔

اور ''سورۂ ناس'' پر اختتام بلاشبہ ''حسنِ اختتام'' ہے۔

گویا کہ یہ جتلا دیا گیا کہ اِنسان اُس وقت تک شرور سے بچ نہیں سکتا، جب تک کہ اپنے

خالق ومالک ''ربُّ العالمین'' کی پناہ میں نہ آ جائے؛ لہٰذا کوئی اپنی عبادت یا علم وفہم پر ہرگز بھروسہ نہ کرے؛ بلکہ یہ یقین رکھے کہ شیطان سے مقابلہ تو جبھی ہوگا جب اللہ تعالیٰ کی خاص مدد اور نصرت اِنسان کے شاملِ حال ہوگی، اِس کے بغیر تحفظ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو شیاطین کے مکر وفریب، اثرات اور وساوس سے پوری طرح محفوظ فرمائیں، ہر قسم کی عافیت سے نوازیں، اور شرور سے محفوظ رکھیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❏❖❏

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلہ اصلاحی بیانات: (۳۸)

متقین کی بنیادی صفات

(تفسیر آغاز ''سورۂ بقرہ'')

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دارالتوحید بنگلور

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ. [الذٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہیے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلہ اِصلاحی بیانات: (۳۸)

موضوعِ خطاب	:	متقین کی بنیادی صفات (تفسیر آغاز سورۂ بقرہ)
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	مرادآباد
تاریخ	:	۱۰/۶/۱۴۴۲ھ مطابق ۲۴/۱/۲۰۲۱ء بروز اتوار
دورانیہ	:	۳۵/منٹ
جمع وضبط	:	(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی مدرسہ دارالتوحید بنگلور

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکّل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ، ومن یضلل فلا ھادي لہٗ، ونشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ، ونشھد أن سیدنا وحبیبنا وسندنا وشفیعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تبارک وتعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ وذریاتہٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿الٓمّٓ○ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْہِ، ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ○ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ، وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ○ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○﴾ صدق اللّٰہ مولانا العلي العظیم

(ترجمہ: الٓمّٓ○ اِس کتاب میں کوئی شک نہیں، یہ متقین کے لئے رہنما ہے○ جو بے دیکھی

چیزوں پر یقین کرتے ہیں۔ اور نماز کو قائم رکھتے ہیں، اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے (کارِ خیر میں) خرچ کرتے ہیں ○ اور وہ لوگ جو آپ پر نازل شدہ (وحی اور قرآنِ مقدس) اور آپ سے پہلے (انبیاءِ سابقین پر) نازل کردہ (کتابوں) پر ایمان لاتے ہیں، اور آخرت کو یقینی جانتے ہیں ○ وہی اپنی رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں، اور وہی (درحقیقت) فلاح یاب ہیں)

محترم بھائیو اور بزرگو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو شریعت ہمیں عطا فرمائی ہے، وہ قیامت تک باقی رہنے والی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اُس کی بقا کا انتظام اِس طرح فرمایا کہ ہمیں اپنی کتاب (قرآنِ مقدس) عطا کرنے کے بعد یہ نہیں کہا کہ تم اِس کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری اُٹھانا؛ بلکہ یہ فرمایا کہ: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹] (یعنی ہم نے ہی یہ نصیحت آمیز کتاب اُتاری ہے اور ہم خود ہی اُس کی حفاظت کرنے والے ہیں)

تو ظاہر ہے کہ خود اللہ تعالیٰ جس کا محافظ ہو جائے اُس کو کون مٹا سکتا ہے؟ کسی شاعر نے سچ کہا ہے:

فانوس بن کے جس کی حفاظت ''ہوا'' کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن ''خدا'' کرے

لہٰذا قرآن باقی ہے اور باقی رہے گا، اور اُسی کے ساتھ دینِ محمدی بھی باقی ہے اور باقی رہے گا۔

پس جب تک قرآن پڑھا اور سنا جاتا رہے گا، اور اُسے سمجھ کر دل میں اُتارا جاتا رہے گا، تو اِن شاء اللہ دین زندہ رہے گا۔

قرآنِ کریم جس گھر میں پڑھا جائے گا اُس گھر میں دین رہے گا۔

جس محلے میں پڑھا جائے گا اُس محلے میں دین رہے گا۔

جس معاشرہ میں پڑھا جائے گا اُس معاشرے میں دین رہے گا۔

اور جس علاقے میں پڑھا جائے گا اُس علاقے میں دین رہے گا۔

گویا کہ قرآنِ کریم دینِ محمدی کی بقا کی سب سے بڑی ضمانت ہے، جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اُمت محمدیہ کو عطا فرمائی ہے۔

اِسی طرح یقیناً وہ لوگ بہت خوش نصیب ہیں جو قرآنِ پاک کو پڑھتے ہیں، سنتے ہیں اور سمجھنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔

لہٰذا خاص طور پر مساجد کے اندر ایسا نظام ہونا چاہئے کہ ہم نماز میں جو قرآن پڑھ رہے ہیں، اُس کے معانی سے بھی ہم آگاہ ہوں؛ تاکہ ہمیں پتہ چلے کہ قرآنِ کریم ہم سے کیا کہہ رہا ہے؟

بلاشبہ قرآن کو بلا سمجھے پڑھنے کا بھی بڑا ثواب ہے، اُس کے ہر ہر حرف پر ۱۰-۱۰ نیکیاں ملتی ہیں؛ لیکن اگر سمجھ کر پڑھا جائے، تو پھر ''نورٌ علیٰ نور'' اور ''سونے پر سہاگہ'' ہے۔

جو بھی قرآنِ پاک کو سمجھ کر پڑھے گا، وہ ضرور اِس نتیجے پر پہنچے گا کہ قرآنِ کریم میں بیان کردہ مضامین بڑے مضبوط اور لوہا لاٹ ہیں، اُن کا مطالعہ کرنے سے دلوں کے اندر سے کفر وشرک اور دیگر ضلالتوں کے جراثیم بالکل مٹ جاتے ہیں۔

قرآنِ کریم آدمی کو اَندھیرے سے نکال کر روشنی میں لاکر کھڑا کر دیتا ہے۔

قرآنِ کریم شرک وبدعت کے دلدل سے نکال کر توحید کی مضبوط چٹان پر قائم کر دیتا ہے۔

لہٰذا قرآنِ کریم سے وابستگی ہماری ضرورت ہے، اور سعادت کی بات ہے۔

اگر ہم نے اپنی زندگی میں قرآنِ کریم کو اُتار لیا اور اُس کی پیروی اختیار کرلی، تو کبھی بھی اور کہیں بھی ناکام نہیں رہیں گے، اور دنیا اور آخرت میں ہمیں پُرسکون زندگی نصیب ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

ختم قرآن کے بعد دوبارہ شروع کرنا

مفسر قرآن سیدنا حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا کہ ''اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کون سا عمل پسند ہے؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ''اَلْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ'' تو اُس شخص نے پوچھا کہ اِس لفظ کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَلَّذِي يَضْرِبُ مِنْ أَوَّلِ الْقُرْآنِ

إِلىٰ آخِرِهٖ كُلَّمَا حَلَ اِرْتَحَلَ". (سنن الترمذي، أبواب القراء ات رقم: ۲۹۴۸) (یعنی وہ شخص جو شروع سے اخیر تک قرآنِ کریم پڑھتا ہے اور ختم کرنے کے بعد دوبارہ شروع کردیتا ہے)

گویا کہ پیغمبر علیہ السلام نے اِس طرح کا عمل کرنے والے کو ایسے شخص سے تشبیہ دی ہے، جو کسی دینی مہم سے واپس لوٹے اور پھر فوراً اگلے سفر کی تیاری شروع کردے۔

اِسی بنا پر حفاظِ کرام کا یہ معمول ہے کہ ختم قرآن کے بعد سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات ﴿مُفْلِحُوْنَ﴾ تک پڑھتے ہیں۔

اور اِس میں ایک نیک فالی بھی ہے کہ ایک ختم کیا اور دوسرا شروع کردیا، تو جب شروع کردیا تو اُس کو ختم کرنے کی فکر بھی ہوگی، اور اللہ تعالیٰ توفیق سے نوازیں گے، اور یہ سلسلہ برابر جاری رہے گا؛ چناں چہ اِسی مناسبت سے آپ کے سامنے مذکورہ آیات کی تلاوت کی گئی ہے، اور اُنہیں کے متعلق چند باتیں عرض کرنے کا اِرادہ ہے۔

سورۂ بقرہ

''سورۂ بقرہ'' قرآنِ کریم کی سب سے لمبی سورت ہے اور موجودہ ترتیب میں ''سورۂ فاتحہ'' کے بعد اِسی کا نمبر ہے، یہ سورت ۲۸۶/ آیتوں اور تقریباً ڈھائی پارے پر مشتمل ہے، اور اِس کا شمار مدنی سورتوں میں ہے۔

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا کہ: ''جو لوگ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کو یاد کرکے پڑھنے والے اور اُن پر عمل کرنے والے ہوں گے، وہ میدانِ حشر میں اِس حالت میں آئیں گے کہ اُن کی رہنمائی اور قیادت یہ دونوں سورتیں کر رہی ہوں گی۔

اور فرمایا کہ اِس کی تین مثالیں ہیں، جیسے کوئی سائبان ہو، یا جیسے کوئی بادل کا ٹکڑا ہو، یا فضا کے اندر صف بستہ اُڑنے والے پرندے ہوں، جن کا سایہ زمین پر پڑتا ہو، اِسی طرح یہ سورتیں اپنے پڑھنے والوں پر سائبان بن کر چلیں گی''۔ (صحیح مسلم ۸۰۴، سنن الترمذی/ باب ماجاء فی سورۃ آل عمران ۱۱۶/۲ اشرفیہ دیوبند، مصنف عبدالرزاق رقم: ۵۹۱۱، المسند للامام احمد ۲۴۹/۵-۲۵۴ بحوالۃ: تفسیر ابن کثیر ۱۴۳/۱ زکریا)

ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک لشکر بھیجنے کا اِرادہ فرمایا، اور لشکر

کے اَمیر کے انتخاب کے لئے آپ نے حاضرین کا جائزہ لینا شروع کیا، آپ ہر ایک کو بلا کر یہ پوچھنے لگے کہ تمہیں قرانِ پاک کی کون کون سی سورتیں یاد ہیں؟

کسی نے دوسورتیں، کسی نے تین سورتیں بتلائیں۔

اِسی دوران ایک نوجوان لڑکا جو حاضرین میں شامل تھا، حضرت نے اُس سے پوچھا، ''تمہیں کیا یاد ہے؟''

اُس نے کہا مجھے فلاں فلاں سورت یاد ہے، اور سورۂ بقرہ بھی یاد ہے۔

حضور نے فرمایا کہ: ''اچھا! تمہیں پوری سورۂ بقرہ یاد ہے؟

لہٰذا تم ہی امیر ہو، جھنڈا تمہارے ہاتھ میں ہے''۔

اُس نوجوان کو جب یہ جھنڈا مل گیا، تو اُس جماعت میں ایک عمر دراز اور برادری کے باوقار آدمی بھی تھے (اُن کو ذرا احساس ہوا کہ ہم پیچھے رہ گئے، اور اِس نوجوان کو جھنڈا مل گیا) تو اُنہوں نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوکر معذرت کی کہ ہم نے تو ''سورۂ بقرہ'' اِس خطرہ سے یاد نہیں کی کہ بعد میں کہیں ہم بھول نہ جائیں۔

تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ:

''قرآن پڑھو اور قرآن پڑھاؤ، جو پڑھے گا اور سیکھے گا اور اُس کے بعد تلاوت کرے گا، اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشک سے بھری ہوئی ڈبیا کو کھول دیا جائے، اور سارے مجمع میں خوشبو پھیل جائے اور جو پڑھ لے گا مگر زیادہ تلاوت اور یاد کرنے کا اہتمام نہ رکھے گا تو اُس کی مثال ایسی ہے جیسے مشک کی ڈبیا ہو مگر بند ہو''۔ (سنن الترمذی/ باب ماجاء فی فضل سورۃ البقرۃ ۱۱۹/۲، المکتبۃ الاشرفیۃ دیوبند)

تو معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم پڑھنا کسی بھی حال میں فائدہ سے خالی نہیں ہے؛ لہٰذا یہ سوچ کر کہ بعد میں کہیں بھول نہ جائیں، قرآن سیکھنے میں سستی کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ (یعنی وہاں عبادت اور تلاوت کا سلسلہ جاری رکھو، اور وہاں قبرستانوں کی طرح سناٹا نہیں ہونا چاہئے) اور جس گھر میں

سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے، وہاں شیاطین اور آسیب وغیرہ کا اثر نہیں ہوتا‘‘۔ (ترمذی شریف، ابواب فضائل القرآن/ باب ماجاء فی سورۃ البقرۃ وآیۃ الکرسی ۲/۱۱۵)

تو معلوم ہوا کہ یہ سورت اپنے اندر بہت فضیلت رکھتی ہے، اور خاص طور پر اِس کی ابتدائی اور آخری آیات نیز ’’آیۃ الکرسی‘‘ کو بڑی فضیلت حاصل ہے، جسے تمام آیتوں کی سردار قرار دیا گیا ہے۔ (ترمذی شریف ۲/۱۱۵)

حروفِ مقطعات

سورۂ بقرہ کا آغاز حروفِ مقطعات یعنی ’’الٓمّٓ‘‘ سے کیا گیا ہے، جس کے معنی صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں، اِن کو پڑھنے پر حسب دستور کم اَز کم ۳۰ نیکیوں کا ثواب تو ملے گا؛ کیوں کہ یہ تین حروف پر مشتمل ہے؛ لیکن اِن سے اللہ تعالیٰ نے کیا مراد لیا ہے؟ ہمارا ناقص علم اُس کو سمجھنے سے قاصر ہے؛ لہٰذا اِن حروف کو پڑھتے ہوئے اپنی عاجزی کا اظہار کرنا ہے۔ اور بلا کسی تفصیل کے اُن پر اِیمان لانا ہے۔

کتابِ مقدس

’’سورۂ فاتحہ‘‘ میں صراطِ مستقیم کی طلب کی گئی تھی، تو اُس درخواست کی تکمیل ؛ گویا کہ اِس اِرشادِ عالی سے ہو رہی ہے کہ ﴿ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ﴾ یعنی صراطِ مستقیم یہی قرآنِ مقدس ہے، جس کے کلام الٰہی ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

کوئی یہ نہ کہے کہ اِسے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی طرف سے بنا کر پیش فرمایا ہے؛ بلکہ یہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمودہ کتاب ہے، اُس کے اَلفاظ اور معانی سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمودہ ہیں، اُن میں کسی کو اَدنیٰ درجہ کا بھی شک نہیں ہونا چاہئے۔

آج قرآنِ مقدس کے علاوہ کسی بھی کتاب کے بارے میں حقیقۃً منزّل من اللہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔

یہود ونصاریٰ آج کی مزعومہ ’’توریت‘‘ یا ’’انجیل‘‘ کے بارے میں خدائی کتاب ہونے کا

جو دعویٰ کرتے ہیں، وہ اُس کے متعلق کوئی معتبر دلیل پیش نہیں کر سکتے؛ اِس لئے کہ اُن کتابوں کے نزول کے زمانے سے لے کر آج تک اعتماد و اعتبار کا تسلسل برقرار نہیں ہے۔ درمیانی صدیوں میں اُن کتابوں میں کیسی کیسی تحریفات اور تبدیلیاں کی گئیں، خود اُن کے پاس بھی اِس کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ اُن کے دنیا دار اور مفاد پرست مذہبی رہنماؤں نے رشوتیں لے کر احکامات بدل ڈالے، اور سب سے بڑی بات تو یہ ہوئی کہ جس زبان میں اُن کتابوں کا نزول ہوا تھا، اُس کی پاس داری بھی نہ کی جا سکی، اور اصل زبان کو نظر انداز کر کے اُن کتابوں کے دیگر زبانوں میں ترجمے کر دیئے گئے، اور اُنہی تراجم کو اصل مان لیا گیا، جس کی بنا پر پوری کتابیں ہی غیر معتبر ہو گئیں۔

اِس کے برخلاف قرآنِ پاک کا کمال یہ ہے کہ وہ جس فصیح ترین عربی زبان میں نازل ہوا تھا، آج اُسی زبان میں پوری دنیا میں پڑھا اور لکھا جاتا ہے۔ کیا عرب کیا عجم؟ کیا مشرق کیا مغرب؟ کیا شمال کیا جنوب؟ پورے عالم کے رہنے والے مسلمان سب دورِ نبوت سے آج تک ایک ہی قرآن پڑھتے ہیں۔

بہت سے عجمی لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر قرآن کے علاوہ کوئی اور عربی کتاب اُن کے سامنے رکھ دی جائے، تو وہ ایک لائن بھی نہ پڑھ پائیں؛ لیکن کتنا ہی گیا گزرا مسلمان کیوں نہ ہو، اور کہیں کا بھی رہنے والا ہو؟ وہ قرآن تو کچھ نہ کچھ پڑھ ہی لیتا ہے، اور اُسی زبان میں پڑھتا ہے جس میں اُس کا نزول ہوا ہے، اور بہترین انداز میں پڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

بہت سے لوگ جن کی مادری زبان عربی نہیں ہے، مگر جب وہ قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو عرب حضرات بھی عش عش کر اُٹھتے ہیں۔

ایک یادگار تلاوت

کئی سال قبل وسطی اَمریکہ کے ایک ملک (ٹرینی ڈاڈ) میں ہمارا جانا ہوا، وہاں انگریزی بولی جاتی ہے۔ تو ایک مسجد میں ایک حبشی النسل جوان نے عشاء میں ایسی شاندار تلاوت کی کہ جی چاہ رہا تھا کہ بس وہ پڑھتا ہی رہے، آج تک اُس کی چاشنی دل و دماغ میں محفوظ ہے۔ اَب دیکھئے کہ حجاز

مقدس سے ہزاروں میل دور رہنے والا، اور انگریزی زبان بولنے والا جب تجوید اور حسن اَدا کے ساتھ قرآن پڑھتا ہے تو سننے والے سرُ دھنتے ہیں، تو یہ قرآن کا اعجاز نہیں تو اور کیا ہے؟

ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی حقانیت کے لئے تو یہی ایک دلیل کافی ہے کہ وہ اپنی اصل زبان اور لہجے میں موجود اور محفوظ ہے۔ اور اُس کے ۳۰/ پارے چھوٹے چھوٹے بچے اپنے سینوں میں محفوظ کر رہے ہیں، قرآن کے علاوہ اِس کی کہیں اور مثال نہیں مل سکتی۔

پھر اُس کے معانی بھی بے مثال اور لاجواب ہیں، اور اُس میں پرانی قوموں کے واقعات اور آخرت کی منظر کشی بھی جابجا کی گئی ہیں، اِن باتوں کا نبی اُمی، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اِظہار؛ یہ بھی اُس کے برحق ہونے کی کھلی دلیل ہے۔ اِس میں ذرہ برابر کسی کو شک نہیں ہونا چاہئے۔

اور چوں کہ جب تک کلامِ الٰہی کے برحق ہونے کا دل میں یقین نہ ہو، اُس وقت تک اُسے پڑھنے کا پورا فائدہ بھی نہیں ہوسکتا؛ اِس لئے سورۂ بقرہ کی ابتداء اِسی حقیقت کے اعلان سے کی گئی ہے۔

اَب نہ اُتریں گے صحیفے اَب نہ آئیں گے رسول
لے کے قرآں آخری پیغامبر پیدا ہوئے

متقی گر کتاب

اُس کے بعد فرمایا گیا: ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ (یعنی یہ کتاب تقویٰ والوں کے لئے ذریعۂ ہدایت ہے)

اِس پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ تقویٰ والے تو پہلے ہی متقی ہیں، پھر اُن کو ہدایت کی کیا ضرورت ہے؟ کیوں کہ ہدایت یافتہ ہوئے بغیر متقی ہونے کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا؟

تو اِس اِشکال کا جواب دو طرح سے دیا گیا ہے:

الف:- آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب آدمی کو متقی بنانے والی ہے، یعنی جسے متقی بننا ہو وہ قرآن کو اپنا رہبر بنائے؛ گویا کہ تقویٰ کی طرف رہنمائی کرنے والی کتاب ہے۔

ب:- اور دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا کہ یہ متقیوں کو تقویٰ پر قائم رکھنے والی کتاب ہے؛

گویا کہ متقی حضرات اُسی وقت تک متقی رہیں گے، جب کہ وہ قرآن کو اپنا رہبر بنا کر زندگی گذاریں گے۔ یا یوں کہیے کہ یہ تقویٰ پر جمانے والی کتاب ہے۔

اہلِ تقویٰ کی پہچان

اَب سوال یہ پیدا ہوگا کہ متقین کے مصداق کون لوگ ہیں؟ کیوں کہ محض تقویٰ کا دعویٰ کافی نہیں ہے؛ بلکہ اُس دعوے کا ثبوت دینا ضروری ہے۔ تو اِس سلسلے میں آگے متقین کی چند بنیادی صفات بیان کی گئی ہیں:

اِیمان بالغیب

(۱) اُن میں سب سے پہلی صفت یہ ہے کہ: ﴿اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ﴾ (یعنی متقین وہ ہیں جو بِن دیکھے اِیمان لاتے ہیں) کیوں کہ دیکھ کر تو ہر ایک مان جاتا ہے، کمال تو جب ہے جب آدمی بِن دیکھے مانے۔ مثلاً: قیامت کو اور حشر ونشر کے حالات کو کسی نے نہیں دیکھا؛ لیکن قرآنِ کریم اور سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے پر ہمیں اُن باتوں پر ایسا یقین ہے کہ ہم آنکھوں سے دیکھی جانے والی چیزوں کو تو جھٹلا سکتے ہیں؛ لیکن معتبر نصوص سے ثابت شدہ قیامت کے اَحوال کو ہرگز نہیں جھٹلا سکتے، اُس پر ہمارا مشاہدہ سے زیادہ یقین ہے۔ اور یہی اِیمان بالغیب ہے، جس کے بغیر اِیمان معتبر نہیں ہے۔

’’ابوبکر‘‘ کیسے ’’صدیق اکبر‘‘ بنے؟

اِسی طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر معراج پر تشریف لے گئے، اور ایک ہی رات میں ساتوں آسمان؛ بلکہ اُس سے آگے کا سفر طے ہوگیا۔ تمام انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوگئیں، اور جنت اور جہنم کا معائنہ بھی ہوگیا، اور حیرت یہ ہے کہ لاکھوں میل کا سفر رات کے ایک حصہ میں ہی پورا ہوگیا۔ آپ علیہ السلام مسجد حرام (مکہ معظّمہ) سے اَولاً مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس) تشریف لے گئے، پھر سب آسمانوں کا سفر ہوا، اور واپس بھی تشریف لے آئے۔

صبح کو آپ نے جب اِس سفر کی تفصیلات بیان فرمائیں، تو مشرکین مذاق اُڑانے لگے کہ

''لو میاں! ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ اِس لئے کہ خود مکہ معظّمہ سے مسجد اقصیٰ کی مسافت ایک مہینے کی ہے، اور آسمانوں کا سفر اُس کے علاوہ ہے، یہ ایک رات میں کیسے ممکن ہے؟''

کچھ لوگوں نے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر یہ تبصرہ کیا کہ ''تمہارے آقا ایسی خبریں سنا رہے ہیں، اَب تم جیسے سمجھ دار آدمی کا اِس کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

کوئی اور ہوتا تو دس بار سوچتا کہ اچھا یہ کیسے ہوگیا؟ لیکن ابوبکرؓ؛ ابوبکرؓ تھے، اُنہوں نے بغیر کسی توقف کے جواب دیا کہ ''اگر جو تم خبر دے رہے ہو وہ سچ ہے، اور حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ خبر دی ہے، تو میں گواہی دیتا ہوں کہ ضرور ایسا واقعہ پیش آیا ہے، اِس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اور ہمارے لئے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے، ہم نے تو آپؐ کے کہنے پر جنت اور جہنم مان لی، اور قیامت اور حشر ونشر کو مان لیا، تو اِس سفر کو ماننا کیا بڑی بات ہے؟'' (مستفاد: تفسیر ابن کثیر مکمل ص: ۷۶۱ دار السلام ریاض)

تو یہ ہے اَصل اِیمان؛ جو شریعت میں مطلوب ہے۔ اِسی تصدیق کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ کا لقب ''صدیق'' پڑا، اور آپ اُمت کے سب سے بڑے صدیق یعنی ''صدیقِ اکبر'' کہلائے۔

تو معلوم ہوا کہ اِیمان بالغیب کے بغیر تقویٰ کا اَدنیٰ سا درجہ بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔

نماز قائم کرنا

(۲) اُس کے بعد متقین کی دوسری صفت یہ بیان ہوئی کہ: ﴿وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ (یعنی وہ نماز قائم کرتے ہیں) اور قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آداب وشرائط کا لحاظ کرتے ہوئے پابندی کے ساتھ نماز اَدا کی جائے؛ لہٰذا جو شخص نماز کا پابند نہ ہو، اُس کی طرف سے متقی ہونے کا دعویٰ ہرگز قبول نہیں کیا جاسکتا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بس جمعہ کی نماز پڑھنا کافی ہے؛ حالاں کہ جمعہ کے مقابلے میں پنج وقتہ نماز کی اَہمیت زیادہ ہے؛ اِس لئے کہ جمعہ کے قیام کے لئے تو بہت سی شرطیں ہیں، مثلاً بڑی

آبادی ہو، کم اَز کم چار اَفراد ہوں، آدمی سفر میں نہ ہو وغیرہ؛ لیکن پنج وقتہ نماز تو ہر حال میں اور ہر جگہ پڑھنی ہی پڑھنی ہے۔ سفر ہو یا حضر، گھر میں ہوں باہر، بیمار ہوں یا صحت مند، کسی حال میں نماز کی رخصت نہیں؛ البتہ یہ رعایت ہے کہ اگر کھڑے ہوکر نہ پڑھ سکتے ہوں تو بیٹھ کر پڑھیں، بیٹھ کر نہ پڑھ سکیں تو لیٹ کر اِشارے سے پڑھیں۔

نماز کی معافی نہیں

ایک مرتبہ سفر کے دوران ہم نماز پڑھنے کے لئے اُترے، غالباً مغرب یا عصر کا وقت تھا، جب نماز پڑھ کر واپس آئے، تو دیکھا کہ ڈرائیور صاحب گاڑی میں اپنی سیٹ پر ہیں، اور اُنہوں نے مسلمان ہونے کے باوجود نماز اَدا نہیں کی، تو ہم نے اُن سے کہا کہ ''بھائی صاحب! اگر آپ نے نماز کی معافی کا کوئی کارڈ بنوا رکھا ہو تو ہمارا بھی بنوادو، تو یہ روز روز کا مسئلہ ہمارا بھی ختم ہو جائے گا''۔

اِس پر وہ کہنے لگے کہ ایسا کارڈ تو کسی کے لئے بھی نہیں بن سکتا، نماز تو فرض ہے، وہ تو پڑھنی ہی پڑے گی۔

تو ہم نے کہا کہ جب آپ کو نماز کی فرضیت کا یقین ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ اُس کی معافی کی کوئی شکل نہیں، تو نماز پڑھنے کیوں نہیں گئے؟

اِس سوال پر اُنہوں نے یہ عذر کیا کہ میرے کپڑے پاک نہیں تھے۔ اِس پر ہم نے کہا کہ جو آدمی نماز کا اہتمام کرے گا تو اُس کے کپڑے ناپاک رہ ہی نہیں سکتے، کپڑے تو اُسی کے ناپاک رہتے ہیں جو بے نمازی ہوتا ہے، نماز کا پابند شخص کبھی بھی زیادہ دیر ناپاک نہیں رہ سکتا؛ حتیٰ کہ اگر اُسے غسل کی ضرورت پیش آجائے، تو جب تک غسل نہیں کرلے گا اُسے چین نہیں آئے گا۔

اِسی طرح اگر بدن پر نجاست لگ جائے تو جب تک پاک نہیں کرے گا اُس کو سکون نہیں آئے گا، تو اِس طرح کا عذر نہیں چل سکتا، یہ سب حیلے بہانے ہیں، جن کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

لیکن اَفسوس ہے کہ آج بہت سے مسلمان نماز سے بچنے کے لئے اِسی طرح کا عذر کرتے نظر آتے ہیں، نعوذ باللہ من ذلک۔

صدقہ خیرات

(۳) اُس کے بعد متقین کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ: ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ﴾ (یعنی ہم نے جو اُنہیں رزق دیا ہے اُس میں سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے رہتے ہیں)

اور خرچ کرنے کے دو درجات ہیں:

(۱) ایک درجہ فرض کا ہے، یعنی جس شخص کے پاس نصاب کے بقدر مال ہو، اور اُس پر سال گذر جائے، تو حساب لگا کر زکوٰۃ کی اَدائیگی ضروری ہوتی ہے، وغیرہ۔

(۲) اور دوسرا درجہ نفل صدقات کا ہے، پھر اُس کے بھی مختلف مراحل ہیں، مثلاً: یہ کہ اَولاً اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا جائے۔ پھر اپنے رشتے داروں اور ضرورت مندوں پر صرف کیا جائے، پھر اگر بچ جائے تو دیگر مصارفِ خیر میں لگایا جائے۔ شریعت یہ نہیں کہتی کہ اپنے گھر والوں کو نظر انداز کر کے سارا مال مصارفِ خیر میں لگا دیا جائے؛ بلکہ سب کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی، تو ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اَشرفی ہے، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ''اِس کو اپنی ذات پر خرچ کرو''۔ پھر اُس نے عرض کیا کہ ''اگر میرے پاس مزید اَشرفی ہو تو کیا حکم ہے؟'' تو نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''اپنی اَولاد پر خرچ کرو''۔ پھر اُس نے عرض کیا کہ ''اگر مزید رقم ہو تو کیا مشورہ ہے؟'' تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''اپنی بیوی پر خرچ کرو''۔ پھر اُس نے عرض کیا کہ ''اگر میرے پاس مزید مال ہو تو میں کیا کروں؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اپنے خادم پر خرچ کرو''۔ پھر اُس نے مزید مشورہ طلب کیا، تو اَب آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''أَنْتَ أَبْصَرُ''. (سنن أبي داؤد، کتاب الزکاة / باب في صلة الرحم رقم: ١٦٩١) (یعنی اَب تم جہاں مصلحت سمجھو خرچ کرو)

خلاصہ یہ کہ ضرورت کے مواقع پر مال خرچ کرنا اور بخل اور لالچ سے دور رہنا یہ بھی اہل تقویٰ کی ایک اہم نشانی ہے۔

وحی پر یقین

(۴)اور متقین کی چوتھی صفت یہ بیان ہوئی کہ: ﴿وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ﴾ (یعنی جو قرآنِ کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، اور جو کتابیں آپ سے پہلے انبیاء پر اُتاری گئیں، وہ اُن سب پر اِیمان لاتے ہیں)

اِسلام کی حقانیت کے دلائل میں سے ایک اہم دلیل یہ ہے کہ وہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام اور اُن پر نازل کردہ کتابوں کی بھی تصدیق کرتا ہے۔ اِسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ یہود ونصاریٰ ہمارے مخالف ہیں تو ہم (نعوذ باللہ) اُن کی کتابوں کا سرے سے انکار کردیں یا اُن کے رسولوں کی شان میں کوئی گستاخی کریں، ہمارا دین ہرگز یہ نہیں سکھلاتا؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ جن پیغمبروں کو مانتے ہیں وہ اُن سے پہلے ہمارے پیغمبر ہیں۔

سیدنا حضرتِ موسیٰ، سیدنا حضرتِ عیسیٰ، سیدنا حضرتِ داؤد، سیدنا حضرتِ سلیمان علیہم السلام، اسی طرح سیدنا حضرتِ مریم رضی اللہ عنہا اور دیگر انبیاء علیہم السلام وہ سب ہمارے سر کے تاج ہیں، اُن کی شان میں کوئی بھی مسلمان ذرہ برابر بھی گستاخی کی جسارت نہیں کرسکتا۔

لیکن یہ یاد رہنا چاہئے کہ جب توریت نازل ہوئی تو وہ کتابِ برحق تھی۔ اِسی طرح زبور اور انجیل بھی اپنے اپنے زمانے میں قابل عمل تھیں۔ مگر قرآنِ مقدس کے نزول کے بعد سابقہ سب کتابوں کے احکامات منسوخ ہوچکے ہیں، اور اَب صرف قرآنِ مقدس اور شریعت محمدی ہی قابل عمل اور ذریعہ نجات ہے، اِس پر یقین لازم ہے۔

ختم نبوت کی ایک دلیل

یہ آیت نبی اکرم علیہ السلام کی ختم نبوت پر کھلی دلیل بھی ہے؛ اِس لئے کہ اِس میں صرف قرآنِ مقدس اور اُس سے پہلے نازل شدہ کتابوں پر اِیمان کا تذکرہ ہے۔ اگر حضور اکرم علیہ السلام کے بعد بھی نبوت جاری رہنا مقدر ہوتا، تو آیت میں بعد کا بھی تذکرہ ہونا چاہئے تھا، یہ تذکرہ نہ ہونا

اِس بات کا واضح اعلان ہے کہ اَب نہ کوئی رسول آئے گا، نہ کتاب نازل ہوگی اور نہ وحی اُترے گی۔

(ردمرزائیت کے زریں اُصول/مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ)

آخرت پر اِیمان

(۵) اور متقین کی پانچویں صفت یہ بیان ہوئی کہ: ﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ (یعنی وہ آخرت پر پختہ یقین رکھتے ہیں)

آخرت کا عقیدہ اِسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے، جو صاحب اِیمان کو قدم قدم پر اپنا محاسبہ کرنے اور صحیح راستے پر قائم رہنے پر آمادہ کرتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر آخرت کی جواب دہی کا تصور نہ ہو، تو آدمی کے لئے برائیوں اور حق تلفیوں سے بچنا بہت مشکل ہوجائے، اِسی لئے قرآن وحدیث میں جابجا آخرت کی فکر رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اور جنت کا شوق دلاکر اور جہنم کے عذاب سے ڈراکر آخرت میں ''حیاتِ طیبہ'' کا مستحق بننے کی ترغیب دی گئی ہے۔

خوش خبری

مذکورہ صفات بیان کرنے کے بعد اہل تقویٰ کو یہ بشارت سنائی گئی کہ: ﴿اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (یعنی یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں، اور یہی لوگ فلاح پائیں گے) اور کامیاب اور بامراد ہوں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اگر ہم غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ مذکورہ چار آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے زندگی گذارنے کا طریقہ اور دستور پوری طرح کھول کر بیان فرمادیا ہے۔

اِس لئے ہمیں اپنے عقائد، عبادات، معاملات اور اَخلاق ومعاشرت کو درست رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور یہ عزم کرنا چاہئے کہ ہم خود بھی دین پر قائم رہیں گے اور اپنی نسلوں کو بھی دین پر قائم رکھنے کی فکر کریں گے۔

❑❖❑

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۳۹)

اِیمان بچانے کی محنت

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی بنگلوری

مدرسہ دارالتوحید بنگلور

ناشر

المرکز العلمی للنشر والتحقیق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہیے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۳۹)

موضوعِ خطاب	:	ایمان بچانے کی محنت
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	معلّمین اور ذمہ داروں کا اجتماع، سلاکوٹ اجمیر راجستھان
تاریخ	:	۱۰؍شعبان ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۴؍ مارچ ۲۰۲۱ء بروز بدھ
دورانیہ	:	۱۴؍منٹ
جمع وضبط	:	(مفتی) عبدالرحمٰن قاسمی مدرسہ دارالتوحید بنگلور

○

الحمد لله رب العالمین، أشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شریک له، وأشهد أن سیدنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلی الله تبارک وتعالیٰ علیه وعلیٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذریاتهٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا، أما بعد.

فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: "مَفَاتِیْحُ الْجَنَّةِ: شَهَادَةُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ". (المسند للإمام أحمد بن حنبل / عن معاذ ابن جبل رقم: ۲۲۱۰۲)

معزز علماء کرام، بزرگو اور بھائیو! اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے اور شکر کا موقع ہے کہ اُس نے ہمیں اِس ناموافق ماحول میں دین پر جمے رہنے اور اُس کے بارے میں فکر کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

ہمیں یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے، اُسے ہماری ضرورت نہیں ؛ مگر ہم ہر ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔

اِسی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ دین پر چلنا اور قائم رہنا اللہ تعالیٰ کی ضرورت نہیں ؛ بلکہ یہ ہماری اپنی ضرورت ہے ؛ گویا کہ ہم دین کے محتاج ہیں ؛ مگر دین ہمارا محتاج نہیں ہے۔ اگر ہم دین پر نہیں چلیں گے، تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑے گا ؛ بلکہ ہمارا اپنا ہی نقصان ہوگا۔

ہمارے بڑوں نے بظاہرِ اَسباب ہمیں دین پر قائم رکھنے کی محنتیں کیں، بچوں اور بچیوں کو

دین پڑھایا، مسجدیں بنائیں، مکاتب قائم کیے، تبلیغی محنتیں ہوئیں، علماء کی آمد ورفت ہوتی رہی، جس کا اثر آج ہم کھلی آنکھوں محسوس کر رہے ہیں کہ یہاں پر ماشاء اللہ داڑھی ٹوپی اور صلحاء کے لباس میں لوگ موجود ہیں، شاندار مسجدیں بنی ہوئی ہیں، اور جماعتوں کی نقل وحرکت جاری ہے، فالحمدللہ علی ذلک۔

تو ہمارے بڑوں نے محنت کی تو ہم پھل کھا رہے ہیں، اور فائدہ اُٹھا رہے ہیں، اَب ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ جیسے ہمارے بڑوں نے ہمارے لئے فکر کی تھی، ہم بھی اپنی آنے والی نسلوں کے لئے ویسی ہی فکر اور محنت کریں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ دادا باغ لگاتا ہے اور پوتا پھل کھاتا ہے، اگر دادا باغ نہ لگاتا تو پوتا پھل کہاں سے کھاتا؟ یہی ترتیب ہر چیز میں ہے۔

تو جیسے ہمارے آباء واجداد اور اکابر علماء نے یہاں دین کو زندہ کرنے کے لئے قربانی دیں، جس سے بہت سے مقامات پر شرک کی اندھیریاں مٹیں، اور اِیمان کے اُجالوں سے کتنے ہی گھرانے روشن ہوگئے۔ اِسی طرح ہمیں بھی پوری ہمت کے ساتھ اِس سلسلے کو جاری رکھنا ہے۔

تشویش ناک صورتِ حال

آج صبح سے ہم جن علاقوں (اجمیر کے گرد ونواح) سے ہوکر آرہے ہیں، اُن میں بعض بستیوں میں ایسے اَفراد بڑی تعداد میں ہیں، جو اگرچہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں؛ لیکن اُن کے گھروں میں مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کی تصاویر کے ساتھ ساتھ باقاعدہ بت بھی رکھے ہوئے ہیں، اور وہ دونوں کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور بعض مقامات پر یہ منظر بھی نظر آیا کہ اُنہوں نے مسجد کے ساتھ ساتھ مندر اور استھان بھی بنا رکھے ہیں، جس پر وہ میلے لگاتے ہیں۔ بڑے اَفسوس کی بات ہے کہ اُن میں بعض مردوں اور عورتوں سے کلمہ پڑھنے کو کہا گیا، تو اُس کے اَلفاظ دہراتے ہوئے بھی اُنہوں نے جھجھک محسوس کی۔ آج اُن کا حال یہ ہے کہ وہ صرف تین باتوں (ذبیحہ، ختنہ اور تدفین) کی بنیاد پر اپنے کو مسلمان کہتے ہیں؛ ورنہ اور کوئی اسلامی علامت اُن میں نہیں پائی جارہی ہے۔

اَب اگر اِن آبادیوں کی فکر نہیں کی گئی، تو یہ لوگ رفتہ رفتہ پوری طرح کفر وشرک کے رنگ میں رنگ جائیں گے، اور اِس وقت اُن میں جو تھوڑے بہت برائے نام ایمان واِسلام کے آثار پائے جاتے ہیں، وہ بھی باقی نہیں رہیں گے۔

سب سے بڑی دینی خدمت

ایسے لوگوں کو دین پر ثابت قدم رکھنا یہ ہماری نظر میں اِس دَور کی سب سے بڑی خدمت ہے، اور اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ موجبِ اَجر وثواب ہے۔

آپ نے حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنا ہوگا، وہ قریبی زمانے کے بڑے بزرگ گذرے ہیں۔ ایک مرتبہ ہم آپ کی زیارت وملاقات کے لئے مدرسہ عربیہ ہتھورا ضلع باندہ حاضر ہوئے، وہ علاقہ بھی یہاں کی طرح بہت ہی جہالت زدہ تھا، اَب تو کافی تبدیلی آگئی ہے، ورنہ پہلے بہت زیادہ بدعات، خرافات، اور شرکیات عام تھیں۔ حضرتؒ اُسی علاقے کے رہنے والے تھے؛ لیکن فتح پور کے مدرسہ میں اعلیٰ کتابیں (مثلاً: مشکوٰۃ شریف، ہدایہ وغیرہ) پڑھاتے تھے، آپ کی قابلیت بہت اعلیٰ تھی۔ تو حضرتؒ نے دورانِ گفتگو فرمایا کہ:

''فتح پور میں تدریس کے درمیان ایک رات دل میں خیال آیا کہ صدیق احمد! اللہ تعالیٰ قیامت میں یہ نہیں پوچھیں گے کہ تم نے مشکوٰۃ یا ہدایہ پڑھائی تھی یا نہیں؟ بلکہ یہ ضرور پوچھیں گے کہ تمہارے علاقے میں اِرتداد پھیل رہا تھا تو تم نے لوگوں کے ایمان کی فکر کی یا نہیں؟''

فرماتے ہیں کہ یہ خیال آتے ہی صبح کو مدرسہ سے استعفیٰ دے دیا، اور اپنے وطن ہتھورا جا کر بچوں کو الف - ب پڑھانا شروع کر دیا، اور علاقے میں بستی بستی جا کر دین کی دعوت پیش کی، اور اپنے شاندار اخلاق سے اُن کو دین سے مانوس کیا۔ ابتداء مدرسہ میں پڑھانے کے لئے کوئی پختہ عمارت نہ تھی، بس ایک چھپر سا ڈال لیا تھا، اُسی میں پڑھائی ہوتی تھی۔

فرماتے ہیں کہ اُس علاقے کی مٹی بہت کمزور ہے، جس کی بنا پر ہر سال بارش کے زمانے میں کچی دیواریں بہہ جاتی تھیں، اور چھپر ٹپکنے لگتا تھا۔

ایک مرتبہ ایسی نوبت آئی کہ کیچڑ کی وجہ سے کھڑے کھڑے پڑھانا پڑا؛ کیوں کہ بچوں کے بیٹھنے کا انتظام ہی نہ تھا۔ یہ دیکھ کر دل بھر آیا، اور اللہ تعالیٰ سے رو رو کر فریاد کی کہ کسی پختہ عمارت کا انتظام ہو جائے‘‘۔

فرماتے ہیں کہ ہماری ایک خاتون رشتہ دار تھیں، اُنہوں نے مدرسہ کے لئے کچھ پیسے دئے، جس سے اینٹیں پکائی گئیں، (پہلے اینٹ بنانے کے بڑے بڑے بھٹے نہیں ہوتے تھے: بلکہ کھیتوں میں ’’پجاوا‘‘ بنا کر انیٹیں پکالی جاتی تھیں) بہرحال اُن اینٹوں سے کچھ عمارت بنائی گئی، جس سے بڑی خوشی ہوئی، پھر حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو پوری صورتِ حال لکھ کر دعا کی درخواست کی، حضرت اُس وقت کانپور میں تشریف فرما تھے، تو آپ نے کچھ رقم بھیجی اور فرمایا کہ ’’اَب کام نہیں رکے گا‘‘۔

حضرت کی بات پوری ہوئی، اور وہ مدرسہ آج پورے علاقے کا دینی مرکز بن چکا ہے، اور دور دور تک اُس کا فیض جاری وساری ہے۔

تو اللہ کے یہاں اخلاص کی بڑی قدر ہے، وہاں یہ دیکھا جائے گا کہ اِس بندے کے ذریعے کتنے بچوں نے قرآن پڑھ لیا؟

کتنے لوگوں نے دین سیکھ لیا؟

کتنے اَفراد نے کلمہ پڑھ لیا؟

کتنے لوگوں نے شرک سے توبہ کر لی؟

کتنے اِنسانوں نے گناہوں سے دوری اختیار کر لی؟

کتنے لوگوں نے شراب اور بری عادتیں چھوڑ دیں؟ وغیرہ۔

ہماری محنت سے اگر یہ کام انجام پائیں گے تو ہمارا نامۂ اَعمال قیامت میں چمکتا ہوا نکلے گا، اور ہم اللہ کے دربار میں سرخ رو ہوں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اِس لئے ضرورت ہے کہ دل میں فکر پیدا کی جائے اور اِس پورے علاقے میں گاؤں گاؤں

جا کر محنت کی جائے، جس طریقے سے بھی لوگ مانوس ہوسکیں، رشتہ داری یا تجارت وغیرہ کے ذریعہ اُن کو قریب لاکر دین سے وابستہ کرنا ہے۔

اور اُس کا سب سے بہتر اور کارآمد طریقہ ہر بستی میں مکتب کا قیام ہے؛ اِس لئے کہ اگر ہم کہیں ملنے جائیں، یا کوئی جماعت بستی میں جائے، اور صرف بات کر کے آجائے، تو اُس کا اثر زیادہ دن نہیں رہتا؛ لیکن اگر ہم نے وہاں کے بچوں پر محنت شروع کر دی تو آج سے ۱۰-۱۵؍ سال کے بعد اُس کے پھل اور اثرات ظاہر ہونے شروع ہو جائیں گے۔

اِس لئے جو حضرات بھی جمعیۃ علماء ہند کے مکاتب سے مربوط ہو کر محنت کر رہے ہیں، یا دیگر اِداروں کے مکاتب سے وابستہ ہیں، اُن کو مزید مستحکم اور مربوط کرنے کی ضرورت ہے۔

نیز تعلیمی نظام کو درست رکھنا بھی ضروری ہے، اُس میں لاپرواہی ٹھیک نہیں ہے۔ ہر اُستاذ اپنے مکتب میں پڑھنے والے ہر بچے کو اپنا سگا بچہ سمجھ کر اُس کے ساتھ شفقت اور ہمدردی کا معاملہ کرے؛ کیوں کہ اُستاذ کی شفقت کا بچے اور اُس کے گھر والوں پر بڑا اچھا اثر پڑتا ہے۔

آج جہاں ہم صبح پہلی بستی (سِدریہ) میں گئے تھے، وہاں کے اِمام اور مدرس صاحب نے مسلسل ۱۸؍ سال محنت کر کے پورے گاؤں کا رنگ بدل دیا، ماشاء اللہ آج وہاں عالی شان مسجد زیرِ تعمیر ہے، بستی کے سب چھوٹے بڑے اِمام صاحب سے مانوس ہیں، اور اُن کا دل سے احترام کرتے ہیں۔

اسی طرح موضع ''راجوسی'' کی جامع مسجد کے اِمام مولانا محمد اسماعیل صاحب پالن پوری کی خدمات بھی قابلِ قدر ہیں۔

تو اِس طرح کے فکر مند ساتھی اگر کھڑے رہیں گے، تو اِن شاء اللہ حالات بدل جائیں گے، مایوس ہونے کا کوئی موقع نہیں ہیں، ہماری اپنی طرف سے جو بھی محنت ہو اُس میں کمی نہیں ہونی چاہئے؛ بلکہ یہ جذبہ ہونا چاہئے ہمارے علاقے کا کوئی بھی اپنے کو مسلمان کہلانے والا شخص جنت میں جانے سے محروم نہ رہ جائے۔ اگر ہم یہ فکر پیدا کرلیں گے تو اِن شاء اللہ راستے کھلیں گے، اور

غیر متوقع طور پر آپ اِس علاقے میں ہدایت کی بہاریں دیکھیں گے۔

ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے؛ لیکن محنت کرنا بندے کا کام ہے، ہمیں ہمت نہیں ہارنی چاہئے ؛ بلکہ اللہ تعالیٰ سے خیر کی اُمید رکھنی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، ہمارے جن بزرگوں کی محنتوں سے یہ رونقیں بحال ہیں اللہ تعالیٰ اُن کی قبروں کو نور سے منور فرمائیں، اور اُن کو آخرت میں بہترین بدلہ عطا فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❒❖❒

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اشاعت: (۴۰)

مساجد کی اَہمیت

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) انعام الحق قاسمی حیدرآبادی

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ. [الذّٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہیے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۴۰)

- موضوعِ خطاب : مساجد کی اَہمیت
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : مسجد معاذ بن جبل لیسٹر (یوکے)
- تاریخ : ۲؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ مطابق ۵؍نومبر ۲۰۱۳ء بروز منگل
- دورانیہ : ۱۰؍منٹ
- جمع وضبط : (مفتی) انعام الحق قاسمی حیدرآبادی

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکّل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ، ومن یضلل فلا ھادي لہٗ، ونشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ، ونشھد أن سیدنا وحبیبنا وسندنا وشفیعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تبارک وتعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ وذریاتہٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا. [الجن: ۱۸] صدق اللّٰہ مولانا العلي العظیم.

محترم بھائیو اور بزرگو! ایک مسلمان کے لئے مسجد کا وجود ایسے ہی ضروری ہے جیسے مچھلیوں کی زندگی کے لئے پانی کا وجود ضروری ہے، اگر آپ مچھلی کو پانی سے باہر نکال دیں تو وہ کچھ دیر میں تڑپ کر مر جائے گی۔

اِسی طرح اگر مسلمان ایسی جگہ رہنے لگے جہاں مسجد اور باجماعت نماز کا نظم نہ ہو، تو خود اُس کے یا اُس کی نسل کے لئے زیادہ دن تک اِیمان پر قائم رہنا مشکل ہے۔

مسجد نبوی کی تعمیر

اِسی لئے سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمانے کے بعد مدینہ منورہ پہنچ کر سب سے پہلے مسجد کے قیام کی فکر فرمائی۔

چناں چہ ۱۴؍ دن آپ قباء میں قیام پذیر رہے تو وہاں ''مسجد قبا'' قائم ہوئی۔

پھر وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لے جاتے ہوئے راستے میں ''قبیلہ بنوسالم'' میں آپ نے جمعہ کی نماز اَدا فرمائی، وہاں آج ''مسجدِ جمعہ'' قائم اور موجود ہے۔

اور پھر جب آپ کا مدینہ منورہ میں سیدنا حضرت ابواَیوب انصاری رضی اللہ عنہ کے در دولت پر قیام ہوا، تو وہاں پہنچ کر سب سے پہلے آپ نے ''مسجدِ نبوی'' کی تعمیر کی فکر فرمائی۔

اَولاً مسجد کی جگہ حاصل کی گئی، جو انصار کے قبیلۂ بنونجار کے لوگوں کی تھی، پھر اُس جگہ کو برابر کر کے مسجد کی شکل دی گئی۔

حدیث میں آتا ہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک تھے۔ اور سب کی زبانوں پر یہ جملہ تھا: ''**اَللّٰهُمَّ لاَ خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَةِ، فَاغْفِرِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ**''. (صحيح البخاري / باب هل ينبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد ۱/۶۱ رقم: ٤٢٤) (یعنی اے اللہ! خیر تو بس آخرت کی خیر ہے؛ لہٰذا انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمائیے۔

اِس معنی خیز ''رجز'' (ترانہ) میں یہ پیغام دیا گیا کہ مؤمن کے لئے اصل مطلوب آخرت کی بھلائی ہے، اور اُس کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کا حصول ہے۔

تو بہرحال ہم یہ عرض کر رہے ہیں کہ آپ اِسلامی تاریخ اُٹھا کر دیکھئے، اور دنیا کے ممالک کے حالات کا جائزہ لیجئے، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جن علاقوں میں مسجدیں موجود ہیں وہاں دین زندہ اور ترقی پذیر ہے۔

اورجن علاقوں میں مسجدیں نہیں ہیں، یا مسجدیں تو ہیں؛ لیکن مسلمانوں کا ربط مسجدوں سے نہیں ہے، تو وہاں کی دینی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔

مسجد کی تعمیر کی فضیلت

اورضرورت کی جگہوں پر مسجد کی تعمیر کی بڑی فضیلت وارد ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشادفرمایا: ''مَنْ بَنَى مَسْجِدًا يَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللّٰهِ بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ''.

(صحيح البخاري ٦٤/١ رقم: ٤٥٠، صحيح مسلم رقم: ٥٣٣، الترغيب والترهيب مكمل ص: ٨٢ رقم: ٤١٨ بيت الأفكار الدولية) (یعنی جوشخص اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے (دنیامیں) مسجد بنائے، تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے جنت میں گھر تعمیر فرمائیں گے)

اوراُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: ''حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں محلے محلے مساجد کی تعمیر کرنے کا اوراُنہیں صاف ستھرااورخوشبودار رکھنے کا حکم فرمایا''۔ (سنن ابی داؤد حدیث:۴۵۵ وغیرہ، الترغیب والترہیب مکمل حدیث:۴۳۶)

اِس لئے جہاں بھی ضرورت ہو، وہاں مساجد کی تعمیراوراُس کی آبادی کا اہتمام کرنا چاہئے۔

مساجد: رحمتِ خداوندی کے مراکز

حضراتِ گرامی قدر! جب آدمی مسجد میں آتا ہے تو گویا کہ اللہ کی رحمت کی چھاؤں میں آجاتا ہے۔

سرورعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشادفرمایا کہ: ''مسجدیں روئے زمین پر اللہ کی نظرمیں سب سے پسندیدہ جگہیں ہیں؛ جب کہ بازارسب سے ناپسندیدہ جگہیں ہیں''۔ (مسلم شریف حدیث:۱۵۲۸، الاحادیث المنتخبۃ ص:۱۳۷) متعدداَحادیث شریفہ میں اِسی طرح کامضمون واردہے۔

مسجدوں میں آمدورفت کا ثواب

اورمسجد میں بار بار آنا جانا اور جماعت کے اَوقات کا اہتمام رکھنا بڑی فضیلت کی بات ہے۔ایک حدیث میں پیغمبرعلیہ السلام نے اِرشادفرمایا: ''مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ أَوْ رَاحَ أَعَدَّ

اللّٰهُ لَهُ نزلَهُ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا أَوْ رَاحَ". (رواه البخاري ۹۱/۱ رقم: ٦٦٢، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٤٨٠) (یعنی جو شخص صبح وشام مسجد میں حاضر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے دونوں وقت جنت میں مہمانی کا انتظام فرماتے ہیں)

اور ایک طویل حدیث میں پیغمبر علیہ السلام نے بشارت سنائی ہے کہ: ''سات لوگوں کو میدانِ حشر میں اللہ کے خصوصی سایے میں رکھا جائے گا، جن میں سے ایک شخص وہ ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا: ''وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ''. (صحيح البخاري ۹۱/۱ رقم: ٦٦٠) (یعنی وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اَٹکا رہتا ہے)

نیز پیغمبر علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو مسجد میں آنے جانے کا عادی دیکھو، تو اُس کے ایمان کی گواہی دیا کرو؛ اِس لئے کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ [التوبة، جزء آيت: ۱۸] (سنن الترمذي رقم: ٢٦١٧، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٤٩٧) (بلاشبہ مساجد کی تعمیر (آباد) وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر اِیمان لاتے ہیں)

نیز پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''جو شخص نماز اور ذکر کے لئے مسجد کو اپنا ٹھکانا بناتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس کی آمد سے ایسے خوش ہوتے ہیں، جیسا کہ گھر والے اپنے کسی غائب فرد کی واپسی سے خوش ہوتے ہیں''۔ (سنن ابن ماجہ حدیث: ۸۰۰، الترغیب والترہیب مکمل حدیث: ۴۹۸ بیت الافکار الدولیۃ)

سیدنا حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: ''مسجد ہر متقی کا گھر ہے، اور جو شخص مسجد کو اپنا ٹھکانا بنالے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ اُس کے لئے رحم وکرم اور پل صراط سے گذر کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور جنت کی ضمانت لے لیتے ہیں''۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر، الترغیب والترہیب مکمل حدیث: ۵۰۴)

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد میں کچھ لوگ کھونٹے کی طرح ہیں (یعنی مسلسل حاضر باش ہیں) فرشتے اُن کے مصاحب ہیں، اگر وہ لوگ مسجد سے غائب ہوتے ہیں تو فرشتے اُنہیں تلاش کرتے ہیں، اور اگر بیمار ہوجاتے ہیں تو اُن کی مزاج پرسی کرتے ہیں، اور

اگر اُنہیں کوئی ضرورت ہوتی ہے تو اُن کی مدد کرتے ہیں۔اور پھر اِرشاد فرمایا کہ:''مسجد میں رہنے والا تین باتوں میں سے کوئی نہ کوئی بات ضرور حاصل کرتا ہے: (۱) کسی نئے دینی بھائی سے تعارف ہوتا ہے (۲) کوئی حکمت کی بات سننے کو ملتی ہے (۳) اور اللہ کی رحمت اُس کی منتظر ہوتی ہے''۔(رواہ احمد، الترغیب والترہیب مکمل حدیث:۵۰۳)

اور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک حدیث میں اِرشاد فرمایا کہ:''مسجد میں جماعت کی نماز گھر اور دوکان میں پڑھنے کے مقابلے میں ۲۵ رگنا زیادہ ثواب رکھتی ہے؛ کیوں کہ جب آدمی اچھی طرح وضو کر کے مسجد کے لئے نکلتا ہے، اور اُس کا مقصد صرف نماز پڑھنا ہوتا ہے، تو اُس کے ہر ہر قدم پر ایک درجہ بلند ہوتا ہے، اور ایک گناہ مٹایا جاتا ہے، پھر جب وہ نماز سے فارغ ہوجاتا ہے، تو جب تک وہ مسجد میں رہتا ہے، اُس کے لئے فرشتے دعا کرتے رہتے ہیں کہ:''اے اللہ! اِس پر رحم وکرم فرمایئے''۔اور آدمی جب تک باوضو نماز کے انتظار میں رہے، وہ نماز ہی میں شمار ہوتا ہے۔(بخاری شریف حدیث:۶۴۷، مسلم شریف حدیث:۶۴۹، الترغیب والترہیب مکمل حدیث:۴۶۰)

اِس حدیث سے ایک خاص بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ محلے والوں کو گھر سے وضو کر کے مسجد میں آنا چاہئے، اِس میں ثواب زیادہ ہے۔

قابل مبارک باد

اِس لئے ہمارے جن اَحباب نے یہاں پر مسجد کے قیام اور اُس کی تعمیر کا بیڑہ اُٹھایا ہے، وہ بہت قابلِ مبارک باد ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ منصوبہ کے مطابق اِس مسجد کی تعمیر بسہولت جلد مکمل فرمائیں، اور تمام معاونین کو بے حد جزائے خیر عطا فرمائیں، اور تادیر اِس مسجد کو پورے محلے اور علاقے میں دین کی بقاء اور علم دین کی اِشاعت اور دعوت واِرشاد کا ذریعہ بنائیں، آمین۔

پھر مزید مسرت کی بات یہ ہے کہ مسجد کے ساتھ دینی مکتب بھی جاری ہے، جو اِن شاء اللہ نسلوں میں دین کی بقا اور اِیمان کی سلامتی کا ذریعہ بنے گا۔

الحمدللہ یہاں مسجد کی برکت سے قرآن کی تعلیم ہوگی۔

دینی مذاکرہ ہوگا۔

اِصلاحی سرگرمیاں ہوں گی۔

یہ سب مسلم معاشرے کی اہم ترین ضرورتیں ہیں۔

مسجد معاذ بن جبلؓ

اور ماشاءاللہ آپ نے اِس مسجد کا نام ''مسجد معاذ بن جبل'' رکھا ہے، یہ نسبت بھی مسجد کے لئے بہت متبرک ہے؛ اِس لئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ''**سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ**'' کا بہت اُونچا مقام ہے۔

وہ اگرچہ نوجوان تھے، صرف ۱۸/سال کی عمر میں اِسلام لائے، اور ۳۶/سال کی عمر میں وفات پائی؛ لیکن اُن کا اتنا اُونچا مقام ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''**أَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ**''. (سنن الترمذي / أبواب المناقب رقم: ۳۷۹۰، سنن ابن ماجة رقم: ١٥٤) (یعنی میرے صحابہ میں حلال اور حرام کا سب سے زیادہ علم معاذ بن جبل کو حاصل ہے)

خلیفہ دوم امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ کی وفات ہوچکی تھی؛ تاہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے یہ اِرشاد فرمایا تھا کہ: ''اگر معاذ بن جبل زندہ ہوتے تو میں اپنے بعد اُنہیں ولی عہد بنا کر جاتا''۔ (رجال حول الرسول ۱۰۴/ خالد محمد خالد، ط: دار الفکر بیروت)

اِس سے آپ کے بلند رتبے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ تو اُن کے نام کی نسبت اور برکت اِس مسجد کو حاصل ہے، اللہ تعالیٰ اِس کو قبول فرمائیں، اور سہولت سے اِس کی تکمیل فرمائیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلۂ اشاعت: (۴۱)

بعض نامور غیر مسلم مفکرین کی طرف سے

رحمتِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کی عظمت کا اعتراف

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مراد آباد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. [الذٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہیے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۴۱)

- موضوعِ خطاب : بعض نامور غیر مسلم مفکرین کی طرف سے رحمتِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عظمت کا اعتراف
- خطاب : حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- مقام : جامع مسجد مرادآباد (گستاخِ رسولؐ کے خلاف عظیم احتجاجی اجلاس)
- تاریخ : ۶ ربیع الاول ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۸ دسمبر ۲۰۱۵ء بروز جمعہ
- دورانیہ : ۱۶ منٹ تقریباً
- جمع وضبط : محمد اسجد قاسمی مظفرنگری جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

○

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكّل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريک لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارک وتعالىٰ عليه وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ وذرياتهٖ وبارک وسلّم تسليمًا كثيرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ﴾ صدق اللّٰه العظيم

صہبائے عقیدت کے پیمانے ہزاروں ہیں ❖ عرفانِ رسالت کے مے خانے ہزاروں ہیں
دامن میں لئے اپنے نذرانے ہزاروں ہیں ❖ کاندھے پہ کفن ڈالے مستانے ہزاروں ہیں
صدیوں سے جو روشن ہے کاشانۂ عالم میں ❖ اُس شمع رسالت کے پروانے ہزاروں ہیں

دنیا میں محمدؐ کے دیوانے ہزاروں ہیں
دنیا میں محمدؐ کے دیوانے ہزاروں ہیں

(راہی شہابی جے پور)

حضراتِ گرامی! وہ مقدس ذات والا صفات جو کمالات اِنسانیت کا مظہر اتم تھی۔
جس کو خود خلاّقِ دو جہاں رب العالمین نے ''رحمۃ للعالمین'' کا لقب عطا کیا۔
اور جس کے اخلاقِ فاضلہ کی شہادت قرآنِ کریم نے ﴿اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ کہہ کر دی۔

اور جن کے شمائل وفضائل اور شاندار اور بے مثال اخلاق وعاداتِ طیبہ کی شہادت ہر اُس شخص نے دی، جس نے آپ کی زیارت کا شرف حاصل کیا، اور آپ کی پرفیض صحبتوں سے مستفیض ہونے کی سعادت حاصل کی۔

اور تو اور مکہ کے وہ مشرکین جو آپ کے مشن کے سخت مخالف تھے، وہ بھی ہزار مخالفتوں کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے داغ کردار پر اُنگلی اُٹھانے کی جرأت نہ کر سکے۔

خلاصہ یہ کہ جس نے بھی انصاف کی نظر سے آپ کی سیرتِ طیبہ کو دیکھا اور پڑھا تو اُس کے اندر کا اِنسانی ضمیر پکار اُٹھا کہ ایسی خوبیوں اور کمالات کا اِنسان دنیا میں کبھی پیدا نہیں ہوا۔

حتیٰ کہ بعد میں آنے والے وہ دانشور اور مفکرین جو دولتِ اسلام اور نعمت ایمان سے محروم رہے، اُن کی زبان اور قلم بھی بے اختیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے۔

ذیل میں چند ایسی ہی شخصیات کے حقیقت پسندانہ اعترافات نقل کئے جاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

مہاتما گاندھی

(تحریک آزادی ہند کے مشہور قائد اور جمہوریہ ہند کے معمار)

''میں دنیا کے مذاہب کا مطالعہ کرنے کا عادی ہوں، میں نے اسلام کا بھی مطالعہ کیا ہے، بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلیٰ اخلاق کی پاکیزہ تعلیم دی ہے، جس نے انسان کو سچائی کا راستہ دکھایا اور برابری کی تعلیم دی ہے، میں نے قرآنِ مجید کا ترجمہ بھی پڑھا ہے، اس میں مسلمانوں کے لئے ہی نہیں؛ بلکہ سب کے لئے مفید باتیں اور ہدایتیں ہیں''۔

’’جب کہ مغرب قعرِ جہالت میں پڑا تھا، تو مشرق کے آسمان سے ایک درخشاں ستارہ طلوع ہوا اور تمام مضطرب دنیا کو راحت اور روشنی بخشی‘‘۔ (الامان دہلی ۱۷؍جولائی ۱۹۳۲ء)

’’وہ (رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم) روحانی پیشوا تھے؛ بلکہ اُن کی تعلیمات کو سب سے بہتر میں سمجھتا ہوں، کسی روحانی پیشوا نے خدا کی بادشاہت کا پیغام ایسا جامع اور مانع نہیں سنایا، جیسا کہ پیغمبرِ اسلام نے‘‘۔ (رسالہ ’’ایمان‘‘ پٹی ضلع لاہور، اگست ۱۹۳۶ء)

سوامی دیانند سرسوتی (مبلغ آریہ سماج)

’’جس وقت بھارت ورش میں مذہبی کمزوری اپنا پاؤں جما رہی تھی، اُس وقت عرب کے ریگستان میں ایک ’’مہاں پروش‘‘ (عظیم انسان) ایک عجیب وغریب وحدانیت کی تعلیم دے رہا تھا‘‘۔ (مہرشی سوامی دیانند اور اُن کا کام، مصنفہ: لالہ لاجپت رائے)

لالہ لاجپت رائے (مذہبی وسیاسی رہنما)

’’میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے بڑے بڑے مہا پروشوں میں سمجھتا ہوں‘‘۔

(رسالہ ’’مولوی‘‘ رمضان ۱۳۵۲ھ)

سوامی بھوامی دیال سنیاسی (مذہبی رہنما)

’’جس وقت تمام ملک عرب میں بدترین جہالت پھیلی ہوئی تھی، اُس وقت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کی تنہا ذات تھی، جس نے بے مثال ہمت وجرأت کے ساتھ قومِ عرب کی اِصلاح کا بیڑا اُٹھایا اور ہر طرح کی برائیوں اور بت پرستی کو چھڑا کر خدا کے آگے سر جھکانے کی دعوت دی‘‘۔ (رسالہ ’’ایمان‘‘ پٹی ضلع لاہور، مئی ۱۹۳۵ء)

سوامی برج نارائن جی (مذہبی رہنما)

’’حقیقت بہرحال حقیقت ہے، اگر بغض وعناد کی پٹی آنکھوں پر سے اُتار دی جائے تو پیغمبر اسلام کا نورانی چہرہ اُن تمام داغ دھبوں سے پاک وصاف نظر آئے گا، جو بتلائے جاتے ہیں‘‘۔

''سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ خدا نے پیغمبر اسلام کو تمام کائنات کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے، اور اس کائنات میں عالم انسان، عالم حیوان، عالم نباتات اور عالم جمادات سب شامل ہیں''۔

راجا رادھا پرشاد سنہا (بی اے ایل ایل بی آف تیلوتھوا سٹیٹ)

''آپ کا (رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا) ہر قول و فعل، استقامت اور راستی کے سانچہ میں ڈھلا ہوا تھا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کوئی دم بھی اخلاق کے جادۂ مستقیم سے منحرف نہ تھا''۔

(رسالہ ''ایمان'' پٹی ضلع لاہور، مئی ۱۹۳۵ء)

ہز ہائنس مہاراجہ نرسنگھ گڑھ

''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سراپا عمل اور ایثار کا مرقع ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ جاہلیت میں دنیا کی اصلاح فرمائی اور اُسے اپنی انتھک کوششوں سے جگمگا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام کا نام ساری دنیا میں روشن ہے''۔ (رسالہ ''ایمان'' پٹی ضلع لاہور، مئی ۱۹۳۶ء)

پروفیسر رگھو پتی سہائے فراق
(ایم اے لیکچرار الٰہ آباد یونیورسٹی)

''میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر اسلام کی بعثت کو اُن کی شخصیت اور اُن کے کارنامہائے زندگی کو تاریخ کا ایک معجزہ سمجھتا ہوں''۔ (پیشوا، ربیع الاول ۱۳۵۶ھ)

پنڈت ہردے پرشاد (مذہبی مفکر)

''اگر کوئی مجھ سے دریافت کرے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون تھے؟ تو میں اُس کے جواب میں برملا کہوں گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کے سب سے بڑے بزرگ اور پیغمبر، توحید کے علم بردار، حقانیت کے طرف دار، سچائی کے دل دادہ اور ایشور کے پرستار تھے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اصلاح قابل داد تھی اور تا قیامت یاد رہے گی''۔ (پیشوا، ربیع الاول ۱۳۵۶ھ)

ڈاکٹر جے کارام برہما (سماجی پیشوا)

’’حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اخلاقِ عالیہ کی تلقین ہی نہیں کی؛ بلکہ اُن اُصولوں پر عمل بھی فرمایا، اُن کی زندگی ایثار وقربانی کی زندگی تھی‘‘۔ (پیشوا، ربیع الاول ۱۳۵۶ھ)

مالک تونک صاحب (بدھ مذہب کے عظیم پیشوا)

’’حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا ظہور بنی نوعِ انسان پر خدا کی ایک رحمت تھا، لوگ کتنا ہی انکار کریں، مگر آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی اصلاحاتِ عظیمہ سے چشم پوشی ممکن نہیں، ہم بدھی لوگ حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سے محبت کرتے ہیں اور اُن کا احترام کرتے ہیں‘‘۔ (معجزاتِ اسلام ٦٦)

لالہ نانک چند ناز (جرنلسٹ لاہور)

’’دنیا کی عظیم ترین اِنسانی ہستیوں میں اُن (رسولِ کریم) کا درجہ کسی سے کم نہیں‘‘۔

(پیشوا، ربیع الاول ۱۳۵۶ھ)

گرونانک (سکھ مذہب کے مقدس رہنما)

سردار کرشن سنگھ لکھتے ہیں کہ: حضرت محمد صاحب کی شخصیت عظیم شخصیت تھی، چناں چہ ہمارے آقا سردار گرونانک صاحب -جن کی مذہبی رواداری اور بے لاگ اِنصاف پسندانہ تعلیم کو ایک دنیا نے مانا ہے- اُنھوں نے حضرت محمد صاحب کی سیرت جاننے کے بعد اُن کی تعریف میں جو دوہا لکھا ہے، وہ اِس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت محمد صاحب کی شخصیت دنیا کے تمام انصاف پسند اور غیر متعصب مذاہب میں بھی پسندیدہ اور مقبول رہی ہے۔ اُنھوں نے فرمایا:

ڈٹھا نور محمدی ڈٹھا نبی رسول
نانک قدرت دیکھ کر خودی گئی سب بھول

(غازیانِ ہند ۱۱۷)

سردار جوند سنگھ (سکھ مذہبی رہنما)

’’دنیا میں آنحضرت رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم پاکیزہ زندگی کی بے نظیر مثال ہیں‘‘۔

(مدینہ، جولائی ۱۹۳۲ء)

سردار رام سنگھ امرتسری (سکھ سماجی و مذہبی رہنما)

’’تمام پیغمبروں اور مذہبی شخصیتوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے زیادہ کامیاب ہیں‘‘۔ (مقالہ نگار انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)

ڈاکٹر ڈی رائٹ (معروف انگریز مصنف)

’’محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اپنی ذات اور قوم کے لئے نہیں؛ بلکہ دنیائے اَرضی کے لئے ابر رحمت تھے، تاریخ میں کسی ایسے شخص کی مثال موجود نہیں، جس نے احکامِ خداوندی کو اس مستحسن طریقہ سے انجام دیا ہو‘‘۔ (اسلامک ریویوا اینڈ مسلم انڈیا فروری ۱۹۲۰ء)

مسٹر ایڈورڈ موئٹے (معروف انگریز مفکر)

’’آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سوسائٹی کے تزکیہ اور اعمال کی تطہیر کے لئے جو اُسوۂ حسنہ پیش کیا ہے، وہ آپ کو انسانیت کا محسن اول قرار دیتا ہے‘‘۔

ایس مارگولیوتھ (معروف انگریز مفکر)

’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دردمندی کا دائرہ اِنسان ہی تک محدود نہ تھا؛ بلکہ جانوروں پر بھی ظلم وستم توڑنے کو بہت برا کہا ہے‘‘۔

کونٹ ٹالسٹائی (مشہور مفکر)

’’حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم متواضع، خلیق اور روشن فکر اور صاحبِ بصیرت تھے، لوگوں سے عمدہ معاملہ رکھتے تھے، آپ مدت العمر پاکیزہ خصائل رہے‘‘۔ (مدینہ، جولائی ۱۹۳۳ء)

سر ولیم میور (مشہور مصنف)

’’اہل تصنیف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اُن کے چال چلن کی عصمت اور اُن کے اَطوار کی پاکیزگی پر، جو اہل مکہ میں کمیاب تھی، متفق ہیں‘‘۔ (لائف آف محمد)

مسٹر سیل

’’میں نے اپنی تحقیقات میں کوئی ثبوت ایسا نہیں پایا جس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ رسالت میں شبہ ہو سکے یا اُن کی مقدس ذات پر مکر وفریب کا الزام لگایا جا سکے‘‘۔ (مسٹر سیل)

مسٹر شانتا رام

’’میں نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ مشاہیر کے سوانح حیات کے پڑھنے میں صرف کیا ہے، میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے عظیم انسان ہیں کہ اُن کے مقابلہ کا انسان روئے زمین کی تاریخ پر نظر نہیں آتا‘‘۔

(از محمد کا جیوان چرتر، مصنفہ: مسٹر شانتا رام ایم اے، پروفیسر اندرا کالج ممبئی)

مسٹر جان آرکس

’’ہم نہیں جاتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں کبھی کسی رذیل حرکت کے مرتکب ہوئے ہوں، البتہ نہایت اعلیٰ صفات کے مالک تھے‘‘۔

واشنگٹن اروِنگ

’’پیغمبر اسلام بڑی ہی دل آویز شخصیت کے مالک تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبسم میں ایک ایسی حلاوت اور ایسی لطافت تھی جو دل کو موہ لیتی تھی، آپ تمام عربوں سے زیادہ خوش شکل اور خوب صورت تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم معاملات میں ہمیشہ سچے اور انصاف پسند تھے‘‘۔ (از: محمد اور آپ کے جانشین، مصنفہ: واشنگٹن اروِنگ)

ڈاکٹر شبلے

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم گذشتہ اور موجودہ لوگوں میں سب سے اکمل اور افضل تھے، اور آئندہ ان کا مثال پیدا ہونا محال اور قطعاً غیر ممکن ہے"۔

مسٹر کسلوزان

"بلا کسی شک وشبہ کے کہا جا سکتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی اور اللہ قادرِ مطلق کے رسول تھے، اور نہ صرف رسول؛ بلکہ جلیل القدر اور عظیم الشان رسول تھے، جنہوں نے ملت اسلامیہ کی بنیاد رکھی"۔

جارج برناڈ شا (مشہور انگریز مفکر اور مصنف)

"میری بڑی تمنا ہے اور میں اُسے واجب سمجھتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت کے نجات دہندہ کی حیثیت سے دیکھوں اور میرا تو یہ اعتقاد ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی شخصیت کو اگر آج کے عالم جدید کی عنانِ حکومت دے دی جائے، تو دنیا اپنی مشکلات کے حل تلاش کرنے میں کامیاب وبامراد ہو جائے گی، اور اُس کے اندر امن وسلامتی کی لہر دوڑ جائے گی، کاش! دنیا اس جیسے مصلح کی ضرورت کو محسوس کرتی"۔

(نوٹ:- مذکورہ حوالہ جات "نقوش" کے رسول نمبر جلد چہارم ۴۴۷-۵۵۱ سے ماخوذ ہیں۔/ مضامین: پروفیسر عبدالصمد صارم، وخواجہ ظفر نظامی نوشہروی، پروفیسر خالد کمال مبارک پوری)

گستاخانِ رسول کی کمینگی

حضراتِ گرامی! ہر طبقہ اور ہر مذہب کی مذکورہ بالا شخصیات کے حقیقت پسندانہ بیانات کے باوجود آج اگر کچھ گستاخ زبان لوگ محسن اِنسانیت، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اَقدس پر کیچڑ اُچھالنے کی جسارت کرتے ہیں، تو اُن کی مثال سورج اور چاند پر تھوک کر خود اپنا چہرہ بدنما کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتی۔

بلکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص عالم انسانیت کی سب سے مقدس ذات کو نشانہ بنائے، اُس

سے بڑا رذیل اور کمینہ شخص کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ ایسے کمینے لوگ ہر زمانہ میں رہے ہیں، جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں سے اپنے چھپے ہوئے بدترین بغض کا اظہار محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بے ہودہ گوئی کر کے کیا ہے۔

یہ رذیلانہ حرکتیں کسی مسلمان؛ بلکہ شریف اِنسان کے لئے قابل برداشت نہیں ہیں، وقتاً فوقتاً فیس بک، ٹوئٹر، اور وہائس اَیپ وغیرہ پر ایسی اشتعال انگیز باتیں شائع کی جاتی ہیں، جن سے اَہل اسلام کے دل چھلنی ہوئے جاتے ہیں۔

حال ہی میں ''کملیش تیواری'' نام کے ایک ملعون اور بدبخت شخص نے ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ بنا کر اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا ہے، اور اُمت کا امتحان لینے کی ناپاک کوشش کی ہے۔

ہم اِن حرکتوں کی سخت مذمت کرتے ہیں اور حکومت سے ہمارا مطالبہ ہے کہ ایسے گستاخوں کو گرفتار کر کے عبرت ناک سزا دی جائے؛ بلکہ پارلیمنٹ میں سبھی مقدس مذہبی پیشواؤں کی گستاخی پر سخت سے سخت سزا کا قانون بنا کر آئندہ کے لئے اِس طرح کی اشتعال انگیز حرکتوں پر روک لگائی جائے۔

مسلمانوں کی ذمہ داری

قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے ہمیں احتجاج کر کے اپنے ایمانی جذبات کا اظہار ضرور کرنا چاہیے؛ لیکن سوشل میڈیا پر وائرل ہونے والی خباثتوں کو خود اپنے ذریعہ عام کر کے گندگی کو مزید پھیلانا نہیں چاہیے؛ بلکہ جس شخص تک بھی ایسی بات پہنچے وہ آگے بڑھانے کے بجائے فوری طور پر قانونی اِقدام کی کوشش کرے؛ تاکہ اَمن واَمان باقی رہے، اور اشتعال انگیزی کرنے والوں کی سازشیں ناکام ہوجائیں۔

اِسی کے ساتھ ہمیں پوری ہوش مندی اور سنجیدگی کے ساتھ اپنا محاسبہ کرنے اور اپنا جائزہ لینے کی بھی ضرورت ہے۔

ہمیں سوچنا پڑے گا کہ جس عظیم پیغمبر کی عظمت کا ہم دم بھرتے ہیں، کیا ہماری زندگی آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات وتعلیمات کے مطابق گذر رہی ہے، یا ہم سے کوتاہیاں ہورہی ہیں؟

اگر کوتاہیاں ہورہی ہیں اور یقیناً ہورہی ہیں، تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کا سب سے بڑا تقاضا یہی ہے کہ ہم فوراً اُن کوتاہیوں کو دور کرنے کی فکر کریں، اور ایک سچے مسلمان اور عاشق رسول بن کر زندگی گذاریں۔ ہماری صورت وسیرت سنتوں کے سانچے میں ڈھلی ہو اور ہمارا کردار شریعت محمدیہ کے رنگ میں پوری طرح رنگین ہو۔

بلاشبہ اگر ہم اپنے کردار سے اسلام کی تعلیمات کو روشن کریں گے تو کسی بھی شخص کو ہمارے پیغمبر یا ہمارے دین کے بارے میں نازیبا کلمات اور بکواس کرنے کی ہمت نہ ہوسکے گی؛ بلکہ غلامانِ محمد کی پاکیزہ زندگی دیکھ کر بڑے سے بڑے دشمن بھی انشاء اللہ اسلام سے قریب ہوکر سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار عقیدت ومحبت کئے بغیر نہ رہ پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر طرح کی آزمائشوں سے محفوظ فرمائیں، اور محبتِ رسول کے تقاضوں پر عمل کرنے والا بنائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

❑❖❑

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلۂ اشاعت: (۴۲)

عظمتِ صحابہ واہلِ بیت رضی اللہ عنہم

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذِ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

اُم محمد سلمہا (بنت محمد سلمان منصورپوری)

ذاکرنگر نئی دہلی

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ. [الذّٰريٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہیے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۴۲)

موضوعِ خطاب	:	عظمتِ صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہ
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام وتاریخ	:	اصلاحی جلسہ پیر غیب مراد آباد (۳۰ ستمبر ۲۰۱۷ء بروز ہفتہ) جلسہ شہدائے اسلام اِحاطہ شوکت علی دار المبلغین لکھنؤ ۱۱/۱/۱۴۳۹ھ مطابق یکم اکتوبر ۲۰۱۷ء بروز اتوار
دورانیہ	:	ایک گھنٹہ تقریباً
جمع وضبط	:	اُم محمد سلمہا (بنت محمد سلمان منصور پوری) ذاکر نگر نئی دہلی

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکّل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ، ومن یضلل فلا ھادي لہٗ، ونشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ، ونشھد أن سیدنا وحبیبنا وسندنا وشفیعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تبارک وتعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ وذریاتہٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا،

أما بعد! فقد قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِيْ أَصْحَابِيْ، لاَ تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِيْ، فَمَنْ أَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّيْ أَحَبَّھُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِيْ أَبْغَضَھُمْ، وَمَنْ اٰذَاھُمْ فَقَدْ اٰذَانِيْ، وَمَنْ اٰذَانِيْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ، وَمَنْ اٰذَی اللّٰہَ فَیُوْشِکُ اللّٰہُ أَنْ یَأْخُذَہٗ‘‘. (سنن الترمذي / أبواب المناقب ۲/۲۲۵ رقم: ۳۸۶۲، صحیح ابن حبان رقم: ۷۲۵۶)

محترم بھائیو اور بزرگو!

اِنسان کی فطرت ہے کہ جب اُسے کسی سے تعلق ہوتا ہے تو اُس کی اَولاد اور متعلقین سے بھی قدرتی طور پر اُنسیت اور محبت ہو جاتی ہے۔

اور اِس کائنات میں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑی محبوب شخصیت سرورِ عالم سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

اور جس مسلمان کو بھی پیغمبر علیہ السلام سے محبت ہے، اُس کے دل میں حضور کی آل واَولاد اور قریبی رفقاء اور صحابہؓ سے بھی ضرور محبت ہوگی۔

اِس اعتبار سے درجہ بدرجہ جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضور کے قریب اور معتمد رہے ہیں، اُن سب سے ہمیں تعلق اور محبت کا اظہار کرنا چاہئے، یہی دینی حمیت کا تقاضا ہے۔

خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

ہمارا یہ ماننا ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں سب سے زیادہ عظمت جن کو حاصل ہے وہ خلیفہ اول، راز دارِ نبوت، یارِ غار، سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ عالی ہے۔

ایک موقع پر پیغمبر علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ: ''حضور! آپ کو سب سے زیادہ کس سے محبت ہے؟'' پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''عائشہ سے''۔ (جو اَزواجِ مطہرات میں آپ کی سب سے زیادہ چہیتی زوجہ ہیں)

اُن صحابی نے پوچھا کہ میں تو مردوں کے بارے میں پوچھنا چاہ رہا تھا، یعنی مردوں میں آپ کے سب سے زیادہ محبوب کون ہیں؟

تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: ''أَبُوْهَا''. (صحيح البخاري / كتاب فضائل أصحاب النبي ۵۱۷/۱ رقم: ۳٦٦٢) (یعنی عائشہ کے والدِ محترم (حضرت ابوبکر صدیقؓ)

گویا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر میں مردوں میں سب سے زیادہ محبوب اور قابل اعتماد شخصیت سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھی۔

آپ کے بارے میں خود پیغمبر علیہ السلام کا یہ اِرشاد معروف ہے: **لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلاً غَيْرَ رَبِّي لاَ اتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيْلاً.** (صحيح البخاري / كتاب فضائل أصحاب النبي ١/٥١٦ رقم: ٣٦٥٤) (یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ میں کسی اور کو جگری اور سچا دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا)

نیز حضور اکرم علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا کہ ’’جب بھی میں نے کسی کے سامنے اِسلام پیش کیا، تو اُس نے کچھ نہ کچھ تأمل ضرور کیا سوائے ابوبکر کے؛ کہ اُنہوں نے بغیر کسی توقف کے فوراً اِسلام قبول کرنے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا اور پھر زندگی بھر اُس پر قائم رہے‘‘۔ (الصواعق المحرقہ ۱۱۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ’’میں نے دنیا میں ہر محسن کا حق اَدا کر دیا، سوائے ابوبکر کے، انہوں نے میرے ساتھ جو احسانات کئے ہیں، اللہ ہی اُن کا بدلہ قیامت میں عطا فرمائیں گے‘‘۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۵۵۵)

نیز پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: ’’**أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُوْبَكْرٍ**‘‘. (سنن الترمذي / أبواب المناقب ٢/٢١٩ رقم: ٣٧٩٠) (یعنی میری اُمت میں سب سے زیادہ رحم دل ابوبکر ہیں)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ’’ہمارے درمیان اس معاملہ میں کوئی شک نہیں تھا کہ حضور کے بعد اِس امت میں سب سے افضل شخصیت سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے‘‘۔ (مستفاد: بخاری شریف ۱/۵۱۶ حدیث: ۳۶۵۵، مشکوٰۃ شریف ۲/۵۵۵، الصواعق المحرقہ ۱۰۲ لابن حجر الہیثمی)

خود پیغمبر علیہ السلام نے اپنے بعد اُن کی خلافت کی طرف اُمت کی رہنمائی فرمادی تھی، وہ اِس طرح کہ ۹ ھ ہجری میں حج کے موقع پر آپ کو ’’اَمیر الحج‘‘ بنا کر روانہ فرمایا۔ (الروض الانف ۴/۳۱۸، زاد المعاد مکمل ص: ۷۶۸)

اور دوسرے یہ کہ مرض الوفات میں باصرار مسجد نبوی میں اپنے مصلے پر نماز پڑھانے کا آپ کو حکم دیا۔ (مسلم شریف ۱/۱۷۸)

چناں چہ آپ نے پیغمبر علیہ السلام کی حیاتِ مقدسہ میں ۱۷ نمازیں پڑھائیں۔

یہ واضح اِشارہ تھا کہ جس طرح مذکورہ دونوں اجتماعی عبادات میں پیغمبر علیہ السلام کی حیات میں آپ نے نیابت فرمائی۔ اِسی طرح پیغمبر علیہ السلام کے پردہ فرمانے کے بعد آپ ہی خلافت واِمامت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

اِس اعتبار سے ہمیں آپ کی ذاتِ عالی سے سچی عقیدت ومحبت ہونا لازم ہے۔

خلیفہ ثانی اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

اُس کے بعد اُمت میں دوسرا مرتبہ خلیفہ ثانی امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے۔

جن کے بارے میں خود پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''لَوْ کَانَ نَبِيٌّ بَعْدِيْ لَکَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ''. (سنن الترمذي / أبواب المناقب ۲۰۹/۲ رقم: ۳۶۸۶) (یعنی اگر میرے بعد نبوت جاری ہوتی تو عمر نبی بنائے جاتے)

نیز آپ نے فرمایا: ''عمر! تمہارا حال یہ ہے کہ تم اگر کسی گلی سے گذر جاتے ہو تو شیطان کنی کاٹ کر دوسری گلی میں چلا جاتا ہے''۔ (بخاری شریف/کتاب بدأ الخلق ۴۵۶/۱ حدیث: ۳۲۹۴)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حق نوازی کا رعب ایسا ہے کہ شیطان کو آپ کا سامنا کرنے کی تاب نہیں ہے۔

قرآنِ پاک کی کئی آیتیں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مشورے کے موافق نازل ہوئیں، یعنی جو اُنہوں نے مشورہ دیا تھا اُسی کے موافق اللہ کا حکم نازل ہوا۔

اور پیغمبر علیہ السلام نے آپ کے بارے میں فرمایا: ''إِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهٖ''. (سنن الترمذي / أبواب المناقب ۲۰۹/۲ حدیث: ۳۶۸۲) (یعنی اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور دل پر حق بات کا اِلقا فرمایا ہے)

اور آپ کی ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ خود پیغمبر علیہ السلام نے نام لے کر اُن کے اِیمان لانے کی دعا فرمائی تھی، جو قبول ہوئی، جس سے اہل اِیمان کو بھرپور تقویت اور تائید حاصل ہوئی۔

(الصواعق المحرقہ ۱۳۸، ترمذی شریف/ ابواب المناقب ۲/ ۲۰۹)

خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ خلافت کے منصب پر فائز ہوئے، اور آپ کا ۱۰/ سالہ دورِ خلافت اسلامی تاریخ کا سنہرا دور کہلائے جانے کے لائق ہے۔ آپ نے حسن انتظام اور عدل وانصاف کا ایسا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا کہ اُس کی نظیر ملنی مشکل ہے؛ تا آں کہ ایک مجوسی غلام ''ابولؤلؤ'' نے اَواخر ذی الحجہ ۲۳/ ہجری میں نماز فجر کے وقت خاص مسجد نبوی میں آپ پر قاتلانہ حملہ کیا، جس سے آپ شدید زخمی ہوگئے، اور چند روز باحیات رہ کر محرم کی پہلی تاریخ کو جامِ شہادت نوش فرمایا۔ بلاشبہ یہ جانکاہ حادثہ اُمت کے لئے انتہائی اَلمناک تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ (البدایہ والنہایہ ۷/ ۱۴۸ دارالمعرفہ بیروت)

سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر پیغمبر علیہ السلام کا کامل اعتماد

بہت سی اَحادیث میں یہ مضمون وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُمت کو تاکید فرمائی کہ وہ حضور کی وفات کے بعد بالخصوص حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی پیروی کریں۔

(ترمذی شریف، ابواب المناقب/ مناقب ابی بکر الصدیقؓ ۲/ ۲۰۷)

حضرت عبداللہ ابن حنظلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو دیکھ کر فرمایا کہ: ''یہ دونوں میرے آنکھ اور کان ہیں''۔ (یعنی خاص معاون ہیں) (ترمذی شریف/ ابواب المناقب ۲/ ۲۰۸، الصواعق المحرقہ ۱۱۸)

متعدد روایات میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا نام پیغمبر علیہ السلام کے نام کے ساتھ اِس طرح مذکور ہے، گویا وہ بالکل ہم دم اور ہم راز ہوں، اِسی لئے ان دونوں حضرات کو پیغمبر علیہ السلام کا وزیر اور خصوصی مشیر ومعاون کہا جاتا ہے، جو بلاشبہ اُن کی عظمت کی دلیل ہے۔

خلیفہ ثالث سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

اس کے بعد تیسرے نمبر پر خلیفہ ثالث امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

ہیں، اُن کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ’’**لِكُلِّ نَبِيٍّ رَفِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَرَفِيقِي فِيهَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ**‘‘. (سنن الترمذي، أبواب المناقب / مناقب عثمان بن عفانؓ ۲۱۰/۲ رقم: ۳۶۹۸) (یعنی ہر نبی کا جنت میں رفیق ہے، اور میرے رفیق جنت میں عثمان بن عفان ہیں)

نیز فرمایا کہ: ’’**وَأَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ**‘‘. (سنن الترمذي / أبواب المناقب ۲۱۹/۲ رقم: ۳۷۹۱) (یعنی اِس اُمت میں سب سے باحیا اور شرم وحیا کے پیکر عثمان ابن عفان ہیں)

غزوۂ تبوک کے موقع پر تعاون کی سخت ضرورت تھی، سفر طویل تھا، اور ۳۰؍ ہزار کا لشکر تھا، اُن کے لئے سواریوں اور زادِ راہ کا انتظام کرنا تھا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپیل پر سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مثالی قربانی کا ثبوت دیتے ہوئے ۳۰۰؍ اُونٹ مع ساز وسامان صدقہ فرمائے، اور پھر ایک ہزار اشرفیاں لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور انہیں آپ کی گود میں ڈال دیا۔

راوی کہتا ہے کہ وہ اشرفیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے الٹتے پلٹتے جاتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ: ’’**مَا ضَرَّ ابْنَ عَفَّانَ مَا فَعَلَ بَعْدَ هٰذَا**‘‘. (سنن الترمذي / أبواب المناقب ۲۱۱/۲ رقم: ۳۷۰۱، مكارم الأخلاق ۲٦٦) (آج کے بعد عثمان کچھ بھی کرتے رہیں، اُن کا کچھ نہ بگڑے گا) مطلب یہ ہے کہ اس صدقہ کی قبولیت کی برکت سے انہیں تاحیات کامل خیر کی توفیق نصیب ہوگی۔

پیغمبر علیہ السلام نے دو صاحبزادیاں پے در پے اُن کے نکاح میں دیں۔

ذرا غور فرمائیے! اگر خدانخواستہ کوئی داماد ایسا نکل آئے جو بچی کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کرے، یا سسر صاحب اُس سے ناراض ہوں، تو ایک مرتبہ بیٹی دینے کے بعد دوسری مرتبہ دینے کا سوال ہی نہیں اُٹھتا۔ اور یہاں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اَولاً ایک صاحب زادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا آپ کے عقد میں دیں، اور اُن کی وفات کے بعد دوسری صاحب زادی حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی آپ ہی سے فرمایا۔ اور جب اُن کی بھی وفات ہوگئی تو فرمایا کہ:

''اگر میری تیسری بیٹی بھی (خالی) ہوتی تو میں اُس کا نکاح بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیتا''۔ (مجمع الزوائد ۹/۸۶)

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے پوری طرح راضی ہونے اور اُن پر کمالِ اعتماد کی دلیل ہے۔

بہرحال حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کے بعد اُمت میں سب افضل ترین شخصیت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ہے۔

سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کو خلیفہ بنایا گیا اور تقریباً ۱۲رسال اِس منصب پر برقرار رہ کر ذی الحجہ ۳۵رہجری میں مدینہ منورہ میں باغیوں کے ذریعہ نہایت مظلومانہ حالت میں شہید کیے گئے۔ آپ کے دورِ خلافت میں اِسلامی مملکت کو بے مثال وسعت حاصل ہوئی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

خلیفہ رابع امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ

اور چوتھے خلیفہ راشد، اَمیر المؤمنین، سپہ سالارِ اَعظم، فاتح خیبر سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں، آپ محبّ رسول بھی ہیں اور محبوبِ رسول بھی ہیں۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ خود روایت فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ: ''**لاَ یُحِبُّکَ إِلاَّ مُؤْمِنٌ، وَلاَ یُبْغِضُکَ إِلاَّ مُنَافِقٌ**''. (صحیح مسلم رقم: ۱۳۱) (یعنی علی! تم سے صرف اِیمان والا شخص ہی محبت رکھے گا، اور منافق آدمی ہی تم سے بغض رکھے گا)

تو گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات اِیمان کا ایک معیار ہے، جو آپ سے محبت رکھتا ہے وہ مؤمن ہے، اور جو آپ سے عداوت رکھتا ہے وہ منافق ہے۔

نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ''**مَنْ کُنْتُ مَوْلاَہُ فَعَلِيٌّ مَوْلاَہُ**''. (سنن الترمذي، أبواب المناقب / مناقب علي بن أبي طالب ۲/۲۱۲ رقم: ۳۷۱۳) (یعنی جس سے میری دوستی ہے، علی سے بھی اُس کی دوستی ہے)

اِس حدیث شریف کی تشریح فرماتے ہوئے مشہور شارح حدیث علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں پر ''مولیٰ'' سے حاکم یا خلیفہ مراد لینا ہرگز درست نہیں ہے؛ کیوں کہ سید الاولین والآخرین حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مقولہ اپنی حیات میں اِرشاد فرمایا، اور آپ کی حیات میں آپ کے علاوہ امیر اور خلیفہ کا تصور ہی نہ تھا۔ پس اگر ''مولیٰ'' کے معنی امیر کے لئے جائیں گے تو یہ جملہ ہی مہمل ہوجائے گا۔ (گویا یہ ترجمہ ہوگا کہ میں جس کا اَمیر ہوں علی بھی اُس کے امیر ہیں، اور یہ معنی حضور کی حیات میں بالکل باطل ہیں) اِس لئے لازمی طور پر ''مولیٰ'' سے محبت اور اِسلامی اُخوت ہی کے معنی لئے جائیں گے۔ (تحفۃ الاحوذی شرح سنن الترمذی، مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۴۷، شرح الطیبی علی المشکوٰۃ مکمل ۳۸۸۴ حدیث: ۶۰۹۱)

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ بچپن ہی سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سرپرستی میں پروان چڑھے، صرف آٹھ سال کی عمر میں اسلام لائے اور تاحیات دین اِسلام کی خدمت میں لگے رہے، آپ کا شمار اِسلام کی عظیم ترین شخصیات میں ہوتا ہے۔

غزوۂ خیبر کے موقع پر ایک قلعہ فتح نہیں ہورہا تھا، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ''کل جھنڈا اُس شخص کو دیا جائے گا جو اللہ اور اُس کے رسول سے محبت رکھتا ہے، اور جو اللہ اور اُس کے رسول کا محبوب ہے، اور اُسی کے ہاتھ پر فتح ہوگی''۔

چناں چہ رات بھر لوگ یہی سوچتے رہے کہ کل جھنڈا کس کو عطا کیا جائے گا؟ جب صبح ہوئی تو سب لوگ جھنڈے کے اُمیدوار بن کر پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''علی بن طالب کہاں ہیں؟'' عرض کیا گیا کہ ''حضرت! اُن کی تو آنکھیں دکھنے آرہی ہیں''۔ تو آپ نے فرمایا کہ ''اُنہیں بلاکر لاؤ!''۔

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ حاضر ہوئے، تو پیغمبر علیہ السلام نے اپنا لعابِ دہن اُن کی آنکھوں میں لگایا، اور دعا فرمائی، جس سے آنکھوں کی تکلیف دور ہوگئی، اور پھر جھنڈا آپ کے حوالے فرمایا۔ (بخاری شریف، کتاب المغازی/ باب غزوۃ خیبر ۲/۶۰۵ حدیث: ۴۲۱۰)

گویا اِس طرح آپ کے محبّ اور محبوبِ رسول ہونے کا اعلان فرمادیا۔

آپ کو سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی الم ناک شہادت کے بعد خلیفہ بنایا گیا، اور تقریباً ساڑھے چار سال خلافت پر فائز رہ کر کوفہ میں رمضان ۴۰ھ ہجری میں ایک بد بخت خارجی ''ابن ملجم'' کے ہاتھوں آپ کی شہادت ہوئی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

خلفاء راشدین کے طریقوں کو اختیار کرنے کی تاکید

بہرحال ہمیں چاروں خلفاء راشدین کی عظمت ومحبت اپنے دلوں میں بٹھانی ہے، اور اُن کے طریقوں کو اختیار کرنا ہے، یہی راہِ مستقیم ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: کہ: ''عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ''. (سنن الترمذي رقم: ٢٦٧٦ وغيره) (یعنی میری سنت اور خلفاء راشدین کے بتائے ہوئے طریقوں کو لازم پکڑو، اور اُن پر اپنے دانت گاڑلو)

یہ اُمت کے اعلیٰ ترین افراد ہیں، اُن کا ذکر اور اُن کی عظمتوں کا مذاکرہ ہمارے گھروں اور مجلسوں میں ہوتے رہنا چاہئے۔

خاتونِ جنت حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

اِسی طرح سب اہل بیت اور پورا خانوادۂ نبوت ہماری آنکھوں کا تارہ اور دلوں کی ٹھنڈک ہے، چاہے وہ ازواجِ مطہرات ہوں یا بناتِ طیبات رضی اللہ عنہن۔ اُن کی سیرت، اُن کے کردار، اور اُن کے کارناموں کو یاد رکھنا چاہئے۔

خاص کر ہماری مائیں بہنیں خاتونِ جنت سیدتنا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنا آئیڈیل اور نمونہ بنائیں۔

آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چہیتی صاحبزادی ہیں، پیغمبر علیہ السلام اُن کے بارے میں فرماتے تھے کہ: ''فاطمہ تو میرے بدن کا ٹکڑا ہیں، جس چیز سے فاطمہ کو تکلیف ہے، اُس سے مجھے بھی تکلیف ہے''۔ (مسلم شریف حدیث: ۲۴۴۹)

آپ سفر میں تشریف لے جاتے تو سب سے اخیر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملتے، اور واپس آتے تو سب سے پہلے اُن کے گھر تشریف لے جاتے؛ تاکہ جدائی کا وقت کم سے کم ہو۔

خاتونِ جنت کا اعزاز

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں آپ کے قریب سبھی ازواجِ مطہرات حاضر تھیں، اسی درمیان سیدتنا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں، جن کے چلنے کا انداز ہو بہو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چال کے مشابہ تھا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو ان کا یہ کہتے ہوئے استقبال کیا: ’’مَرْحَبًا بِابْنَتِيْ‘‘ (میری بیٹی کا آنا مبارک ہو) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی بائیں یا دائیں جانب بٹھالیا، اس کے بعد نبی اکرم علیہ السلام نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کان میں کچھ سرگوشی کی، جس کو سنتے ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ رونے لگیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بے قراری دیکھی تو آپ نے ان سے دوبارہ سرگوشی کی، جس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فوراً ہنس پڑیں (ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں کسی کو غم کے بعد اتنی جلدی خوش ہوتے نہیں دیکھا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ان کو روتا دیکھ کر میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ روکیوں رہی ہیں؟ حالاں کہ پیغمبر علیہ السلام نے تمام اَزواجِ مطہرات کو چھوڑ کر آپ سے سرگوشی کی ہے)

اُس کے بعد جب مجلس ختم ہوئی، تو میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ سے پیغمبر علیہ السلام نے کیا سرگوشی کی تھی؟ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ میں پیغمبر علیہ السلام کے راز کو ظاہر نہیں کروں گی۔

پھر جب نبی اکرم علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ان پر اپنے حقِ

قرابت کا حوالہ دے کر درخواست کی کہ وہ اس دن کی سرگوشی کے بارے میں ضرور بتائیں، تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ ہاں! اب میں بتاؤں گی، پھر بتانا شروع کیا اور فرمایا کہ: ''جب پہلی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرگوشی کی تو یہ فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر سال میرے ساتھ ایک مرتبہ قرآنِ پاک کا دور فرماتے تھے، اس مرتبہ انہوں نے دو مرتبہ دور فرمایا؛ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ میرے دنیا سے پردہ فرمانے کا وقت قریب آ گیا ہے، اس لئے بیٹی! اللہ سے ڈرتی رہنا اور صبر کرتی رہنا؛ کیوں کہ میں تمہارے لئے بہتر سلف (آگے جانے والا) ہوں''؟ چناں چہ میں رو پڑی، جیسا کہ آپ نے اس دن دیکھا، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بے قراری محسوس کی، تو دوسری مرتبہ سرگوشی کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ ''بیٹی! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں تمام مؤمن عورتوں کا یا اس امت کی عورتوں کا سردار بنا دیا جائے''؟ (اور ایک روایت میں ہے کہ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تمہیں اہلِ جنت کی عورتوں کی سردار بنا دیا جائے؟) یہ سن کر مجھے ہنسی آ گئی، جیسا کہ آپؓ نے اس دن دیکھا۔ (مسلم شریف: ۲۴۵۰، بخاری شریف ۱/۵۱۳ حدیث: ۳۶۲۳، مشکوٰۃ شریف ۵۶۸)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خاتونِ جنت ہونے کا اعزاز محض اس لئے نہیں ملا کہ وہ سید الاولین والآخرین سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی صاحب زادی تھی، اور نہ اس لئے ملا کہ وہ صاحب حسن وجمال تھیں؛ بلکہ ان کی عزت کا اصل سبب اور جوہر وہ خداداداَخلاق کردار ہے جس کا اُنہوں نے دنیا کے سامنے عملی نمونہ پیش کیا۔

آپ کتنی باحیا تھیں، اس کا اندازہ اِس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور کی مجلس میں ذکر چھڑا کہ کون سی عورت سب سے اچھی ہے؟ لوگوں نے مختلف باتیں عرض کیں، سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر تشریف لائے، اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا، آپ بتایئے سب سے اچھی عورت کونسی ہے؟ صاحب زادی صاحبہ نے فرمایا ''سب سے اچھی عورت وہ ہے جس پر کسی غیر مرد کی نظر نہ پڑے، اور نہ وہ کسی غیر مرد کو دیکھے''۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر بتایا کہ

صاحب زادی صاحبہ یوں فرما رہی ہیں، حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا: صَدَقَتْ صَدَقَتْ، فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي (بیٹی نے سچ کہا، بیٹی نے سچ کہا، اور فاطمہ تو میرے بدن کا ٹکڑا ہیں) (معارف القرآن ۷/۲۱۶، نساء فی ظل رسول اللہ عن البزار وغیرہ ۳۳۶)

لہٰذا ماؤں بہنوں کے لئے اُن کی محبت کے ساتھ ساتھ اُن کے طریقوں پر چلنا بھی لازم ہے، اور جو عورت جنت میں اُن کی معیت چاہتی ہو، اُسے چاہئے کہ اُن کے کردار کو ہمیشہ سامنے رکھے۔

سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہما

اِسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے نواسوں سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہما سے بھی ہر مسلمان کو سچی محبت ہونی چاہئے، یہ دونوں خانوادۂ نبوت کے چشم و چراغ اور حضور کے گھر کے مہکتے ہوئے پھول ہیں۔

پیغمبر علیہ السلام کو اُن دونوں سے انتہائی محبت تھی۔ ایک مرتبہ ان دونوں کے بارے میں فرمایا: "هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا". (صحيح البخاري رقم: ۳۷۵۳) (یعنی یہ دونوں دنیا میں میرے خوشبودار پھول ہیں)

ایک موقع پر دونوں کو اپنی گود میں اُٹھایا، اور فرمایا کہ: "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا وَأَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهُمَا". (سنن الترمذي / أبواب المناقب ۲/۲۱۷ رقم:۳۷۶۹) (اے اللہ! مجھے اِن دونوں سے محبت ہے، آپ بھی اِن دونوں سے محبت فرمایئے، اور جو اِن سے محبت رکھے، اُن سے بھی آپ محبت فرمایئے)

ایک حدیث میں پیغمبر علیہ السلام نے یہ بھی اِرشاد فرمایا: "وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ". (یعنی حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں) (ترمذی شریف/ ابواب المناقب ۲/۲۱۷ حدیث:۳۷۶۸)

حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ ایک دعوت میں جارہے تھے، تو راستے میں ایک گلی میں سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کھیلتے ہوئے نظر آئے، تو نبی اکرم علیہ السلام اُنہیں دیکھتے ہی ہاتھ پھیلاتے ہوئے آگے بڑھے، حضرت

حسین رضی اللہ عنہ نے بطور ناز اِدھر اُدھر جانے کی کوشش کی؛ لیکن پیغمبر علیہ السلام نے اُنہیں پکڑ لیا، اور پھر ایک ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے اور دوسرا سر پر رکھ کر اُن کا بوسہ لیا، اور پھر اِرشاد فرمایا: ''**حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ، أَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا، حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْأَسْبَاطِ**''. (سنن ابن ماجة ص: ١٣ رقم: ١٤٤) (یعنی حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں (یعنی ہم میں مکمل ہم آہنگی اور اتفاق واتحاد ہے) جو حسین سے محبت کرے گا، اللہ تعالیٰ اُس سے محبت فرمائیں گے، اور حسین نواسوں میں سے ایک عظیم نواسے ہیں)

دیکھئے! کیسا پیار اور والہانہ انداز ہے؟ تو جن سے نبی اکرم علیہ السلام کو ایسی محبت ہو، ہمیں بھی اُن سے ضرور محبت ہونی چاہئے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہوکر فرمایا: ''**أَنَا سِلْمٌ لِمَنْ سَالَمْتُمْ، وَحَرْبٌ لِمَنْ حَارَبْتُمْ**''. (سنن ابن ماجة ص: ١٤ رقم: ١٤٥) (یعنی جن سے تمہاری صلح ہے اُن سے میری بھی صلح ہے، اور جن سے تمہاری لڑائی ہے، اُن سے میری بھی لڑائی ہے) یعنی ہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں۔

سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا مثالی کردار

سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِشارہ کرکے یہ بشارت سنائی تھی کہ: ''**إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ يُصْلِحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ**''. (البداية والنهاية ٤٠٥/٤، سنن الترمذي ٢١٨/٢) (یعنی یہ میرا بیٹا سردار ہے، اور اللہ تعالیٰ اِس کے ذریعہ دو عظیم جماعتوں کے مابین مصالحت فرمائیں گے)

چناں چہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد جب سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اَمیر المؤمنین بنایا گیا، اور حامیوں کی بہت بڑی تعداد آپ کے ساتھ تھی؛ لیکن چھ مہینے ''امیر المؤمنین'' رہنے کے بعد آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح فرمالی، اور خود خلافت سے

دست بردار ہو گئے۔

اور اِس موقع پر ایک وقیع خطبہ اِرشاد فرمایا، جو اِنسانی تاریخ کا ایک یادگار خطبہ کہلائے جانے کے لائق ہے۔ آپ نے حمد وثنا اور سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کے بعد اِرشاد فرمایا:

''اے لوگو! سب سے بڑی عقل مندی تقویٰ اور پرہیز گاری ہے، اور سب سے بڑی حماقت فسق وفجور رہے، یہ بات آپ لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میرے نانا جان (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو ہدایت سے نوازا، گمراہی اور جہالت سے نکالا اور ذلت کے بعد عزت سے نوازا، اور اہل ایمان کی قلت کو کثرت سے بدل دیا۔ بات یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے میرے اس حق میں نزاع کیا جس میں ان کا کوئی حق نہ تھا؛ (یعنی خلافت کے دعوے دار ہوئے) لیکن میری نظر اُمت کی صلاح اور فتنہ کو فرو کرنے پر ہے، اور آپ لوگوں نے میرے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کر رکھی ہے کہ میں جس سے صلح کروں اس سے آپ کی بھی صلح ہے اور میں جس سے جنگ کروں اس سے آپ کی بھی جنگ ہے، چناں چہ اب میں مناسب سمجھتا ہوں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلوں اور میرے اور ان کے درمیان جو جنگ چل رہی ہے اسے بند کردوں، پس میں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی ہے، اور میرے خیال میں خوں ریزی کے مقابلہ جانوں کی حفاظت زیادہ بہتر ہے، اور میرا منشا صرف آپ حضرات کی بھلائی اور حفاظت ہے، اور میں نہیں جانتا کہ یہ آپ لوگوں کے لئے آزمائش اور تھوڑی دیر برتنے کا موقع ہو''۔ (الصواعق المحرقۃ ۲۱۰)

اس صلح پر اگرچہ آپ کو بہت طعنے سننے پڑے؛ لیکن آپ پورے شرحِ صدر کے ساتھ یہی جواب دیتے رہے کہ: ''میں مسلمانوں کو ذلیل کرنے والا نہیں ہوں؛ بلکہ بات یہ ہے کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ اپنی حکومت کے لئے مسلمانوں کی خوں ریزی کا سبب بنوں''۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ کو ''عار المؤمنین'' کا طعنہ دیا گیا، تو آپ نے جواب دیا: ''اَلْعَارُ خَیْرٌ مِنَ النَّارِ'' عار (دنیا کی بے عزتی) جہنم سے بہتر ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۸/۴۰)

لہٰذا اگر ہمیں سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت ہے، تو اُس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم حتی الامکان آپس میں اتفاق اور اتحاد قائم رکھیں، اور اُس کے لئے ہر طرح کی قربانی پیش کرنے میں دریغ نہ کریں۔

میرے بھائیو! آج اِس اُمت کا سب سے بڑا اَلمیہ یہ ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر لڑائیاں ہوتی ہیں اور بول چال بند کردی جاتی ہے۔ اور معمولی اختلاف کی بنیاد پر فرقہ بندیوں اور گروپ بازیوں کا بازار گرم ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے اُمت روز بروز بے وزن ہوتی جارہی ہے۔

سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کردار

اور دوسری طرف سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زندگی ہے کہ اُنہوں نے ظلم کے خلاف کلمہ حق بلند کیا، اور کسی کے دباؤ میں نہیں آئے، اور اپنی دانست میں غلطی کو روکنے کے لئے حتی الامکان کوشش کی؛ یہاں تک کہ جان کی بھی قربانی دے دی۔

بلاشبہ آپ کی شہادت تاریخ کا ایسا دردناک اور اَلمناک حادثہ ہے جسے کبھی بھلایا نہیں جاسکتا، اور اُس کی کسک ہر مؤمن محسوس کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا، اور جنہوں نے بھی اِس ظلم میں کسی بھی درجہ میں حصہ لیا اُنہیں اُمت نے کبھی قبول نہیں کیا۔

لیکن یہ بات درست نہیں ہے کہ ہم شہادت کے غم میں پڑ کر شرعی حدود کو نظر انداز کردیں، اور جس نوحہ خوانی کو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جاہلیت کا عمل کہہ کر ممنوع قرار دیا تھا، اُس کو عبادت سمجھ کر انجام دیں، یہ سراسر شرعی حکم کی پامالی اور اِرشادِ نبوی کی مخالفت ہے، اِس لئے حادثۂ شہادت پر اَفسوس اور ظالموں سے برأت اپنی جگہ؛ لیکن نوحہ خوانی کے نام پر جو فضولیات دین میں گڑھ لی گئی ہیں، اُن سے ہر مسلمان کو بچنا اور دوسروں کو بچانا لازم اور ضروری ہے۔ (الصواعق المحرقہ ۲۷۸)

اِسی طرح یہ بھی ہرگز درست نہیں ہے کہ ہم بعض صحابہ یا اہل بیت کی محبت کے بہانے سے دوسرے صحابہؓ پر لعن طعن کریں، یا اُن کی شان میں گستاخیاں کریں، کسی بھی محبّ رسول کو یہ باتیں قطعاً زیب نہیں دیتیں۔

حضراتِ گرامی! ہمارا دین قیامت تک باقی رہنے والا دین ہے، اور اِس کی سب بنیادی باتیں معتبر نصوص سے ثابت ہیں، اِس لئے من گھڑت بدعات اور رسومات کے ذریعہ اصل دین کو بدلا نہیں جا سکتا، قیامت تک ایسی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو پائے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میری اُمت میں ہمیشہ ایک جماعت ایسی ضرور قائم رہے گی جو حق پر ثابت قدم ہوگی، کوئی بھی اُسے قیامت تک ذلیل نہیں کر پائے گا''۔ (بخاری شریف حدیث:۳۶۴۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ: **''یَحْمِلُ ھٰذَا الْعِلْمَ مِنْ کُلِّ خَلْفٍ عُدُوْلُهُ، یَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِیْفَ الْغَالِیْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِیْنَ وَتَاوِیْلَ الْجَاهِلِیْنَ''**. (مشكاة المصابيح / كتاب العلم ٣٦ رقم: ٢٤٨، تاريخ دمشق ٣٩/٧) (یعنی بعد میں آنے والے لوگ اپنے سے پہلے کے معتبر اور ثقہ حضرات سے علم حاصل کریں گے، اور پھر غلو کرنے والوں کی تحریفات، باطل فرقوں کی ملمع سازی اور جاہلوں کی تاویلات کی نفی کریں گے)

اِس خدمت کو انجام دینے والی جماعت کی خاص نشانی یہ ہے کہ جماعت تمام ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دل سے قدر کرتی ہے، اور اُن کا احترام دل میں بٹھاتی ہے، ایک ایک صحابی کو اپنی آنکھوں کا تارا اور دل کا نور قرار دیتی ہے، اور کسی بھی صحابی کے بارے میں اَدنیٰ سی بھی بدگمانی روا نہیں رکھتی، یہی فرقہ ناجیہ کی اہم علامت ہے۔

جیسا کہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹے، اور میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹے گی، اُن میں ایک فرقہ ہی پوری طرح کامیاب ہونے والا ہے''۔ پوچھا گیا کہ ''یہ کون سا فرقہ ہے؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: **''مَا أَنَا عَلَیْهِ وَأَصْحَابِيْ''**. (مشكاة المصابيح ٣٠/١) (یعنی جو میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقے پر قائم ہو، وہی جماعت برحق اور ہدایت یافتہ ہے)

اِس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقوں پر ثابت قدم رہیں، اور بلا کسی امتیاز کے تمام ہی صحابہ کی تعظیم کریں، اور کسی سے ادنیٰ سی بدگمانی بھی نہ رکھیں۔

اکثر جمعہ کے خطبے میں آپ نے یہ حدیث سنی ہوگی کہ پیغمبر علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا:

”اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ أَصْحَابِيْ، لاَ تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِيْ، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِيْ، وَمَنْ اٰذَانِيْ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ، وَمَنْ اٰذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ اللّٰهُ أَنْ يَأْخُذَهٗ“. (سنن الترمذي / أبواب المناقب ۲۲۵/۲ رقم: ۳۸۶۲، صحیح ابن حبان رقم: ۷۲۵۶) (یعنی میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، میرے بعد اُن کو نشانہ مت بنانا؛ کیوں کہ اُن سے جو بھی محبت کرتا ہے، وہ میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت کرتا ہے، اور اُن سے جو بغض رکھتا ہے وہ دراَصل مجھ سے بغض کی وجہ سے اُن سے بغض رکھتا ہے، اور جو اُنہیں اذیت پہنچائے اُس نے مجھے تکلیف پہنچائی، اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اُس نے اللہ کو اَذیت دی، اور جو اللہ کو اَذیت دے گا تو عنقریب اللہ تعالیٰ اُس کی گرفت فرمائیں گے)

یہ روایت معنی کے استحضار کے ساتھ ہر مسلمان کو بار بار پڑھنی چاہئے؛ تاکہ صحابہ کی محبت دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو، اور کسی بھی صحابی کے بارے میں دل میں کسی بدگمانی کا شائبہ بھی نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ یہ محبت تازندگی قائم رکھیں، اور آخرت میں ہمارا اُنہی کے ساتھ حشر فرمائیں، اور اُن کے طریقوں پر چلنا آسان فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بلند مقام

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

لاَ تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلاَ نَصِيْفَهُ.

(صحيح البخاري رقم: ٣٦٧٣، صحيح مسلم رقم: ٢٥٤٠، سنن أبي داؤد رقم: ٤٦٥٨)

ترجمہ:- میرے ساتھیوں کو برا بھلا مت کہو؛ اِس لئے کہ تم میں سے کوئی شخص اگر احد پہاڑ کے برابر سونا بھی (اللہ کے راستے میں) خرچ کرے، تو وہ اُن ساتھیوں کے ایک مٹھی یا آدھا مٹھی کے (ثواب کے) برابر بھی نہ پہنچ پائے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اشاعت: (۴۳)

ماہِ محرم اور ذکرِ شہادت

خطاب:

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

اُستاذ حدیث ونائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جمع وضبط:

(مفتی) انعام الحق قاسمی حیدرآبادی

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ. [الذٰریٰت: ۵۵]

(اور مسلسل نصیحت فرماتے رہیے؛ کیوں کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے)

کتاب الوعظ والتذکیر

سلسلۂ اِشاعت: (۴۳)

موضوعِ خطاب	:	ماہِ محرم اور ذکرِ شہادت
خطاب	:	حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
مقام	:	جامع مسجد کرائیڈن (Croydon) لندن (یوکے)
تاریخ	:	۱۴۳۵/۱/۵ھ مطابق ۲۰۱۳/۱۱/۸ء قبل نماز جمعہ
دورانیہ	:	۳۸/منٹ
جمع وضبط	:	(مفتی) انعام الحق قاسمی حیدرآبادی

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکّل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ، ومن یضلل فلا ھادي لہٗ، ونشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ، ونشھد أن سیدنا وحبیبنا وسندنا وشفیعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تبارک وتعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وأصحابہٖ وذریاتہٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًا، أما بعد.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاھَدُوْا اللّٰہَ عَلَیْہِ، فَمِنْھُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَہٗ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ، وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِیْلاً. [الأحزاب: ۲۳] صدق اللّٰہ مولانا العلي العظیم.

(ترجمہ:- ایمان والوں میں سے کتنے مرد ہیں جنہوں نے اللہ سے کیا گیا اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، پھر کوئی تو اُن میں سے اپنا ذمہ پورا کر چکا اور کوئی انتظار میں ہے، اور اُنہوں نے ایک ذرہ بھی تبدیلی نہیں کی)

عاشوراء کے دن کی فضیلت

محترم بھائیو اور بزرگو! اِسلام میں کچھ اَوقات ایسے ہیں جن کی فضیلت عام دنوں کے مقابلے میں زیادہ ہے، جیسے رمضان المبارک کا پورا مہینہ خیر و برکت اور رحمت کا ہے، اِسی طرح ذی الحجہ کے شروع کے دس دن بھی اپنی جگہ بڑی اَہمیت اور فضیلت رکھتے ہیں، اِنہی بابرکت اَیام میں ایک دن دسویں محرم کا بھی ہے جس کو ''یومِ عاشوراء'' کہا جاتا ہے۔

سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں آپ نے یہ دیکھا کہ یہودی لوگ دسویں محرم کو روزہ رکھتے ہیں، تو پیغمبر علیہ السلام نے معلوم کرایا کہ اُن سے پوچھو کہ یہ دسویں تاریخ کو روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ تو اُنہوں نے کہا کہ اِس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات عطا فرمائی تھی، اس کی یاد دہانی اور شکر گذاری کے طور پر ہم یہ روزہ رکھ رہے ہیں، تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''نَحْنُ أَحَقُّ وَأَوْلٰی بِمُوْسٰی مِنْکُمْ''. (یعنی ہم تمہارے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ قریب ہیں، اور روزہ رکھنے کے زیادہ حق دار ہیں) پھر آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اُس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (مسلم شریف ۱/۳۵۹)

رمضان المبارک کا روزہ فرض ہونے سے پہلے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پابندی کے ساتھ عاشوراء کا روزہ خود بھی رکھتے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی اِس کی تاکید فرماتے تھے۔

(مسلم شریف، کتاب الصیام/ باب صوم یوم عاشوراء حدیث: ۱۱۲۸)

نیز نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ اِرشاد عالی ہے کہ: ''جو شخص عرفہ (۹/ذی الحجہ) کے دن روزہ رکھے، تو یہ سالِ گذشتہ اور سالِ آئندہ کے لئے کفارہ بنے گا، اور اگر کوئی شخص یومِ عاشوراء کا روزہ رکھے تو گذشتہ سال جو گناہ ہوئے ہیں اُن کے لئے کفارہ ہوگا''۔ (ترمذی شریف ۱/۱۵۸)

پھر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا کہ: ''اگر اگلے سال زندہ رہے تو ہم نویں محرم کا بھی روزہ رکھیں گے''۔ (تاکہ یہودیوں سے مشابہت نہ رہے) راوی کہتے ہیں کہ اگلا سال آنے

سے پہلے ہی آپ کی وفات ہوگئی۔ (مسلم شریف ۱/۳۵۹)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِسی خواہش کی بناء پر فقہاء لکھتے ہیں کہ عاشوراء کے ساتھ ۹ / یا ۱۱ / تاریخ کا روزہ ملا لینا بھی مستحب ہے۔ (الدر المختار مع الشامی ۲/۶۱۴ کراچی)

یومِ عاشوراء میں گھر والوں پر وسعت کی فضیلت

اور ایک ضعیف روایت میں یہ مضمون وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''جو شخص عاشوراء کے دن اپنے گھر والوں پر کھانے پینے (وغیرہ) میں وسعت کرے، تو اِس کی برکت سے اللہ تعالیٰ سال بھر اُس کی روزی میں وسعت فرمائیں گے''۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان حدیث: ۳۷۹۵، الترغیب والترہیب مکمل حدیث: ۱۵۵۶)

اور اگر اِس دن روزہ ہو تو سحری اور افطار میں عام دنوں سے کچھ زیادہ اہتمام کرلیا جائے، کھانا پکا کر رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو بھیج دیا جائے، اور غرباء کو بھی تقسیم کیا جائے، تو اُمید ہے کہ یہ فضیلت حاصل ہوجائے گی۔

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے محبت کا حکم

اَب اِس تفصیل سے یہ پتہ چلا کہ عاشوراء کا دن پہلے ہی سے اسلام میں مقدس اور باعظمت سمجھا جاتا رہا ہے، یہ نہیں کہ بعد میں اِس کی کوئی فضیلت ظاہر ہوئی ہو؛ بلکہ یہ فضیلتیں پہلے سے ہی ثابت ہیں۔

لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ ہم سب کی آنکھوں کے تارے اور سرورِ عالم، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے اور لاڈلے نواسے سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا واقعہ بھی اِسی یومِ عاشوراء کو ''کربلا'' میں پیش آیا۔

بلاشبہ آپ کی مظلومانہ شہادت ہم سب کے لئے تکلیف اور غم کا باعث ہے، اِس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

اور ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ سبھی اہل بیت بالخصوص حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے قلبی تعلق رکھے؛ اِس لئے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم علیہ السلام نے اُن دونوں کو جمع کر کے یہ دعا فرمائی تھی: "اللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُمَا". (سنن الترمذي / أبواب المناقب ۲/۲۱۷) (اے اللہ مجھے اِن دونوں بچوں سے محبت ہے آپ بھی اِن سے محبت کیجئے، اور جو اِن سے محبت رکھے اُن سے بھی آپ محبت فرمائیے)

لہٰذا جو اللہ کا محبوب بننا چاہتا ہے اُس کے لئے لازم ہے کہ وہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے دلی تعلق رکھے، اِس میں کوئی دو رائے نہیں ہے۔

لیکن سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ کو اِس انداز میں بیان کرنا کہ اِسلامی تاریخ کی دیگر شہادتوں کے واقعات لوگوں کی نظروں سے اُوجھل ہو جائیں؛ یہ ہرگز مناسب نہیں ہے؛ بلکہ سبھی قربانی دینے والی شخصیات کی دل سے قدر دانی ہونی چاہئے۔

دیگر شہداءِ اسلام کا ذکر

اِسلامی تاریخ میں شہید ہونے والوں کی فہرست اتنی زیادہ ہے کہ اُس کا شمار نہیں کیا جا سکتا، شاید ہی سال کا کوئی ایسا دن ہو جس میں کسی نہ کسی عظیم شہادت کا واقعہ نہ پیش آیا ہو؛ لیکن اُن سب کو بالکل نظر انداز کر کے صرف ایک شہادت کے واقعہ کو ہی عوام میں رائج کرنا یہ کوئی اِنصاف کی بات نہیں ہے۔

لہٰذا ہمارا کہنا یہ ہے کہ شہادت کے جو واقعات دورِ نبوت میں پیش آئے، ہماری مجلسوں میں اُن کا بھی ذکر ہونا چاہئے۔

خاص طور پر اُن غزوات کا ذکر ہونا چاہئے جن میں بنفس نفیس سرورِ عالم، اِمام المجاہدین سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرکت فرمائی، اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قربانیاں پیش کیں۔

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

مثلاً: غزوۂ اُحد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے چچا سیدنا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، آپ کے ساتھ کافروں نے نہایت بہیمانہ سلوک کیا، جس کی بنا پر پیغمبر علیہ السلام کو حد سے زیادہ غم ہوا، اور آپ نے اُن کے متعلق اِرشاد فرمایا کہ: سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ. (مجمع الزوائد ۲۷۵/۷) (یعنی میدانِ حشر میں تمام شہیدوں کی سرداری کا شرف سیدنا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوگا)

سوال یہ ہے کہ آج اُن کی شہادت کا ذکر کیوں نہیں ہے؟ وہ بھی تو پیغمبر علیہ السلام کے نہایت چہیتے چچا ہیں؟

علاوہ اَزیں اِسی غزوہ میں سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ دیگر ۶۹ر صحابہ بھی شہید ہوئے۔ اُن میں سے بعض ایسے تھے کہ جن کی شہادت کے بعد زخموں کی کثرت کی وجہ سے پہچان بھی نہیں ہو پا رہی تھی، اُن کی شہادت کا ذکر کیوں نہیں ہے؟

شہداء احد کی قبروں کی زیارت کے لئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر جمعرات کے دن احد تشریف لے جاتے اور اُن شہداء کے لئے دعا فرماتے تھے۔

لیکن افسوس ہے کہ آج اِن عظیم شہادتوں کا ہمارے معاشرہ میں عام طور پر تذکرہ نہیں کیا جاتا۔

بیر معونہ کے شہید حفاظ کا ذکر

نبی اکرم علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص ’’ابو براء عامر بن مالک‘‘ حاضر ہوا، اور اُس نے یہ گذارش کی کہ آپ اہل نجد کی طرف اپنے کچھ صحابہ دعوتِ دین کے لئے میرے ساتھ روانہ فرمائیں، مجھے اُمید ہے کہ وہ لوگ اِسلام لے آئیں گے، چناں چہ آپ نے ۷۰ر انصاری صحابہ کو منتخب کر کے اُن کے ساتھ کر دیا، جو سب قرآنِ کریم کے حافظ اور قاری تھے۔

مگر اُن کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا کہ اُنہیں ’’بیر معونہ‘‘ نامی مقام پر ’’عامر بن طفیل‘‘ کے

اِشارے پر ''بنوسُلیم'' سے تعلق رکھنے والے چند قبائل (عصیہ، رعل اور ذکوان) کے لوگوں نے گھیر کر نہایت سنگ دلی کے ساتھ شہید کرڈالا۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۲/۲۶۷-۲۶۸)

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر ملی تو آپ پر اتنا غم ہوا کہ آپ نے قنوتِ نازلہ میں اُن شہید کرنے والے قبائل پر ایک مہینے تک بددعا فرمائی۔ (بخاری شریف/کتاب المغازی ۲/۵۸۶-۵۸۷)

تو ہماری مجلسوں میں اِن عظیم شہیدوں کا بھی ذکر ہونا چاہئے۔

سیدنا حضرت جعفر طیارؓ کی شہادت کا ذکر

اور غزوۂ موتہ کے اندر پیغمبر علیہ السلام کے چچازاد بھائی اور سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سگے اور حقیقی بھائی سیدنا حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کمالِ بہادری کا ثبوت دیا؛ حتیٰ کہ جب اُن کے دونوں بازو کٹ گئے، تب بھی اُنہوں نے اِسلامی جھنڈے کو گرنے نہیں دیا؛ تاآں کہ جامِ شہادت نوش کیا، بعد میں دیکھا گیا کہ اُن کے جسم پر ۹۰/ سے زیادہ تیر اور تلوار کے زخم تھے، اور یہ سب سینے کی جانب تھے، پیٹھ پر کوئی نہ تھا۔ اور پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''میں نے جعفر رضی اللہ عنہ کو جنت میں فرشتوں کے ساتھ اُڑتے ہوئے دیکھا ہے''۔ (ترمذی شریف حدیث: ۳۷۶۳، الاصابہ ۱/۵۹۳ دار الکتب العلمیہ بیروت، المستدرک للحاکم ۳/۴۳)

اِسی لئے اُن کا لقب ''جعفر طیار'' رکھا گیا۔ اور پیغمبر علیہ السلام کو جب اُن کی شہادت کی خبر ملی، تو آپ کو شدید صدمہ ہوا؛ کیوں کہ اُن سے آپ کو بہت خاص تعلق تھا۔

تو ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ دورِ نبوت میں ایسے پیش آمدہ واقعات کو کیوں بھلا دیا گیا؟ اور عام بیانات میں اُن کا تذکرہ کیوں نہیں کیا جاتا؟

اِسی طرح خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جھوٹے مدعی نبوت ''مسیلمہ کذاب'' سے جنگ ہوئی، جس میں بڑی تعداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے، اور ختم نبوت کی حفاظت کے لئے اُنہوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔

تو اِن واقعات کا مذاکرہ ہمارے معاشرے میں کیوں نہیں کیا جاتا ہے؟

خلیفہ دوم امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت

اِسی طرح اِسلامی تاریخ میں خلیفہ دوم اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا جو مقام ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔

مسلم شریف میں روایت ہے کہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مجلس میں رازدارِ نبوت سیدنا حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ موجود تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہلِ مجلس سے پوچھا کہ: ''اگر کسی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فتنوں کے بارے میں بات سنی ہو تو وہ بیان کرے''۔

تو لوگوں نے عرض کیا کہ: ''ہاں! ہم نے سن رکھی ہے''۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''غالباً تم لوگ وہ فتنہ مراد لے رہے ہو، جو اپنے گھر والوں اور پڑوسیوں کے ساتھ پیش آتا ہے''۔ لوگوں نے اِس کی تصدیق کی۔

اِس پر آپ نے فرمایا کہ: ''یہ تو ایسے فتنے ہیں کہ نماز، روزے اور صدقہ وغیرہ کی وجہ سے اُن کی تلافی ہوجاتی ہے؛ لیکن تم میں سے کس نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اُن فتنوں کے بارے میں سنا ہے جو سمندر کی موجوں کی طرح موج ماریں گے؟'' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''بقیہ حاضرین مجلس تو خاموش رہے؛ لیکن میں نے عرض کیا کہ مجھے اِس طرح کے فتنوں کے بارے میں معلومات ہیں''۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو شاباشی دی۔

اور پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اِرشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''لوگوں کے دلوں پر اِس طرح پے درپے فتنے پیش ہوں گے، جیسے چٹائی بنتے ہوئے تیلی پر تیلی رکھی جاتی ہے، پس جس دل میں وہ فتنے جذب ہوجائیں، تو اُس دل پر ایک کالا دھبہ لگ جائے گا، اور جو دل اُن فتنوں کو قبول نہیں کرے گا، اُس پر ایک سفید نقطہ لگ جائے گا، یہاں تک کہ (ساری دنیا کے لوگوں کے دل) دو طرح کے دلوں پر مشتمل ہوجائیں گے:

(۱) سنگ مرمر کی طرح سفید اور چمک دار دل؛ جن کو کوئی فتنہ قیامت تک نقصان نہ پہنچا پائے گا۔

(۲) اور دوسرے مٹیالے کالے دل جو اُلٹے برتن کی طرح ہیں، جو نہ تو اچھی بات کو اچھی سمجھیں گے اور نہ بری بات کو بری؛ بلکہ صرف اپنی نفسانی خواہش پر چلیں گے"۔ (نعوذ باللہ)

اُس کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ: "اِن فتنوں اور آپ کے درمیان میں ایک بند دروازہ ہے، جسے عنقریب توڑ دیا جائے گا"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ: "اچھا! کیا اُسے توڑا جائے گا؟ کیوں کہ اگر کھولا جا سکے، تو دوبارہ بند کرنا بھی ممکن ہے"۔

تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے تاکیداً فرمایا کہ: "نہیں! بلکہ اُسے توڑا جائے گا، اور اُس دروازے سے مراد ایک شخص ہے جو شہید ہوگا یا وفات پائے گا، اور یہ بات جو میں نے بیان کی ہے، وہ کوئی گھڑی ہوئی نہیں ہے"۔ (بلکہ بالکل سچ ہے) (مسلم شریف، کتاب الایمان/ باب الاسلام بدأ غریباً ۸۲/۱ حدیث: ۱۴۳)

واضح ہو کہ اِس صحیح حدیث میں دروازہ ٹوٹنے سے مراد سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا سانحۂ شہادت ہے۔ (شرح النووی علی مسلم ۸۳/۱)

اور دنیا جانتی ہے کہ اُن کی شہادت کے بعد اُمت پر فتنوں کے وہ دروازے کھل گئے ہیں جو اَب قیامت تک بند ہونے والے نہیں ہیں۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعا فرماتے تھے کہ: "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيْلِکَ، وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ رَسُوْلِکَ". (صحيح البخاري / كتاب فضائل المدينة رقم: ۱۸۹۰) (یعنی اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت نصیب فرمایئے، اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں وفات دیجئے)

تو لوگ حیرت کرتے تھے کہ بھلا مدینہ میں یہ بات کیسے پیش آسکتی ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور مدینہ منورہ میں ایک مجوسی کافر غلام "ابولؤلؤ" کے ہاتھوں آپ کی شہادت ہوئی۔ (فتح الباری شرح صحیح البخاری ۱۲۶/۴ حدیث: ۱۸۹۰)

روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اُن پر حملہ کرنے والے کا نام بتلایا گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کیا کہ کوئی مسلمان میرے قتل میں ملوث نہیں ہے۔ (بخاری شریف/ باب قصۃ البیعۃ الخ ۱/۵۲۳ حدیث: ۳۷۰۰)

اور یہ وہ المناک شہادت ہے جس کے بعد سے آج تک مسلمانوں کو وہ عزت اور اجتماعیت نصیب نہیں ہوئی جو سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حاصل تھی۔

اِس شہادت کا واقعہ بھی محرم کی پہلی تاریخ کو پیش آیا۔ تو اِسے آخر کیوں بھلا دیا گیا؟

خلیفہ ثالث سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت

اِسی طرح خلیفہ ثالث امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں خود حضور اکرم علیہ السلام نے شہید ہونے کی پیشین گوئی فرمادی تھی۔ (بخاری شریف حدیث: ۳۶۹۳)

اور تاریخ پڑھنے والے جانتے ہیں کہ کس قدر کسمپرسی اور مظلومیت کی حالت میں بدبخت باغیوں نے آپ کو مدینہ منورہ میں شہید کیا۔ (البدایہ والنہایہ ۷/۱۹۷ دار المعرفہ بیروت)

جو بھی آپ کے حالات پڑھتا ہے، تو اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوجاتی ہیں، اور دل بے چین ہوجاتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے اُس منظورِ نظر صحابیِ جلیل کو کیسی بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہم اُن کی مظلومانہ شہادت کو بھلا کیسے بھلا سکتے ہیں؟

خلیفہ رابع سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت

اسی طرح خلیفہ رابع امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کا واقعہ بھی انتہائی المناک اور دردناک ہے۔ ملعون خارجی ''ابن ملجم'' نے کوفہ کی جامع مسجد میں فجر سے پہلے آپ پر قاتلانہ حملہ کیا، جس سے سر مبارک پر کاری زخم آیا، جس کی تاب نہ لاکر آپ نے ۳ر دن بعد ۲۱ر رمضان المبارک ۴۰ر ہجری کو جامِ شہادت نوش فرمایا۔ (سیدنا علی بن ابی طالب ۱/۱۸۸/ ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی، اُردو)

اِس کے علاوہ بھی بے شمار واقعات ہیں جو تاریخ وسیر کی کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں، تو ہمیں چاہیئے کہ حسبِ موقع اُن تمام شہیدوں کو یاد کریں، اور اُن کی قربانیوں کی قدر کریں۔

کسی ایک شہید کی شہادت کو ذکر کر کے بقیہ کو بالکل نظر انداز کر دینا اور ایسا ماحول بنانا کہ گویا اسلام میں شہادت کا صرف ایک ہی واقعہ پیش آیا ہے؛ یہ انصاف کی بات نہیں ہے۔

اللہ کے راستے میں جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے سبھی شہداء ہماری آنکھ کے تارے اور سر کے تاج ہیں۔

ہمارے دل میں درجہ بدرجہ سب کے لئے عظمت ہونی چاہیئے، جس نے بھی جس طرح کی قربانی دین کے لئے پیش کی ہے وہ ہمارے لئے انتہائی قابل قدر ہے۔

اللہ تعالیٰ اُن سب کی قبروں کو نور سے منور فرمائیں، درجات بلند سے بلندتر فرمائیں، اور ہمیں دین پر استقامت نصیب فرمائیں، ہر طرح کی غلطیوں، گمراہیوں، بدعقیدگیوں اور بدعملیوں سے ہم سب کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلۂ اشاعت: (۴۴)

حضرات صحابۂ کرام واہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے متعلق

اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف

حسبِ ہدایت:

اَمیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ
معاون مہتمم واُستاذ حدیث دار العلوم دیو بند وصدر جمعیۃ علماء ہند

مرتب:
محمد سلمان منصور پوری
مدرسہ شاہی مراد آباد

ناشر
المركز العلمي للنشر والتحقيق
لال باغ مراد آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

نحمده ونصلي علىٰ رسولهِ الكريم، أمابعد!

حضراتِ صحابہ کرامؓ (یعنی جن خوش نصیب حضرات نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اِسلام قبول کیا، اور اِسلام ہی پر اُن کی وفات ہوئی) کے متعلق ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کا یہ نظریہ ہے کہ وہ بلاامتیاز سب کے سب اعلیٰ درجہ کے عادل اور ثقہ تھے، اور اُن میں سے کسی کے بارے میں طعن وتشنیع کی اِجازت نہیں ہے۔

لیکن شروع ہی سے کچھ بے توفیق لوگ کسی نہ کسی عنوان سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں دریدہ ذہنی کرتے رہے ہیں۔ بالخصوص اُن کے آپسی نزاعات ومشاجرات کو بہانہ بنا کر جس طرح سیدنا حضرت اَمیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نشانہ بنایا گیا ہے، اور دوسرے طبقے (خوارج ونواصب) کی طرف سے حضراتِ اہل بیت رضی اللہ عنہم کی بے توقیری کی گئی؛ وہ ناقابل بیان ہے۔

علماءِ حق؛ حضراتِ صحابہؓ کے ساتھ سبھی اہل بیت رضی اللہ عنہم کا دل سے احترام کرتے ہیں، اور دورِ صحابہؓ میں جو ناگوار واقعات پیش آئے، اُن میں احتیاطاً کف لسان کرتے ہیں؛ کیوں کہ آج اُن باتوں کو اُٹھانے اور پھیلانے سے اُمت کا کوئی فائدہ نہیں؛ بلکہ مزید انتشار کا اندیشہ ہے۔

لیکن بڑے اَفسوس کی بات ہوئی کہ ایک معروف عالم دین (جن کو اللہ تعالیٰ نے بے مثال قوتِ بیان اور حسن خطابت سے نوازا ہے) نے اپنے انداز میں صحابیت کی تعریف کرتے ہوئے اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تنقید کا نشانہ بنانا شروع کیا، اور ایسی باتیں برملا بیان کرنے لگے جن کو روافض عرصۂ دراز سے اپنی کتابوں میں لکھتے رہے ہیں۔ اِس پر مزید تشویش کی بات یہ ہوئی کہ موصوف نے دیگر جگہوں سے مایوس ہوکر اپنے آبائی وطن ''منصور پور'' کو اِس تنقیدی تحریک کا مرکز بنانا چاہا، اور خانوادۂ سادات منصور پور کو ساتھ ملانے کی کوشش کی۔

موصوف کی اِن ناروا حرکتوں سے والد ماجد حضرت اَقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب

منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ (جن کو اللہ تعالیٰ نے علمی رسوخ کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کی دینی غیرت وحمیت سے سرفراز فرمایا تھا) نہایت بے چین ہوگئے، اور اُنہیں خطرہ ہوا کہ ہمارے اَکابر رحمہم اللہ کی مسلسل محنتوں کی وجہ سے یہ خانوادہ اور یہ علاقہ جس طرح راہِ حق پر قائم رہا ہے؛ کہیں اِن ناعاقبت اندیشی پر مبنی حرکتوں کی وجہ سے وہ دوبارہ گمراہی میں مبتلا نہ ہوجائے۔ اِس لئے آپ نے اِس فتنے کو فرو کرنے کی طرف پوری توجہ فرمائی، مسلسل اور بار بار ''منصور پور'' اور اطراف کے دورے فرمائے، اور اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کی پوری وضاحت فرمائی، اور مخالفین کی طرف سے جو غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں؛ اُن کا اِزالہ فرمایا۔

اِسی دوران حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ نے اِس ناکارہ کو حکم دیا کہ اِس موضوع پر ایک مختصر اور جامع مضمون مرتب کیا جائے، جس میں اہل السنۃ والجماعۃ کا اُصولی موقف باحوالہ بیان کیا جائے؛ تاکہ لوگوں تک صحیح باتیں پہنچیں اور وہ کج فکری سے محفوظ رہیں۔ چناں چہ احقر نے حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کی منشاء کے مطابق زیر نظر مضمون مرتب کرکے خدمت میں پیش کیا، جسے آپ نے بغور ملاحظہ فرمایا اور حسبِ ضرورت حکّ واِضافہ فرمایا، اُس کے بعد ہزاروں کی تعداد میں اُس کو اُردو اور ہندی میں شائع فرما کر بذاتِ خود تقسیم کیا، اور دوسرے لوگوں کو بھی اِس کی اِشاعت کی ترغیب دی۔

اِس مضمون میں حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضراتِ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا نظریہ اختصار اور جامعیت کے ساتھ معتبر حوالوں سے جمع کردیا گیا ہے۔

مناسب معلوم ہوا کہ ''کتاب الوعظ والتذکیر'' کے سلسلے میں شامل کرکے اِسے شائع کردیا جائے؛ تاکہ وہ تادیر محفوظ رہے، اور شائقین کے لئے اِستفادہ آسان ہو۔

ضرورت ہے کہ عام بیانات میں اِن باتوں کو اچھے انداز میں بیان کیا جائے؛ تاکہ صحیح رخ پر اُمت کی ذہن سازی ہوتی رہے، اور لوگ گمراہی سے محفوظ رہیں۔

اللہ تعالیٰ اِس کاوش کو قبول فرمائیں اور ہم سب کو زیغ وضلال سے محفوظ رکھتے ہوئے دین حق پر اِستقامت سے نوازیں، آمین۔

فقط واللہ الموفق

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

۱۴۴۳/۴/۲۳ھ مطابق ۲۰۲۱/۱۱/۲۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

جس طریقے پر عام احکام ومسائل میں ائمہ متبوعین کی تقلید کی جاتی ہے، جیسا کہ برصغیر ہندوپاک میں مسلمانوں کی اکثریت امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتی ہے، اور ہم اُن کے علم وفقہ پر اعتماد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِطاعت بجالاتے ہیں۔ اِسی طرح عقائد کے معاملے میں بھی اکابر علماء وائمہ اہل السنۃ والجماعۃ کی اتباع ضروری ہے؛ کیوں کہ اہل حق کی یہی جماعت حدیث کے مطابق ''فرقۂ ناجیہ'' کی مصداق ہے، اور اُس کو ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کا لقب اِس لئے دیا گیا ہے؛ کیوں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اَحادیثِ شریفہ کے ساتھ ساتھ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اَقوال وآثار پر مضبوطی سے قائم ہے۔ (مستفاد: تفسیر ابن کثیر مکمل/تفسیر آیت: ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ﴾ [آل عمران: ١٠٦] ۲۵٦ دارالسلام ریاض)

واضح ہو کہ عقائد واحکام کے بارے میں متفقہ آراء کے مقابلے میں کسی کو الگ سے رائے زنی کا حق نہیں ہے؛ کیوں کہ اگر اِس کی اجازت دی جائے گی تو پورا دینی نظام خربطہ میں پڑ جائے گا، اور عقیدے اور عمل کے اعتبار سے اَنارکی پھیل جائے گی۔ اِس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اَکابر علماء وائمہ کرام پر اعتماد کرتے ہوئے اِجماعی عقائد پر ثابت قدم رہے، اور اُن سے سرمو انحراف نہ کرے۔

بریں بنا ضرورت محسوس کرتے ہوئے ذیل میں حضرات صحابہ کرام واہل بیت رضی اللہ عنہم کے متعلق اکابر علماء اہل السنۃ والجماعۃ کا متفقہ موقف اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے، جس کو ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہئے۔ ملاحظہ فرمائیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱) جس شخص نے بحالت ایمان نبی اکرم علیہ السلام کی زیارت کی، یا آپ کی صحبت میں اُسے رہنے کی سعادت حاصل ہوئی اور پھر وہ تاحیات اِیمان پر قائم رہا، اُسے ''صحابی'' کہا جاتا ہے۔

والأصح ما قيل في تعريف الصحابي رضی أنه: "من لقي النبي صلى الله عليه وسلم في حياته مسلمًا ومات على إسلامه". (مقدمة: الإصابة في تمييز الصحابة ۸ دار الكتب العلمية بيروت، نبراس ۳۲۸) (اور صحابی کی تعریف میں سب سے صحیح بات یہ ہے کہ جس شخص نے اسلام کی حالت میں پیغمبر علیہ السلام کی زیارت کی ہو اور پھر اِسلام ہی پر اُس کی وفات ہوئی ہو (وہ صحابی ہے)

(۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام اِنسانوں میں سب سے افضل ہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خَيْرُ أُمَّتِي اَلْقَرْنُ الَّذِيْ بُعِثْتُ فِيهِمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ. (صحيح مسلم رقم: ۲۱۵۱-۲۵۳۵، سنن أبي داؤد رقم: ٤٦٥٧ وغيره) (میری اُمت کے سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو میری بعثت کے زمانے میں موجود تھے۔(یعنی صحابہ) اُس کے بعد وہ لوگ ہیں جو اُن سے قریب ہیں (یعنی تابعین) پھر وہ ہیں جو اُن کے بعد ہیں۔(یعنی تبع تابعین)

قد صح أن الصحابة أفضل من التابعين ومن الأمم السابقة لقوله تعالىٰ: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (نبراس ۳۰۰) (یہ بات صحیح طور پر ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین سے اور اُمم سابقہ کے اہل اِیمان سے افضل ہیں؛ اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے کہ: ''تم بہترین اُمت ہو جنہیں لوگوں کے نفع کے لئے بھیجا گیا''۔(اِس آیت کا اولین مصداق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں)

(۳) بلا استثناء تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل، مؤمن کامل اور جنتی ہیں، اللہ اُن سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، اُن سے محبت رکھنا اِیمان کی ایک اہم علامت ہے۔ اور اُن سے بغض رکھنا کفار ومنافقین کا طریقہ ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ﴾ [التوبة، جزء آیت: ١٠٠] (اللہ ان سے راضی ہیں اور وہ اللہ سے راضی ہیں)

﴿وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَھَاجَرُوۡا وَجَاھَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَالَّذِیۡنَ اٰوَوۡا وَنَصَرُوۡا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا، لَھُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّرِزۡقٌ کَرِیۡمٌ﴾ [الانفال: ٧٤] (جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا، اور جنہوں نے مہاجرین کو پناہ دی اور اُن کی مدد کی، وہی سچے مؤمن ہیں، اُن کے لئے مغفرت ہے اور عزت والی روزی ہے)

﴿وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الۡحُسۡنٰی﴾ [الحدید، جزء آیت: ١٠] (اور سب (صحابہ) سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے)

﴿یَوۡمَ لَا یُخۡزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ نُوۡرُھُمۡ یَسۡعٰی بَیۡنَ اَیۡدِیۡھِمۡ وَبِاَیۡمَانِھِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ﴾ [التحریم: ٨] (اللہ تعالیٰ قیامت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں فرمائیں گے، اُن کا نور اُن کے سامنے اور دائیں دوڑ رہا ہوگا، اور وہ یہ کہہ رہے ہوں گے کہ اے ہمارے رب! ہمارا نور ہمارے لئے کامل کر دیجئے اور ہمیں بخش دیجئے، بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں)

والصحابة كلهم عدول مطلقًا لظواهر الكتاب والسنة وإجماع من يعتد به. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ٥١٧/٥، مقدمة التحقيق: الإصابة في تمييز الصحابة ١٧ دار الكتب العلمية بيروت) (اور کتاب وسنت اور اِجماعِ اُمت کی ظاہری دلیلوں کی بنیاد پر سب کے سب صحابہ مطلقاً معتبر اور عادل ہیں)

وليس في الصحابة من يكذب وغير ثقةٍ. (عمدة القاري ١٠٥/٢) (صحابہ میں سے کوئی شخص بھی نہ تو جھوٹا ہے اور نہ غیر معتبر ہے)

(۴) تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (بشمول سیدنا حضرت امیر معاویہؓ) معیارِ حق اور ہر قسم کی تنقید سے بالاتر ہیں، اُن کے درمیان جو اختلافات پیش آئے، وہ اجتہاد پر مبنی تھے، ذاتی اغراض پر

مبنی نہ تھے؛ لہٰذا اگر اُن میں سے کسی سے اجتہادی خطا ہوئی ہو تو بعد میں اُن پر کسی کے لئے طعن و تشنیع کی گنجائش نہیں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

لا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلا نَصِيفَهُ. (صحيح البخاري رقم: ٣٦٧٣، صحيح مسلم رقم: ٢٥٤٠، سنن أبي داؤد رقم: ٤٦٥٨) (میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو؛ اِس لئے کہ تم میں سے کوئی شخص اگر احد پہاڑ کے برابر سونا بھی (اللہ کے راستے میں) خرچ کرے، تو وہ اُن صحابہ کے ایک مٹھی یا آدھا مٹھی کے (ثواب کے) برابر بھی نہ پہنچ پائے گا)

نیز پیغمبر علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا:

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِي أَصْحَابِي، لا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِي، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِي، وَمَنْ اٰذَانِي فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ، وَمَنْ اٰذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ اللّٰهُ أَنْ يَأْخُذَهُ. (سنن الترمذي / أبواب المناقب ٢/٢٢٥ رقم: ٣٨٦٢، صحيح ابن حبان رقم: ٧٢٥٦، وأخرجه أحمد رقم: ١٦٧٤٧-٢٠٤٢٨ بسند حسن / تحقيق: حمزه أحمد الزين، دار الحديث القاهرة) (یعنی میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، میرے بعد اُن کو نشانہ مت بنانا؛ کیوں کہ اُن سے جو بھی محبت کرتا ہے، وہ میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت کرتا ہے، اور اُن سے جو بغض رکھتا ہے وہ دراَصل مجھ سے بغض کی وجہ سے اُن سے بغض رکھتا ہے، اور جو اُنہیں اذیت پہنچائے اُس نے مجھے تکلیف پہنچائی، اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اُس نے اللہ کو اَذیت دی، اور جو اللہ کو اَذیت دے گا تو عنقریب اللہ تعالیٰ اُس کی گرفت فرمائیں گے)

الصحابة كلهم عدول من لابس الفتن وغيرهم بإجماع من يُعتدّ به. (تدريب الراوي في شرح تقريب النووي للسيوطي ٢/٦٧٥) (تمام صحابہ باجماعِ اُمت ثقہ اور عادل ہیں، خواہ وہ فتنوں میں مبتلا ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں)

اور خاص طور پر علماء اہل سنت نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان پیش آمدہ

واقعات کی بنیاد پر اُن میں سے کسی کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ اور بعد کے لوگوں کو اُن کے متعلق تبصرہ بازی سے بچنے کی تاکید کی ہے۔

مشہور شارحِ حدیث حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وأما كف الألسنة عن الطعن فيهم فإن كلا منهم مجتهدٌ وإن كان علي رضي اللّٰه عنه مصيبًا فلا يجوز الطعن فيهما، والأسلم للمؤمنين أن لا يخوضوا في أمرهما. (مرقاة المفاتيح، كتاب الفتن / الفصل الثاني ۳۲/۱۰ تحت رقم: ۵۴۰۱) (اور رہ گئی بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں طعن و تشنیع سے زبان محفوظ رکھنے کی، تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سب مجتہد تھے؛ اگرچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے اجتہاد میں صائب تھے؛ لیکن دونوں (سیدنا حضرت علی اور سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما) کے بارے میں طعن و تشنیع جائز نہیں ہے، اور مؤمنین کے لئے سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ اُن دونوں کے معاملے میں نہ پڑیں)

اور عقائد کی مشہور کتاب ''شرح عقائد نسفی'' میں تحریر ہے:

فسبّهم والطعن فيهم إن كان ممن يخالف الأدلة القطعية فكفر، كقذف عائشة وإلا فبدعة وفسق، وبالجملة لم ينقل عن السلف المجتهدين والعلماء الصالحين جواز اللعن علىٰ معاوية. (شرح العقائد النسفية ۱۶۱-۱۶۲) (اور صحابہ کو برا بھلا کہنا اور طعن و تشنیع کرنا، پس اگر وہ قطعی دلائل کی مخالفت پر مبنی ہو تو وہ کفر ہے، جیسا کہ اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانا، ورنہ (اگر قطعی دلائل کے خلاف نہ ہو تب بھی) بدعت اور گناہ ہے۔ اور خلاصہ یہ کہ سلف مجتہدین اور علماء صالحین سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کی اِجازت منقول نہیں ہے)

اور مشہور مصنف وفقیہ علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ومما يوجب أيضًا الإمساك عما شجر أي وقع بينهم من الاختلاف والإضطراب صفحًا عن إخبار المؤرخين، سيما جهلة الرافضة وضلال الشيعة والمبتدعين القادحين في أحد منهم، فقد قال صلى اللّٰه عليه وسلم: "إِذَا ذُكِرَ

أَصُحَابِيُ فَأَمُسِكُوُا''. (الصواعق المحرقة للعلامة ابن حجر الهيثمي ٣٢٤) (اور من جملہ واجبات میں سے یہ ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان جو اختلافات اور اضطرابات پیش آئے، اُن کے بارے میں مؤرخین کی روایتوں سے صرف نظر کرتے ہوئے کف لسان کیا جائے۔ خاص طور پر جاہل رافضی، گمراہ شیعہ اور صحابہ میں سے کسی کے بارے میں الزام تراشی کرنے والے بدعتی لوگوں کی روایتوں سے احتراز کیا جائے؛ کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ ''جب میرے صحابہ کا (برائی سے) ذکر ہو تو تم رک جاؤ'')

(۵) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بالاتفاق سب سے افضل مرتبہ خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اُس کے بعد خلیفہ ثانی امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، پھر خلیفہ ثالث امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، اور اُس کے بعد خلیفہ رابع امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا درجہ ہے۔

بعد اَزاں عشرۂ مبشرہ میں سے مابقیہ ۶؍ حضرات دیگر تمام صحابہ سے افضل ہیں، جن کے نام یہ ہیں: سیدنا حضرت طلحہ بن عبید اللہ، سیدنا حضرت زبیر بن العوام، سیدنا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، سیدنا حضرت سعد بن ابی وقاص، سیدنا حضرت سعید بن زید، اور سیدنا حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہم ......الخ۔ (شرح فقہ اکبر ۱۲۰)

اِمام اَعظم حضرت اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

علامة أهل السنة أن تُفضّل الشيخين، وتحبَّ الختنين، وترى المسح على الخفين. (البحر الرائق / باب المسح على الخفين ١٧٣/١ كوئٹه) (اہل سنت کی علامت یہ ہے کہ آپ شیخین عظام (سیدنا حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کی فضیلت کے قائل ہوں، اور دونوں دامادوں (سیدنا حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھیں، اور مسح علی الخفین کو جائز قرار دیں)

(۶) حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے طریقوں پر مضبوطی سے قائم رہنا اور اُن کی سنتوں پر عمل کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

فَمَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرىٰ اِخْتِلافًا كَثِيْرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ. (سنن أبي داؤد ۲۹۰/۲) (جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، تو تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر مضبوطی سے قائم رہنا)

(۷) خلیفہ خامس امیر المؤمنین سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دعویٔ خلافت سے دست برداری اور صلح کے بعد سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالاتفاق اِسلامی سلطنت کے برحق حکمراں قرار پائے، اور اُنہوں نے حسن وخوبی کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں انجام دیں، اور اُن کے دور میں اُمت میں اجتماعیت برقرار رہی، اور عظیم اِسلامی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے:

أَوَّلُ هٰذَا الْأَمْرِ نُبُوَّةٌ وَرَحْمَةٌ، ثُمَّ يَكُوْنُ خِلَافَةٌ وَرَحْمَةٌ، ثُمَّ يَكُوْنُ أَمَارَةٌ وَرَحْمَةٌ، ثُمَّ يَتَكَادَمُوْنَ عَلَيْهِ تَكَادُمَ الْحُمُرِ. (رواه الطبراني في المعجم الكبير رقم: ۱۱۱۳۸، مجمع الزوائد للهيثمي ۱۹۳/۵ رجاله ثقات) (اُمت کا ابتدائی معاملہ نبوت اور رحمت پر مشتمل ہے، بعد اَزاں رحمت آمیز خلافت ہوگی، اور اُس کے بعد رحمت والی امارت ہوگی۔ بعد ازاں لوگ حکومت کے لئے گدھوں کی طرح ایک دوسرے کو کاٹ کھانے دوڑیں گے)

اور سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اِرشاد فرمایا کہ:

للّٰه درُّ ابن هند (معاوية بن أبي سفيانؓ) وَلِيَنا عشرين سنةً فما آذانا على ظهر منبر ولا بساطٍ صيانةً منه لعرضه وأعراضنا، ولقد كان يُحسن صلتنا ويقضي حوائجنا. (كتاب جمل من أنساب الأشراف للبلاذري ۹۱/۵ دار الفكر بيروت، ومثله في بدر الليالي شرح بدء الأمالي / للشيخ المفتى رضاء الحق ۹۹/۲ إدارة الصديق ڈابھيل) (اللہ ہی کے لئے ہے ابن ہند (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کی خوبی، وہ ہمارے اوپر ۲۰؍سال حاکم رہے، پس اُنہوں نے نہ تو منبر پر بیٹھ کر ہمیں تکلیف پہنچائی اور نہ بستر پر بیٹھ کر، جس سے اُن کی عزت بھی محفوظ

رہی اور ہماری بھی، وہ ہمارے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے اور ہماری ضرورتیں پوری کرتے تھے)

وأول ملوك المسلمين معاوية رضي الله عنه، وهو خير ملوك المسلمين؛ لكنه إنما صار إمامًا حقًا لما فوّض إليه الحسن ابن علي رضي الله عنهما الخلافة. (شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز الدمشقي ص: ٣٩٦ مؤسسة المختار القاهرة)

(اور مسلم بادشاہوں میں سب سے پہلا نام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہے، وہ مسلمانوں کے بہترین بادشاہ تھے؛ تاہم وہ اُس وقت اِمام برحق بنے جب سیدنا حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے اُن کو خلافت سونپ دی)

وبعد نزول الحسن لمعاوية اجتمع الناس عليه، وسمي ذلك العام "عام الجماعة" ثم لم ينازعه أحدٌ من أنه الخليفة الحق من يومئذٍ. (تطهير الجنان واللسان / لابن حجر الهيثمي ص: ٢٢) (اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری کے بعد سب لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر متفق ہوگئے، اور اِس سال کو "عام الجماعۃ" یعنی اتحاد کا سال قرار دیا گیا، اور اُس کے بعد کسی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جھگڑا نہیں کیا؛ کیوں کہ اُس وقت سے آپ حاکم برحق بن گئے تھے)

اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن

(۸) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اَزواجِ مطہرات دنیا کی افضل ترین خواتین ہیں، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُنہیں ہر قسم کی ظاہری اور باطنی گندگی سے پاک قرار دیا ہے۔

اِرشادِ خداوندی ہے:

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾

[الاحزاب، جزء آیت: ۳۳] (اے اہل بیت! بے شک اللہ تعالیٰ تم سے گندگی کو دور کرنے اور تمہیں اچھی طرح پاک وصاف کرنے کا اِرادہ فرماتے ہیں)

(۹) اَزواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے کسی بھی زوجہ (بشمول اُم المؤمنین

سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) کے بارے میں بہتان تراشی اور طعن وتشنیع کرنے والے دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت اور بڑے عذاب کے مستحق ہیں۔

اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ [النور: ۲۳] (بے شک جو لوگ پاک باز، بھولی بھالی مؤمن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، وہ دنیا اور آخرت میں لعنت کے مستحق ہیں، اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہے)

﴿وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ﴾ [النور، جزء آیت: ۲۶] (اور صاف ستھری عورتیں صاف ستھرے مردوں کے لئے ہیں، اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے ہیں، اور یہ لوگ اُن الزامات سے بری ہیں جو (شری لوگ) اُن کے بارے میں کہتے ہیں، اُن (پاکیزہ لوگوں) کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے)

اہلِ بیت کرام رضی اللہ عنہم

(۱۰) پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل بیت سے مراد آپ کی تمام اَزواجِ مطہرات ؓ نیز تینوں صاحب زادے (سیدنا حضرت قاسم، سیدنا حضرت عبداللہ اور سیدنا حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہم) اور چاروں بناتِ طیبات (سیدتنا حضرت زینب، سیدتنا حضرت رقیہ، سیدتنا حضرت اُم کلثوم، سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہن) بشمول سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ وحضرات حسنین رضی اللہ عنہما ہیں، اور سب قابل تکریم ہیں۔

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا﴾ [الاحزاب، جزء آیت: ۳۳] (اے اہل بیت! بے شک اللہ تعالیٰ تم سے گندگی کو دور کرنے اور تمہیں اچھی طرح پاک وصاف کرنے کا اِرادہ فرماتے ہیں)

اِس آیت مبارکہ میں ''اہل بیت'' کے ضمن میں اَزواجِ مطہرات تو داخل ہیں ہی؛ ساتھ

میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریبی اعزاء بھی شامل ہیں۔ چناں چہ ایک روایت میں ہے کہ جب مذکورہ آیت نازل ہوئی، تو آپ اُم المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے، تو پیغمبر علیہ السلام نے حضرت سیدہ فاطمہ اور حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہم کو بلوایا، اور اُن سب کو اپنی چادر کے اندر لے لیا، اور سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کے پیچھے تھے، اُن کو بھی چادر میں شامل فرمالیا، اور پھر یہ دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي فَأَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا. (اے اللہ! یہ سب میرے اہل بیت ہیں، پس آپ اُن سے ہر طرح کی گندگی کو دور فرمادیجئے، اور اُنہیں اچھی طرح پاک اور صاف فرمادیجئے) تو یہ سن کر حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ میں بھی اُن کے ساتھ شامل ہوں، تو پیغمبر علیہ السلام نے اُن سے فرمایا: ''**أَنْتِ عَلٰى مَكَانِكِ وَأَنْتِ عَلٰى خَيْرٍ**''. (سنن الترمذي / تفسير سورة الاحزاب ۱۵۶/۲ رقم: ۳۲۰۵) (تم تو اپنی جگہ پر ہو (یعنی پہلے ہی سے اہل بیت میں شامل ہو) اور تم خیر پر ہو) (مستفاد: تحفۃ الاحوذی بشرح جامع الترمذی/ ابواب التفسیر)

اِسی بات کی تائید مسلم شریف کی ایک روایت سے ہوتی ہے، جس میں یہ ہے کہ حصین ابن سبرہؒ نے صحابیِ رسول سیدنا حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ: ''حضرت یہ بتائیے کہ حضور کے اہل بیت کون ہیں؟ اور کیا اَزواجِ مطہرات اہل بیت میں شامل نہیں ہیں؟'' تو حضرت زیدؓ نے جواب دیا کہ ''اَزواجِ مطہرات بھی اہل بیت میں ہیں؛ لیکن (اِس حدیث میں) اہل بیت سے مراد حضور کے خاندان کے وہ لوگ ہیں، جن کے لئے زکوٰۃ لینا حرام قرار دیا گیا ہے...... الخ''۔ (مسلم شریف/ کتاب فضائل الصحابۃ ۲۷۹/۲ حدیث: ۲۴۰۸)

اِس کی شرح فرماتے ہوئے حضرت اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ''گھر میں ساتھ رہنے کے اعتبار سے اَزواجِ مطہرات اہل بیت میں داخل ہیں، جن کا احترام ہر مسلمان پر لازم ہے؛ البتہ زکوٰۃ کی حرمت کے معاملے میں اَزواجِ مطہرات کا حکم حضور کے دیگر نسبی قرابت رکھنے والے اہل بیت سے مختلف ہے''۔ (مستفاد: شرح النووی علی مسلم ۲۸۰/۲ تحت رقم: ۲۴۰۸، تحفۃ الاحوذی بشرح جامع الترمذی تحت رقم: ۳۲۰۵)

(۱۱) سبھی اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھنا اور اُن کے ساتھ عقیدت واحترام کا معاملہ کرنا اِیمان کا ایک اہم تقاضا ہے۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِس کی بہت تاکید فرمائی ہے، اور اہل بیت رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنا، یا اُن کی شان میں بے اَدبی اور گستاخی کرنا سراسر گمراہی اور نفاق کی علامت ہے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حجۃ الوداع سے واپسی میں ’’غدیرخم‘‘ کے مقام پر خطاب کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

وَأَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ: أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ، فِيهِ الْهُدىٰ وَالنُّورُ، فَخُذُوْا بِكِتَابِ اللّٰهِ، وَاسْتَمْسِكُوْا بِهِ، فَحَثَّ عَلىٰ كِتَابِ اللّٰهِ وَرَغَّبَ فِيْهِ. ثُمَّ قَالَ: وَأَهْلُ بَيْتِيْ، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ ...... الخ. (صحيح مسلم، فضائل الصحابة / باب فضائل علي بن أبي طالب رضي الله عنه ۲۷۹/۲ رقم: ۶۱۸۱) (اور میں تمہاری درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، اُن میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے، جس میں ہدایت اور روشنی ہے؛ لہٰذا اللہ کی کتاب کو لے کر مضبوطی سے پکڑو؛ پس آپ نے کتاب اللہ پر ثابت قدم رہنے کی بہت ترغیب دی، پھر اِرشاد فرمایا کہ: ’’اور میرے اہل بیت (کو چھوڑ کر جارہا ہوں) میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں اللہ کو یاد دلاتا ہوں، یہ جملہ آپ نے تین مرتبہ اِرشاد فرمایا (یعنی اللہ کو حاضر وناظر جان کر اُن کی قدردانی کرنا)

اِس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو عظیم الشان چیزوں کا تذکرہ فرمایا: (۱) کتاب اللہ (۲) اہل بیت۔ پس کتاب اللہ کو تو مضبوطی سے پکڑے رہنے کی تاکید فرمائی، جب کہ اہل بیت کے بارے میں قدردانی، فضیلت اور اُن کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا۔

(تکملۃ فتح الملہم، فضائل الصحابۃ/ باب فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ۱۱۰/۵ تحت رقم: ۶۱۸۱ کراچی)

نیز نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اِرشاد ہے:

أَحِبُّوْا اللّٰهَ بِمَا يَغْذُوْكُمْ مِنْ نِعَمِهٖ وَأَحِبُّوْنِيْ بِحُبِّ اللّٰهِ، وَأَحِبُّوْا أَهْلَ بَيْتِيْ

بِحُبِّي. (سنن الترمذي / أبواب المناقب ۱۹۹/۲) (اللہ سے محبت رکھو اُن نعمتوں کی وجہ سے جو اُس نے تمھیں عطا فرمائی ہیں، اور مجھ سے محبت رکھو اللہ سے محبت کی وجہ سے، اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت رکھو)

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ خود روایت فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ: "لاَ یُحِبُّکَ إِلاَّ مُؤْمِنٌ، وَلاَ یُبْغِضُکَ إِلاَّ مُنَافِقٌ". (سنن الترمذي رقم: ۳۷۳۶) (یعنی علی! تم سے صرف اِیمان والا شخص ہی محبت رکھے گا، اور منافق آدمی ہی تم سے بغض رکھے گا)

اور ایک موقع پر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں فرمایا:

فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي، فَمَنْ أَغْضَبَهَا فَقَدْ أَغْضَبَنِي. (صحیح البخاري ۵۳۲/۱) (فاطمہ میرے بدن کا ٹکڑا ہیں، جس نے اُنہیں غصہ دلایا اُس نے مجھے ناراض کیا)

اور خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدتنا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَقَرَابَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِي. (صحیح البخاري رقم: ۳۷۱۲) (اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قرابت والوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا مجھے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کے مقابلے میں زیادہ پسند ہے)

خلاصۂ کلام

درج بالا اِشارات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف یہ ہے کہ بلا کسی اِمتیاز کے تمام ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حسن ظن رکھا جائے، اور کسی بھی صحابی کے بارے میں گستاخی اور بے اَدبی سے پوری طرح پرہیز کیا جائے، اور جو لوگ نعوذ باللہ صحابہ کرام یا اہل بیت رضی اللہ عنہم کی شان میں بدزبانی کرتے ہیں، یا اُن کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے ہیں، اُن سے پوری طرح برأت ظاہر کی جائے۔ یہی اَکابر علماء اہل السنۃ والجماعۃ کا متفقہ موقف اور

نظریہ ہے، جسے ہرگز نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔(مستفاد: عقائد اہل السنۃ والجماعۃ ۱۷۷-۱۸۸ فرید بک ڈپو دہلی)

چناں چہ اسلامی عقائد کے بارے میں مشہور اور مستند کتاب ''العقیدۃ الطحاویہ'' میں صاف الفاظ میں تحریر ہے:

ونُحب أصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وعلیٰ آله وسلم ولا نفرط في حب أحد منهم، ولا نتبرأ من أحد منهم، ونُبغض من يُبغضهم، وبغير الخير يذكرهم، ولا نذكرهم إلا بخيرٍ، وحبهم دينٌ وإيمان وإحسانٌ، وبغضهم كفر ونفاق وطغيانٌ. (العقيدة الطحاوية مع شرح القاضي علي ابن أبي العز الدمشقي ص: ۳۸۲ مؤسسة المختار القاهرة) (یعنی ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سبھی صحابہ سے محبت کرتے ہیں، نہ تو اُن میں سے کسی کی محبت میں حد سے آگے بڑھتے ہیں اور نہ کسی سے برأت ظاہر کرتے ہیں۔ اور جو لوگ بھی صحابہ سے بغض رکھیں یا اچھائی کے بغیر اُن کا ذکر کریں، تو ہم ایسے لوگوں سے بغض رکھتے ہیں، اور ہم صحابہ کا صرف اچھائی کے ساتھ ہی ذکر کرتے ہیں۔ صحابہ سے محبت رکھنا دین، ایمان اور احسان ہے۔ اور اُن سے بغض رکھنا کفر، نفاق اور سرکشی ہے)

اور مشہور شارحِ حدیث علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

واتفق أهل السنة علیٰ وجوب منع الطعن علیٰ أحد من الصحابة بسبب ما وقع لهم من ذلک، ولو عرف المحق منهم؛ لأنهم لم يقاتلوا في تلک الحروب إلا عن اجتهاد، وقد عفا اللّٰه تعالیٰ عن المخطئ في الاجتهاد؛ بل ثبت أنه يؤجر أجرًا واحدًا، وأن المصيب يوجر أجرين. (فتح الباري لابن حجر / كتاب الفتن ۴۲/۱۶ رقم: ۷۰۸۳ بيروت) (اہل سنت کا صحابہ کے درمیان پیش آمدہ واقعات کی بنیاد پر اُنہیں طعن وتشنیع نہ کرنے کے واجب ہونے پر اتفاق ہے؛ اگرچہ اُن میں سے کسی کے حق پر رہنے کا علم بھی ہوجائے؛ اِس لئے کہ اُنہوں نے اُن جنگوں میں صرف اجتہاد کی بنیاد پر قتال کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے اجتہاد میں غلطی کرنے والے سے درگذر فرمایا ہے؛ بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ اُسے اکہرا اجر ملے گا، اور صحیح

اجتہاد کرنے والے کو دوہرا اَجر ملے گا۔

اور مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ’’اور جو کچھ اُن (صحابہؓ) کے درمیان لڑائی جھگڑے واقع ہوئے ہیں؛ سب بہتر حکمتوں اور نیک گمانوں پر محمول ہیں، وہ حرص و ہویٰ اور جہالت سے نہ تھے؛ بلکہ وہ اجتہاد اور علم کی رُو سے تھے۔ اور اگر اُن میں سے کسی نے اجتہاد میں خطا کی ہے، تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک خطا کار کے لئے بھی ایک درجہ ہے، اور یہی افراط وتفریط کے درمیان سیدھا راستہ ہے، جس کو اہل السنۃ والجماعۃ نے اختیار کیا ہے‘‘۔ (مکتوباتِ امام ربانی ۱/۱۳۴ المکتوب: ۵۹، بحوالہ: بدر اللیالی ۲/۱۴۵ اِدارۃ الصدیق ڈابھیل گجرات)

اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ’’صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں جو آیات وارد ہیں؛ وہ قطعی ہیں۔ اور جو احادیث صحیحہ اُن کے متعلق وارد ہیں، وہ اگر چہ ظنی ہیں؛ مگر اُن کی اسانید اِس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات اُن کے سامنے ہیچ ہیں؛ اِس لئے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات واحادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا، تو تاریخ کو غلط کہنا ضروری ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں صحاح میں خصوصی متعدد روایات موجود ہیں، مثلاً: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا فرمانا: ’’**اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا**‘‘. (سنن الترمذي ۲/۲۲۵) (اے اللہ! تو معاویہ کو ہدایت یاب اور ہادی بنادے) اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا اُن کے تفقہ کا اقرار کرنا وغیرہ۔ اِس لئے اگر تاریخ کوئی واقعہ اِن روایات کے خلاف پیش کرے گی، تو تاریخ کی تغلیط ضروری ہوگی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگر چہ معصوم نہیں ہیں؛ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے اُن کی روحانی اور قلبی اِس قدر اِصلاح ہوگئی ہے، اور اُن کی نسبت باطنیہ اِس قدر قوی ہوگئی ہے کہ مابعد کے اولیاء اللہ سالہا سال کی ریاضتوں سے بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اِجماعِ اُمت ہر ہر صحابہ کی اَفضلیت کا بعد والوں پر ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اِمام شافعی رحمۃ

اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ ''عمر بن عبدالعزیز افضل ہیں یا معاویہ (رضی اللہ عنہما)؟'' تو فرمایا کہ:

''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اُس گھوڑے کی نتھنوں کی خاک جس پر سوار ہوکر اُنہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا ہے، عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے افضل ہے''۔

(مکتوبات شیخ الاسلام ۱/۲۳۲، فتاویٰ شیخ الاسلام ۱۵۷، ومثلہ فی: الصواعق المحرقۃ ۳۲۱ عن عبداللہ بن المبارک)

اِس لئے تمام اہل اِیمان بالخصوص خانوادۂ سادات اور اہل بیت نبوت سے نسبی تعلق رکھنے والے حضرات کا یہ فرض ہے کہ وہ کسی بھی صحابی کے بارے میں ہرگز بدگمانی نہ رکھیں۔ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق کسی منفی اور گمراہ کن تبصرے سے متأثر ہوکر اپنی عاقبت خراب نہ کریں؛ بلکہ اُن کے بارے میں اپنے علماء اہل سنت کے بیان کردہ معتدل موقف پر پوری مضبوطی سے قائم رہیں۔

﴿رَبَّنَا لاَ تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً، اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ [آل عمران: ۸] (اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت سے نوازنے کے بعد ہمارے دلوں کو زیغ (کجی) میں مبتلا مت فرمایئے، اور ہمیں اپنی طرف سے خاص رحمت سے سرفراز فرمایئے، بے شک آپ بہت عطا فرمانے والے ہیں) آمین یارب العالمین۔ فقط واللہ ولي التوفیق

کتبہ وجمعہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

۱۴۴۲/۲/۱۵ھ مطابق ۲۰۲۰/۱۰/۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب الوعظ والتذكير

سلسلۂ اِشاعت: (۴۵)

راہِ حق پر اِستقامت

از:

اَمیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ
معاون مہتمم واُستاذ حدیث دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند

مرتب:

محمد سلمان منصور پوری

مدرسہ شاہی مرادآباد

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

نحمده ونصلي علىٰ رسولهٖ الكريم، أمابعد!

زیرِنظر مضمون لکھنے کا محرک یہ ہے کہ گذشتہ سال (۱۴۴۲ھ مطابق ۲۰۲۰ء) جب ہمارے خانوادۂ سادات منصور پور کے ایک معروف عالم دین کی طرف سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کا دور شروع ہوا، اور اُس میں پورے خاندان کو شامل کرنے کی کوشش کی گئی، تو حضرت والد ماجد مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دفاع میں ''بلاخوف لومۃ لائم'' سینہ سپر ہوگئے، اور اپنی حد تک اِس فتنے کو مٹانے کی پوری کوشش فرمائی۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

اِسی دوران خاندان کے کچھ لوگوں کی زبان پر یہ بات آئی کہ ''حضرت قاری صاحبؒ نے خاندان میں تفرقہ ڈال دیا'' جب یہ بات حضرتؒ کو معلوم ہوئی تو آپ نے باقاعدہ منصور پور کا سفر فرمایا اور سبھی چھوٹے بڑے ذمہ دار اَفراد کو جمع کر کے کئی گھنٹے تک اُن کو سمجھایا کہ ''صحابہؓ کا دفاع کرنا تفرقہ نہیں ہے، تفرقہ یہ ہے کہ جن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالت وثقاہت پر تمام اہل حق متفق ہیں، اُن کے بارے میں بکواس کرنے کی جسارت کی جائے اور اُن کی طرف سے اُمت کو بدظن کرنے کی کوشش کی جائے؛ یہی اصل میں تفرقہ کا سبب ہے، جس کو ہم دور کرنے کے لئے کوشاں ہیں''۔

اُس کے بعد آپ نے احقر کو حکم دیا کہ ایک ایسا مضمون لکھا جائے کہ جس میں حق پر اِستقامت کی اہمیت اُجاگر کی جائے، اور ساتھ میں یہ بھی بتایا جائے کہ اہل باطل سے برأت کا اظہار کرنا اور اُن کے غلط افکار کی تردید کرنا یہ بھی دین کا اہم حصہ ہے، وغیرہ۔

چناں چہ احقر نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے زیرِ نظر مضمون ''راہِ حق پر اِستقامت ضروری ہے'' کے عنوان سے مرتب کر کے حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا، حضرت والاؒ نے اُس کو ملاحظہ فرمایا اور اُس کے بعض اجزاء کو الگ سے شائع بھی کیا، بعد میں ماہنامہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد میں دو قسطوں میں اُس کی اِشاعت بھی ہوئی، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

اِس مضمون میں جو باتیں جمع کی گئی ہیں، وہ اِس قابل ہیں کہ اُنہیں بار بار پڑھا جائے، اور اُن کا مذاکرہ کیا جائے؛ تاکہ حق اور ناحق میں امتیاز کا جذبہ اُمت میں باقی رہے۔

اِسی مقصد سے یہ مضمون ''کتاب الوعظ والتذکیر'' کا حصہ بنا کر شائع کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازیں، اور ہم سب کو تازندگی حق پر اِستقامت نصیب فرمائیں، آمین۔

فقط واللہ الموفق

احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

۲۳/۴/۱۴۴۳ھ مطابق ۲۹/۱۱/۲۰۲۱ء

❑❖❑

راہِ حق پر اِستقامت

نحمده ونصلي علىٰ رسولهٖ الكريم، أما بعد!

اِسلام وہ مذہب ہے جو اِن شاء اللہ قیامت تک اپنی شکل وصورت میں باقی رہے گا، اور درمیان میں اگرچہ اُس کی صورت بگاڑنے اور اُس میں عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے تبدیلیاں لانے کی بہت کوششیں کی جائیں گی؛ لیکن یہ کوششیں کامیاب نہ ہوں گی۔ اور علماء حق کی ایسی جماعت ہر زمانے میں موجود رہے گی، جو دین کو ہر قسم کی تحریفات سے محفوظ رکھنے میں اپنا کردار اَدا کرے گی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ، حَتّٰى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلىٰ ذٰلِكَ. (صحيح البخاري / كتاب المناقب رقم: ٣٦٤١ عن معاويةؓ، صحيح مسلم، كتاب الإمارة / باب قولهؐ: لا تزال طائفة من أمتي ظهرين على الحق الخ رقم: ١٩٢٠)

میری اُمت میں ایک جماعت اللہ کے دین پر قائم رہے گی، جن کو ذلیل کرنے والے اور مخالفت کرنے والے کچھ نقصان نہ پہنچا پائیں گے؛ یہاں تک کہ اللہ کا حکم (قیامت) آجائے، اور وہ اُسی حال پر برقرار ہوں۔

اِس حدیث کے متعلق حضرت اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”**وفي هذا الحديث معجزة ظاهرة فإن هذا الوصف ما زال بحمد اللّٰه تعالىٰ من زمن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إلى الآن، ولا يزال حتى يأتي أمر اللّٰه المذكور في الحديث، وفيه دليل لكون الإجماع حجة، وهو أصح ما استدل به له من الحديث**“. (شرح النووي على مسلم، كتاب الإمارة / باب قولهؐ: لا تزال طائفة من أمتي ظهرين على الحق الخ رقم: ١٩٢٠)

(یعنی اِس حدیث میں ایک کھلا ہوا معجزہ ہے، اِس لئے کہ یہ صفت الحمدللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے اَب تک برابر پائی جارہی ہے، اور جب تک اللہ کو منظور ہے؛ پائی جاتی رہے گی، اور اِس حدیث میں اجماع کے حجت ہونے کی دلیل بھی موجود ہے؛ بلکہ حدیث سے اِجماع کی حجیت کی یہ سب سے صحیح دلیل ہے)

حق نوازی

اورحق کے اِظہاراور باطل کی تردید کے لئے نہ تو کسی طعنہ دینے والے کی برائی کی پروا کی جائے گی، اور نہ ہی خاندانی قرابت کا لحاظ رکھا جائے گا۔ سچا مؤمن وہی ہے جو دین میں کسی بھی سطح پر مداہنت برداشت نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا، رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ، اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (المجادلة: ٢٢)

آپ نہیں پائیں گے کسی قوم کو جو اللہ پر اور آخرت پر یقین رکھتے ہوں کہ وہ دوستی کریں ایسے لوگوں سے جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے مخالف ہوں؛ اگرچہ وہ اُن کے باپ ہوں یا اپنے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے خاندان والے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے اِیمان لکھ دیا ہے، اور اُن کو اپنے غیبی فیض سے قوت عطا فرمائی ہے، اور اللہ تعالیٰ اُنہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ اُن سے راضی ہیں اور وہ اللہ سے خوش ہیں، یہی لوگ اللہ کا لشکر ہیں، اور سن لو! اللہ کے لشکر والے ہی کامیاب اور بامراد ہیں۔

بلاشبہ یہ آیت مبارکہ اہل حق کے لئے ایک خصوصی منشور کی حیثیت رکھتی ہے۔

اختلاف وتفریق اہل باطل کا شعار ہے

واضح رہنا چاہئے کہ دین میں اختلاف اور تفریق کی ابتداء کبھی اہل حق کی طرف سے نہیں ہوتی؛ بلکہ اختلاف اُسی وقت رونما ہوتا ہے جب واضح رہنمائی کے مقابلے میں ذاتی رائے پیش کی جاتی ہے۔ جیسا کہ اِرشاد ربانی ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآئَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. (البقرۃ: ۲۱۳)

سب لوگ ایک ہی دین پر تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے خوش خبری اور ڈر سنانے والے اَنبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے، اور اُن کے ساتھ سچی کتاب نازل فرمائی؛ تاکہ وہ لوگوں کے درمیان اختلافی باتوں میں فیصلہ کرے، اور اِس کتاب میں صاف حکم آنے کے باوجود محض آپس کی ضد کی بنیاد پر اُنہیں لوگوں نے مختلف راہ اپنائی، جنہیں وہ کتاب دی گئی تھی (یعنی یہود ونصاریٰ) پھر اللہ تعالیٰ نے اِیمان والوں کو اپنے حکم سے اُس سچی بات کی ہدایت کی، جس میں وہ جھگڑ رہے تھے، اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں سیدھے راستے کی رہنمائی فرماتے ہیں۔

اِس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے پیغمبروں اور کتابوں کے ذریعہ جو رہنمائی کی گئی، وہ تو فی الجملہ ایک ہی تھی؛ لیکن بعد میں آنے والوں نے اُس میں اختلاف ڈال کر بگاڑ پیدا کردیا۔

غلط روی سے بیزاری ایمان کی علامت ہے

غلط روی خواہ فکری ہو یا عملی اُس سے بے زاری ضروری ہے، ورنہ حق اور ناحق میں امتیاز

باقی نہیں رہ سکتا، یہی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ ہے۔ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرتے ہوئے قرآنِ کریم میں فرمایا گیا:

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ. اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ. (الزخرف: ٢٦-٢٧)	اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا کہ میں اُن چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم پوجا کرتے ہو، مگر جس نے مجھے پیدا کیا، سو وہی مجھے سیدھی راہ دکھائے گا۔

نیز سورۂ ممتحنہ میں مزید وضاحت کے ساتھ اِرشاد فرمایا گیا:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ ...... الآية. (الممتحنة، جزء آيت: ٤)	تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں (کے کردار) میں بہترین نمونہ موجود ہے کہ اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، اُن سے الگ ہیں۔ اور ہم تمہارے طریقے کے منکر ہیں، اور ہمارے تمہارے درمیان اُس وقت تک ہمیشہ کی دشمنی اور بغض قائم ہو چکا ہے، جب تک کہ تم صرف ایک اللہ پر اِیمان ویقین لاؤ۔

اور سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اِیمان کی اہم صفات بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ وَطَعْمَهٗ: أَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ فِي اللّٰهِ وَأَنْ يُبْغِضَ فِي اللّٰهِ، وَأَنْ	جس شخص میں تین باتیں پائی جائیں وہ اُن کی بنا پر اِیمان کی مٹھاس اور اُس کا ذائقہ محسوس کرے گا: (۱) اُس کی نظر میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی سب سے زیادہ محبوب ہو (۲) وہ اللہ ہی کے لئے (نیک لوگوں

تُوقَدَ نَارٌ عَظِيمَةٌ فَيَقَعُ فِيهَا أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يُشْرِكَ بِاللّٰهِ شَيْئًا. (سنن النسائي، كتاب الإيمان و شرائعه / باب طعم الإيمان رقم: ٤٩٩٧ دار الفكر بيروت)

سے) محبت رکھے اور اللہ ہی کے لئے (بدکاروں سے) بغض رکھے (۳) اور دہکتی ہوئی بڑی آگ میں جل جانا اُسے اِس بات کے مقابلے میں زیادہ پسند ہو کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے۔

نیز سیدنا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ. (سنن أبي داؤد، أول كتاب السنة / باب مجانبة أهل الأهواء وبغضهم رقم: ٤٥٩٩ دار الفكر بيروت، المسند لإمام أحمد بن حنبل رقم: ٢١٣٠٣)

اللہ کے لئے (اہل حق سے) محبت رکھنا اور اللہ ہی کے لئے (اہل باطل سے) دشمنی رکھنا افضل ترین اعمال میں سے ہے۔

اور سیدنا حضرت اَبواُمامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغض فی اللہ کو کمالِ ایمان کی علامات میں شمار فرمایا:

مَنْ أَحَبَّ فِيْ اللّٰهِ وَأَبْغَضَ فِيْ اللّٰهِ وَأَعْطَى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ. (سنن أبي داؤد، كتاب السنة / باب الدليل على زيادة الإيمان ونقصانه ٤٦٨١ دار الفكر بيروت)

جو شخص اللہ کے لئے محبت رکھے اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھے اور اللہ کی خوشنودی کی خاطر عطا کرے، اور اُسی کے لئے (غلط جگہ خرچ کرنے سے) روکے، تو اُس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔

اِس حدیث کی شرح کرتے ہوئے مشہور شارحِ حدیث علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وأبغض للّٰه لا لإيذاء من أبغضه له؛ بل لكفره أو عصيانه الخ". (فيض القدير للمناوي / حرف الميم ٣٦/٦ تحت رقم: ٨٣٠٨ دار الفكر بيروت) (یعنی اللہ کی خوشنودی کے لئے غلط کار لوگوں سے بغض رکھے، اور یہ بغض اُنہیں اِیذا دینے کی غرض سے نہ ہو؛ بلکہ اُن کے کفر اور نافرمانی کی وجہ سے ہو)

علاوہ اَزیں قرآنِ کریم میں صراحۃً بدعقیدہ لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

اِرشادِ خداوندی ہے:

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکَافِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ. (آل عمران، جزء آیت: ۲۸)

مؤمنین کو چاہئے کہ وہ اہل اِیمان کو چھوڑ کر کفار سے موالات (دلی تعلق) نہ کریں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اِس آیت کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں: ''اور یہی حکم ہے فساق واہل بدعت کا؛ جیسا کہ روایات سے ظاہر ہے''۔ (بیان القرآن ۱/۲۰۵)

محدثِ کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ''بغض فی اللہ'' کی تشریح کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ ''دینی معاملے میں اہل بدعت سے ہر زمانے میں ترکِ تعلق کا حکم ہے؛ تا آں کہ وہ سچی توبہ اور اپنے غلط نظریات سے رجوع نہ کرلیں''۔ (بذل المجہود ۱۳/۱۰ مرکز الشیخ ابی الحسن الندویؒ مظفر پور اعظم گڈھ)

اور حضرت اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل باب قائم فرمایا ہے: ''باب ما یجوز من الھجران لمن عصی'' (یعنی گناہ اور نافرمانی کرنے والے سے ترکِ تعلق کی اِجازت)

(بخاری شریف، کتاب الادب/ باب ما یجوز من الہجران لمن عصی وتحتہ رقم: ۶۰۷۸)

اِس کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''جن روایات میں ترکِ تعلق کی ممانعت وارد ہے، اُن سے وہ صورت مستثنیٰ ہے جب کسی شخص سے اُس کی بدعملی کی بنیاد پر ترکِ تعلق کیا جائے، تو ایسی صورت میں زجر وتنبیہ کے لئے ترکِ تعلق کی اِجازت ہوگی''۔ (فتح الباری، کتاب الادب/ باب ما یجوز من الہجران لمن عصی ۱۳/۶۱۰ تحت رقم: ۶۰۷۸)

چند واقعات

○ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ خاتونِ جنت سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر کھانا بنایا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، پیغمبر علیہ السلام تشریف لائے؛ لیکن

ایک منقش پردہ (غالباً اُس میں تصاویر تھیں) دیکھ کر دروازے ہی سے واپس ہو گئے، حضرت سیدہؓ یہ دیکھ کر بہت پریشان ہوئیں، فوراً سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھیجا کہ معلوم کریں کہ حضور اکرم علیہ السلام کیوں واپس تشریف لے گئے؟ جب سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جا کر عرض کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

إِنَّهُ لَيْسَ لِي أَوْ لِنَبِيٍّ أَنْ يَدْخُلَ بَيْتًا مُزَوَّقًا. (سنن أبي داؤد، كتاب الأطعمة / باب الرجل يدعى فيرى مكروهًا ۵۲۷/۲ رقم: ۳۷۵۵)

یعنی میرے لئے یا کسی نبی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ سجے ہوئے کمرے میں داخل ہو۔

تو اِس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملا کہ منکر پر نکیر کرنے میں رشتہ ناطہ کا خیال نہیں کیا جائے گا کہ یہ تو ہمارے رشتے دار کا معاملہ ہے، تو اس سے چشم پوشی کی جائے، ورنہ رشتے دار ناراض ہو جائے گا؛ بلکہ حق بات کو بہر حال اُجاگر کیا جائے گا، ورنہ نبی اکرم علیہ السلام اپنی چہیتی صاحب زادی کے ساتھ یہ معاملہ ہرگز نہ فرماتے۔

○ سیدنا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے ہاتھ (سردی وغیرہ کی وجہ سے) پھٹ گئے تھے، جب میں گھر گیا تو اہلیہ نے اُس پھٹن میں زعفران بھر دیا (حالاں کہ اِس طرح زعفران کا استعمال مردوں کے لئے ممنوع ہے) اُس کے بعد جب میں اِسی حالت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا، تو آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا، اور اِرشاد فرمایا کہ: ''جاؤ! پہلے اپنا ہاتھ دھوکر آؤ''۔ (ابوداؤد شریف، کتاب السنۃ/ باب ترک السلام علی اہل الاہواء حدیث: ۴۶۰۱)

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طرزِ عمل سے یہ معلوم ہوا کہ خلافِ شریعت عمل کرنے والوں سے زجر وتوبیخ کے طور پر سلام وکلام ترک کرنا چاہئے۔

○ اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک سفر کے دوران حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اُونٹ بیمار ہو گیا، جب کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس ایک زائد

اُونٹ تھا، تو نبی اکرم علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا کہ ''یہ زائد اُونٹ صفیہ کو دے دو''۔ یہ سن کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے غصے سے کہا کہ ''کیا میں اِس یہودن (حضرت صفیہؓ) کو اپنا اُونٹ دوں؟'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا پر اِس قدر غصے ہوئے کہ ڈھائی تین مہینے تک اُن سے بات چیت نہیں فرمائی۔ (ابوداؤد شریف، کتاب السنۃ/ باب ترک السلام علی اہل الاہواء حدیث: ۴۶۰۲)

اِس حدیث کی شرح میں صاحب بذل المجہود لکھتے ہیں کہ ''جب زبانی گناہ پر ترکِ تعلق کیا گیا، تو بدعت کی بنیاد پر بدرجہ اولیٰ ترکِ تعلق کا حکم ہوگا''۔ (بذل المجہود ۱۲/۱۳۰ مرکز الشیخ ابی الحسن الندویؒ)

○ ایک مرتبہ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جنازے میں کسی شخص کو ہنستے ہوئے دیکھا، تو آپ نے ناراضگی سے اِرشاد فرمایا کہ ''تم جنازے کے موقع پر بھی ہنس رہے ہو؟ اَب میں تم سے کبھی بھی بات چیت نہیں کروں گا''۔ (حیاۃ الصحابۃ ۲/۳۴۵ اِشاعت دینیات دہلی)

○ اور ایک موقع پر سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عورتوں کے مسجد جانے سے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اِرشاد نقل فرمایا، جسے سن کر اُن کے ایک صاحب زادے (جن کا نام بلال ہے) نے برملا کہا کہ ''ہم تو اپنی عورتوں کو ضرور منع کریں گے، ورنہ وہ اسے گھر سے نکلنے کا بہانا بنالیں گی''۔ اُن کی اِس بات پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اِس قدر ناراض ہوئے کہ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کو کبھی بھی اتنا برا بھلا کہتے ہوئے نہیں سنا، آپ یہ فرمارہے تھے کہ ''میں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کررہا ہوں، اور تیری یہ مجال کہ تو اُس کے خلاف اپنی رائے پیش کررہا ہے''۔ (مسلم شریف، کتاب الصلوٰۃ/ باب خروج النساء الی المساجد حدیث: ۴۴۲ بیت الافکار الدولیۃ)

○ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک دوست شام میں رہتا تھا، جس سے آپ کی خط وکتابت جاری رہتی تھی، تو ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اُس کو خط لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم تقدیر کے بارے میں (غلط) گفتگو کرتے ہو، اِس لئے خبردار! آئندہ مجھے کوئی خط مت لکھنا؛ کیوں کہ میں نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ''عنقریب میری اُمت میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو تقدیر کو جھٹلائیں گے''۔ (ابوداؤد شریف ۲/۶۳۴)

تو دیکھئے! تقدیر کے بارے میں گمراہ کن نظریہ کا علم ہوکر اُس شخص سے پرانی دوستی ختم کردی

اور صاف کہہ دیا کہ تمہاری کج فکری کی وجہ سے اَب تم سے ہمارا تعلق باقی نہیں رہ سکتا۔

○ ایک شخص نے سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ میں آپ سے لوجہ اللہ محبت کرتا ہوں، تو حضرت ابن عمرؓ نے اُس کو جواب دیا کہ ''میں تم سے اللہ واسطے بغض رکھتا ہوں'' تو اُس شخص نے حیرت سے پوچھا کہ اِس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ''تم گا کر اَذان دیتے ہو (جو ممنوع ہے) اور اس پر اُجرت بھی لیتے ہو''۔ (الکامل لابن عدی ۱۵۲/۹ الباحث الحدیثی)

○ حضرت خراش بن جبیر کہتے ہیں کہ میں مسجد میں موجود تھا، تو وہاں ایک جوان لڑکا اُنگلی پر کنکری رکھ کر مار رہا تھا، وہیں پر ایک معمر شخص تشریف فرما تھے، اُنہوں نے اُس لڑکے کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اِس طرح کنکری مت مارو؛ اِس لئے کہ میں نے خود نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کنکری مارنے سے منع کرتے ہوئے دیکھا ہے''؛ لیکن اُس لڑکے نے اُن کی بات پر کوئی خاص دھیان نہیں دیا اور وہ کنکر بازی کرتا رہا، تو وہ صحابی اِس بات پر سخت ناراض ہوگئے، اور فرمایا:

أُحَدِّثُکَ أَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنْھٰی عَنِ الْخَذْفِ، ثُمَّ تَخْذِفُ؟ وَاللّٰہِ لَا أَشْھَدُ لَکَ جِنَازَۃً وَلَا أَعُوْدُکَ فِيْ مَرَضٍ وَلَا أُکَلِّمُکَ أَبَدًا.

(سنن الدارمي / باب عقوبة من بلغه عن النبي حديث فلم يعظمه ولم يؤقره رقم: ٤٥٢)

میں نے تجھ سے یہ بات بیان کی تھی کہ میں نے بذاتِ خود نبی اکرم علیہ السلام سے کنکری مارنے کی ممانعت سن رکھی ہے، اس کے باوجود تو کنکری مار رہا ہے؟ لہٰذا اَب میں نہ تو تیرے جنازے میں شریک ہوں گا اور نہ تیری مزاج پرسی کروں گا اور نہ تجھ سے کبھی بات چیت کروں گا۔

اِن واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرات سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ دین کے معاملے میں کوئی رورعایت اور مداہنت نہیں برتتے تھے؛ بلکہ اُن کے تمام تعلقات دینی حدود کے دائرے ہی میں رہتے تھے، اُس سے باہر نکلنا اُنہیں گوارا نہ تھا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

خاندانی عصبیت

خاندانی عصبیت یعنی حق یا ناحق سمجھے بغیر محض رشتہ داری کی بنا پر خاندان کا ساتھ دینا اِسلام

میں ہرگز درست نہیں ہے۔ سیدنا حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس پر سخت تنبیہ کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلىٰ عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلىٰ عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلىٰ عَصَبِيَّةٍ. (سنن أبي داؤد، أول كتاب الأدب / باب في العصبية رقم: ٥١٢١ دار الفكر بيروت)

جو شخص عصبیت کی طرف بلائے وہ ہم میں سے نہیں ہے، اور جو شخص تعصب کی بنیاد پر لڑائی کرے وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے، اور جس شخص کی عصبیت کی حالت میں موت آئے ہمارا اُس سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا:

مَنْ قُتِلَ تَحْتَ رَايَةٍ عِمِّيَّةٍ يَدْعُوْ عَصَبِيَّةً أَوْ يَنْصُرُ عَصَبِيَّةً فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ. (رواه مسلم، كتاب الإمارة / باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن رقم: ١٨٥٠)

جو شخص کسی اندھے جھنڈے کے تحت عصبیت کی دعوت دیتے ہوئے یا اُس کی نصرت کرتے ہوئے مارا جائے، تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

نجات کا مدار

اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ آخرت میں نجات کا مدار محض کسی خاندانی نسبت پر نہیں ہے؛ بلکہ خوش عقیدگی اور حسن عمل پر کامیابی موقوف ہے۔ اور کسی اُونچے خاندان سے وابستگی محض اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے، جس میں بندے کے اِرادے یا محنت کا کوئی دخل نہیں ہے؛ لہٰذا اِس نعمت پر شکر گذاری تو لازم ہے؛ لیکن فخر وغرور کی اِجازت نہیں ہے۔ پس جو شخص خاندانی شرافت کی بنا پر دوسروں پر اپنی بڑائی ظاہر کرے، یا اُنہیں حقیر سمجھے، وہ جاہلیت کے طریقے پر چلنے والا ہے۔ سیدنا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

أَرْبَعٌ مِنْ أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُوْنَهُنَّ: اَلْفَخْرُ فِي

میری اُمت میں جاہلیت کی چار باتیں باقی رہیں گی، جنہیں اُمت کے لوگ نہیں چھوڑیں گے:

الْأَحْسَابِ، وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ، وَالِاسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ، وَالنِّيَاحَةُ. (رواه مسلم، كتاب الجنائز / التشديد في النياحة رقم: ٩٣٤)

(۱) خاندانی شرافت کی بنیاد پر فخر وغرور (۲) نسب کی بنیاد پر طعنہ زنی (۳) ستاروں سے بارشوں کی اُمید (۴) موت پر نوحہ خوانی۔

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ وضاحت اِس لئے فرمائی؛ تاکہ اُمت کے سمجھ دار لوگ ایسی جاہلانہ باتوں سے خود بھی دور رہیں، اور دوسروں کو بھی اُس سے دور رکھنے کی کوشش کریں۔

خاص طور پر وہ خوش نصیب اَفراد جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاندانی نسبت عطا فرمائی ہے، اُنہیں ہر دم شکر گذاری کے ساتھ ساتھ ظاہر وباطن اور سیرت وصورت میں اتباعِ شریعت وسنت اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے طریقوں پر چلنے کا اہتمام لازم ہے۔ اگر وہ اِس کا اہتمام نہیں کریں گے، تو محض خاندانی نسبت سے اُنہیں آخرت میں اُونچا درجہ ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں اِرشاد فرمایا:

مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ. (صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار رقم: ٢٩٩)

جس کا عمل اُسے پیچھے کردے، تو اُس کا نسب اُسے آگے نہیں لے جاسکتا۔

اِس لئے ہم سب کو چاہئے کہ سلف صالحین کے بتائے ہوئے راستے پر مضبوطی سے قائم رہیں، اور ہر قسم کی بدفکری اور کج روی سے اجتناب کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو خیر کی توفیق عطا فرمائیں، اور صراطِ مستقیم پر استقامت نصیب فرمائیں، اور اپنے نیک اور مقبول بندوں کے ساتھ ہمارا حشر فرمائیں، آمین۔

اِفاداتِ عثمانیہ:

فرقۂ ناجیہ کا مصداق

(اِفادات: حضرت اَقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ)

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيْلَ تفرَّقَتْ عَلىٰ ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلىٰ ثَلاثٍ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً. قَالُوْا: مَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ. (سنن الترمذي / باب ما جاء في افتراق هذه الأمة رقم: ٢٦٤١) (**وفي رواية: عن معاويةؓ ثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِي النَّارِ وَوَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ، وَهِيَ الْجَمَاعَةُ.** (مشكاة المصابيح ٣٠/١، سنن أبي داؤد / باب شرح السنة رقم: ٤٥٩٧) (یعنی بنی اسرائیل ۷۲ر فرقوں میں بٹے اور میری اُمت ۷۳ر فرقوں میں تقسیم ہوگی، جن میں سے ایک کے سوا سب جہنم کے مستحق ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ''وہ (ایک نجات پانے والا) فرقہ کون سا ہوگا؟'' تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''وہ لوگ جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوں گے''۔ (اور حضرت معاویہؓ کی روایت میں ہے) کہ: ''۷۲ر فرقے جہنمی ہوں گے اور ایک فرقہ جنتی ہوگا جو ''جماعت'' والا ہے''۔ (یعنی قرآن وسنت اور اِجماعِ اُمت پر قائم ہے)

اِس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرماتے ہوئے مسلمانوں کو اِس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ مختلف گمراہ فرقوں میں بٹ کر گمراہی سے بچیں! اور اس کا یہی طریقہ ہے کہ صرف فرقہ ناجیہ (نجات پانے والی جماعت) کے عقائد واَعمال اپنا کر ''اُمتِ واحدہ'' بن جائیں، اور دوسرے فرقوں سے برأت کا اظہار کریں، ورنہ وہ اُن کو دوزخ کا مستحق بنا دیں گے۔

یہی مضمون قرآنِ کریم کی درج ذیل آیت کریمہ میں اِرشاد فرمایا گیا: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ [آل عمران، جزء آیت: ۱۰۳] (مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلے کو (یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کو جس میں اصول وفروع سب آ گئے) اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو) (بیان القرآن) اِس طرح ملت اِسلامی کا شیرازہ خود بخود منظّم ہو جائے گا، جیسے کوئی جماعت ایک رسی پکڑے ہوئے ہو تو پوری جماعت ایک جسم واحد بن جاتی ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن)

خلاصہ یہ کہ ہر مسلمان مرد وعورت قرآنِ کریم پر عمل کرنے والا بن جائے، یہ نہیں ہونا چاہئے کہ کوئی قرآن کے احکام پر عمل کرے اور کوئی نہ کرے، اِس آیت کا یہ مطلب سمجھنا غلط ہے کہ بدعملی اور عقیدہ کی خرابی کے باوجود مسلمانوں کو باہم متحد ہونے کا حکم دیا جائے؛ بلکہ مقصود یہ ہے کہ سب کو ''راہِ نجات'' پر متفق ہونے کی دعوت دی جائے، اور راہِ نجات وہی ہے جس کو مذکورہ حدیث میں ''مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي'' اور ''الجماعة'' سے تعبیر کیا گیا ہے، واللہ الموفق۔

مرتب کی چند اہم علمی کاوشیں

اسماءِ کتب	تعداد صفحات
❑ رحمٰن کے خاص بندے	صفحات: ۵۱۲
❑ ایک جامع قرآنی وعظ	صفحات: ۴۲۸
❑ اللہ سے شرم کیجئے!	صفحات: ۴۳۲
❑ اللہ والوں کی مقبولیت کا راز	صفحات: ۱۹۲
❑ دعوتِ فکر و عمل	صفحات: ۵۴۰
❑ لمحاتِ فکریہ	صفحات: ۳۲۰
❑ مشعلِ راہ	صفحات: ۴۰۰
❑ خطباتِ سیرتِ طیبہ	صفحات: ۲۴۰
❑ کتاب الوعظ والتذکیر (جلد اول)	صفحات: ۳۳۶
❑ کتاب المسائل (۵/جلدیں)	مجموعی صفحات: ۲۳۱۰
❑ کتاب النوازل (۱۹/جلد)	مجموعی صفحات: ۱۱۴۲۴

رابطہ:

(مفتی) سید محمد ابوبکر صدیق منصورپوری 6395055757 - 8791034667